ماہنامہ
لاہور
جہانِ رضا
اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے افکار و نظریات کا ترجمان
اے کلیم وادی احمد رضا
اے عصائے موسوی در عصر ما
خصوصی نمبر
حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ
بانی مرکزی مجلس رضا

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے افکار و نظریات کا ترجمان

ماہنامہ جہانِ رضا

حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ پر

خصوصی نمبر

مرکزی مجلسِ رضا

نعمانیہ بلڈنگ۔ ٹکسالی گیٹ۔ لاہور پوسٹ بکس ۲۲۰۶

ماہنامہ جہانِ رضا لاہور

جلد ۹ اکتوبر، نومبر ۲۰۰۰ء / شعبان، رمضان ۱۴۲۱ھ شمارہ ۹۰

بانی مرکزی مجلس رضا، حکیم اہل سنت محمد موسیٰ امرتسری رحمتہ اللہ علیہ کے سالانہ عرس پر

خصوصی نمبر

مرتبہ : پیرزادہ اقبال احمد فاروقی ایم۔اے (نگران مرکزی مجلس رضا، لاہور)

موضوع : حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی علمی خدمات پر مقالات

تحقیقات وتحریرات : دانشورانِ حلقہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری

صفحات : ۳۶۰، سائز : ۱۶/۲۳×۳۶

ہدیہ : دعائے خیر بحق معاونین

تقسیم : رجسٹرڈ اراکین کے لیے اعزازی

اہل ذوق حضرات (۱۵) روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر بذریعہ ڈاک طلب کر سکتے ہیں

مرکزی مجلس رضا، نعمانیہ بلڈنگ، ٹکسالی گیٹ لاہور ۰

ذیلی دفتر مرکزی مجلس رضا، گنج بخش روڈ، لاہور

پوسٹ بکس نمبر ۲۲۰۶، لاہور

دفتر افکار رضا، ۶۷ ڈم ٹمکر روڈ، ممبئی (انڈیا)

خصوصی نمبر کے مقالات ایک نظر میں

شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم!

حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمتہ اللہ علیہ مرکزی مجلس رضا کے بانی تھے۔ حکیم تھے، طبیب تھے، نباض تھے۔ اپنے مریضوں کے لیے سرگرم دم جستجو اور نرم دم گفتگو تھے۔ با دشمناں تلطف، با دوستاں مدارا ان کی عادت تھی۔ طبابت ان کا پیشہ تھا مگر ان کی ساری زندگی امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کے عشق میں گزری۔ آپ نے انہیں کے علمی مقامات اور نظریات کی اشاعت میں زندگی کی تمام توانائیاں صرف کر دیں۔ آپ کے افکار کی اشاعت کو اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ ہزاروں نہیں، لاکھوں کتابیں چھپوا کر تقسیم کیں اور ہر پڑھے لکھے شخص کے دروازے پر دستک دی اور اس کے سامنے اعلیٰ حضرت کے نظریات پر کوئی نہ کوئی کتاب رکھ دی۔ اس سلسلہ میں آپ نے اٹھارہ لاکھ سے زیادہ کتابیں زیور طباعت سے آراستہ کر کے پاکستان اور بیرونی ممالک میں تقسیم کیں۔ آپ کے اس کارنامے کو علماء، مشائخ اور دنیا بھر کے دانشوروں نے سراہا۔ حکیم صاحب مرحوم نے اپنے آپ کو صرف فاضل بریلوی کی تعلیمات اور

نظریات کی اشاعت تک محدود نہ رکھا بلکہ پاکستان کے اہل قلم دانشوروں کو اعلیٰ حضرت کے قریب کر لیا۔ انہیں فکر رضا پر لکھنے کے لیے تیار کیا اور اس طرح مختلف موضوعات پر کام ہونے لگے۔ ملک کے مختلف شہروں میں ایسے ادارے قائم کرنے والوں کی راہنمائی اور حوصلہ افزائی کی جو فاضل بریلوی کے نظریات پر کام کرنے میں دلچسپی لیتے تھے۔ چنانچہ سینکڑوں اہل قلم و علم خیابان رضویت میں گلہائے رنگا رنگ بن کر مہکنے لگے۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم نے بے سرو سامانی کے عالم میں وہ کام کیا جو بڑے بڑے ادارے، انجمنیں اور اشاعتی کارخانے نہ کر سکے تھے۔ وہ دن رات کام کرتے۔ اپنی مختصر سی ٹیم کے ساتھ آگے بڑھتے گئے اور ان کی تہی دستی دستِ صبا بن کر اپنے معاونین کے قافلے کے ساتھ سارے برصغیر پر چھا گئی اور دنیائے رضویت کے صف اول کے سکالر دنیائے سنیت کے راہنما بن کر آگے بڑھے۔

آج ہم گلستان رضویت کے پھول "جہان رضا" کا خصوصی نمبر شائع کر رہے ہیں۔ یہ شمارہ حکیم صاحب کی علمی اور ملکی خدمات کے اعتراف کا گلدستہ بن کر آپ کے ہاتھوں میں پہنچ رہا ہے۔ ہم نے دنیائے رضویت کے اہلِ قلم سے مقالات حاصل کیے ہیں اور انہیں "جہان رضا" کے صفحات پر سجا کر آپ کے سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ ہم نے خصوصی طور پر حکیم صاحب کے حلقہ میں بیٹھنے والے مخلص احباب کے مضامین کو ترجیحی طور پر شائع کیا ہے اور آپ کی نذر کر رہے ہیں۔ ہم نے ایسے حضرات کو لکھنے کی زحمت دی ہے جو سالہا سال حکیم صاحب کے ساتھ رہے۔ ہم نے اہتمام کیا ہے کہ کوئی مطبوعہ مضمون کسی کتاب یا رسالے کے صفحات کا عکس آپ تک نہ آنے پائے اور آپ اسے قند مکرر کا اعزاز دے کر نہ پڑھیں بلکہ آپ جو صفحہ کھولیں گے آپ کو ایک گل تازہ کی مہک آئے گی۔ آپ جب ورق الٹیں گے تو آپ کو شبنم سے دھلے ہوئے گلاب کے پھول نظر آئیں گے۔ آپ صفحات الٹتے جائیں گے تو صفحہ صفحہ آپ کے دل و دماغ کو مشام جان بن کر معطر کرتا جائے گا۔

''جہان رضا'' کے اس خصوصی نمبر میں مقالات اور مضامین کے ہدیئے پیش کرنے والے تو ہمارے بے پناہ شکریہ کے مستحق ہیں مگر جن حضرات نے اس نمبر کی اشاعت میں مفید مشوروں سے تعاون کیا ہے وہ بھی ہمارے تشکر و تفضّل کے حقدار ہیں۔ جن رفقائے کار نے عملی طور پر اس نمبر کی ترتیب میں حصہ لیا' ان کے لیے ہم سراپا سپاس ہیں مگر حکیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مخلص احباب میں سے جناب محمد عالم مختار حق' صاحبزادہ سلیم حماد اور حکیم صاحب کے مطب کی شمع فروزاں کو روشن رکھنے والے دونو جوان ہم نشین حضرت حکیم مرحوم صاحبزادہ محمد زبیر ضیائی سجادہ نشین حضرت داتا گنج بخش اور حکیم محمد موسیٰ کے عزیز مولانا ریاض ہمایوں کی عملی خدمات ہماری دستگیری کرتی رہیں۔ ہم ان کے دلی طور پر شکرگزار ہیں۔

ماہنامہ ''جہان رضا'' کا یہ خصوصی نمبر اپنی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے مجلس کے اراکین اور طلب گاران نمبر تک پہنچنے کا اعزاز حاصل کر رہا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری جیسے فقیر بے نوا کا نام ایک دن اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے ثناخوانوں میں گونجے گا۔ مستقبل کے کئی سکالرز آپ کی علمی خدمات پر تحقیقی کام کرنے والوں کو وادی تحقیق کی شب تاریک میں روشنی بہم پہنچائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے ہر مقالہ نگار سکالر کے مختصر حالات بھی شریک اشاعت کر دیئے ہیں اور ان کے پتے بھی لکھ دیئے ہیں تاکہ ان سے رابطہ کیا جاسکے۔

بہ تعاون و تشکر

الحاج محمد حنیف صاحب۔ ریواز گارڈن لاہور

مولانا علی اصغر صاحب چشتی صابری۔ شاہ عالم گیٹ لاہور

صاحبزادہ سلیم حماد صاحب دربار داتا گنج بخش لاہور

صاحبزادہ محمد زبیر صاحب ضیائی۔ دربار داتا گنج بخش۔ لاہور

جناب ریاض ہمایوں صاحب۔ لاہور

مولانا محمد صادق صاحب علوی۔ لاہور

جناب محمد فہیم صاحب۔ سانده۔ لاہور

جناب محمد عالم مختار حق صاحب۔ لاہور

جناب نذیر احمد صاحب ضیا نقشبندی۔ لاہور

پیرزادہ اقبال احمد صاحب فاروقی۔ لاہور

صاحبزادہ محمد یونس صاحب انصاری۔ بحرین

عطاء الرحمان شیخ صاحب ایڈووکیٹ سپریم کورٹ۔ لاہور

سید افتخار شاہ صاحب۔ لاہور

مکتبہ نبویہ۔ گنج بخش روڈ۔ لاہور

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حکیمِ اہلِ سُنت کی یاد میں

نعتیہ شاعری کے جگمگاتے آسمان پر چاند بن کر چمکنے والے جناب بشیر حسین ناظم کی حکیم اہلسنت کی چالیس سالہ مجالس کی یادوں میں ڈوبی ہوئی دلگداز تحریر جسے آپ بار بار پڑھنا پسند کریں گے۔

اے ہم نفسان محفل ما　　رفتید ولے نہ از دل ما

حکیم اہل سنت! پیکر مودت مجمع سعادت، مخزن علوم و معارف، مخدوم صغیر و کبیر محبوب غریب و امیر، ملجائے اہل دانش و بینش ماوائے مسترشدین، رہنمائے طالبان تحقیق و تدقیق، مرشد منہاج یقین، عاشق محبوب رب العالمین (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت قبلہ و کعبہ حکیم محمد موسیٰ چشتی نظامی امرتسری رحمتہ اللہ علیہ ایک استغناء کے ناز سے خراماں خراماں مرحمت زار ربانی اور جلوہ زار رحمانی کی طرف دامن کشاں چل دیئے اور اپنے لاکھوں محبوں کو اشکبار چھوڑ کر فادخلی فی عبادی کا مصداق بن کر حضور رحمتہ للعالمین کے مراحم بے پایاں کی کسوت میں ملفوف ہو کر فردوس اعلیٰ میں آرام فرما ہو گئے انا للہ وانا الیہ رجعون O

؎ اب ان کے دیکھنے کو اکھیاں ترستیاں ہیں

مخدوم اہل سنت حضرت حکیم محمد موسیٰ رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت کے اتنے زیادہ پہلو تھے جن کا احاطہ حرفوں، لفظوں، سطروں اور جملوں سے ناممکن ہے۔ ان کی باتوں میں عود و عنبر کی خوشبو، تحریروں میں صدق و صفا کا طنطنہ، افکار میں خلوص کا ہمہمہ تھا۔ ان کے نزدیک مداہنت کفر، مصلحت معصیت اور حقائق کا استتار و اعراض ایمان کی ضد تھا، انہوں نے زندگی کے ہر شعبے کو پاکیزگی سے سجایا۔ زندہ لاشوں کو زندگی بخشی، ان میں غیرت ملی اور حمیت دینی کے ایسے شعلے بھر دیئے جنہوں نے مسلک اہل سنت کے پیروکاروں میں زبردست قوت فعال پیدا کی اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے خانقاہ تکاسل اور حجرۂ تساہل اور کلبہ تغافل سے نکل کر مسلک حقہ اہل سنت کے احیاء کے لیے میدان عمل میں آ گئے۔ قبلہ حکیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے منجملہ کارہائے نمایاں میں ماہنامہ "جہان رضا" کا اجرا ہے جس کی ادارت کے فرائض حضرت علامہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی کے سپرد ہے۔ حضرت پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی کے سر پر اعلیٰ حضرت کی شان و شوکت کی رداٴ کا ظل ظلیل ہے۔ ان کے کلک و قلم سے جو اداریئے یا مضامین نکلتے ہیں، ایک طرف تو مسلک اعلیٰ حضرت کی ترجمانی کرتے ہیں اور دوسری طرف اعلیٰ حضرت کے مسلک کے ہر خرد و کلاں کو جھنجھوڑتے ہیں۔ جس کا مقصد وحید ان میں عملی بیداری پیدا کرنا ہوتا ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل وہ ہمت، وہ فراست، وہ علم، وہ فضل اور عزیمت اور حمیت و غیرت بخشی ہے کہ وہ ارباب حکومت کی بھی ان کے اعمال و لوائح شنیعہ پر سخت گرفت کرتے ہیں۔ وہ اہل سنت کا فخر ہیں، ناز ہیں اور شان و شوکت ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں سلامت، باکرامت رکھے، آمین۔

حکیم محمد موسیٰ رحمتہ اللہ علیہ تصوف کے آسمان کی کہکشاں، تعلیم و تعلم کا دلکش ادارہ، حق گو اور حق جو لوگوں کی انجمن، مروت کے کوہ البرز، اقبال کے

لالہ صحرائی، موج نسیم بہار، شمیم و نکہت گلزار اخیار اور جالس حلقہ ابرار تھے۔

لاہور میں پچھلے پچاس سالوں میں دو میکدے دیکھنے میں آئے جہاں تشنگان علوم و معارف دوڑے چلے آتے۔ یہ میکدے میکدۂ حکیم محمد موسیٰ امرتسری اور میکدہ حضرت مولانا محمد شمس الدین تاجر کتب نادرہ کے نام سے مشہور تھے۔ ان مصطبوں اور مے خانوں سے ہر میخوار کو بقدر ظرف مل علم و معارف میسر آتی تھی۔ اور وہ بھی بلا تفریق مذہب و ملت۔

جن تشنگان علم کی پیاس "میکدۂ شمسیہ" سے نہ بجھتی وہ "مے خانہ موسوی" میں چلا آتا۔ میں نے دیکھا ہے جس محقق و مفتش کو تحقیق کے میدان میں کوئی مشکل پیش آتی، وہ حضرت قبلہ حکیم صاحب کے ہاں چلا آتا۔ قبلہ صاحب قلیل وقت میں اس کے مقالے کے ذیلی عنوانات لکھوا دیتے اور وہ اس قدر مسرور و شادمان اٹھتا کہ اس کے سرور قلبی اور روحانی فرحت کا کوئی اندازہ نہ ہوتا۔ محترم و مکرم خواجہ محمد شفیع دہلویؒ کے داماد عبدالرحمٰن بارکر جو ان دنوں مونٹریال یونیورسٹی کنیڈا میں شعبہ اردو اور مشرقی زبانوں کے چیئرمین تھے۔ مولانا شمس الدین مرحوم اور قبلہ حکیم صاحب کے عشاق میں تھے۔ نہایت ہی خوش گل، خوش وضع اور خوش قطع انسان تھے۔ خواجہ شفیع دہلوی مرحوم کی صحبت نے انہیں کندن بنا دیا تھا۔ نہایت پاکیزہ گفتگو کرتے اور جب حکیم صاحب کی خدمت میں تحقیقی مقصد کے لیے آتے تو ان کا انداز ادب دیکھنے والا ہوتا تھا۔ وہ حکیم صاحب سے ادب عالیہ سے متعلق گفتگو کرتے، کبھی حافظ کے متصوفانہ خیالات و افکار پر تبادلہ خیال کرتے، کبھی ابن عربی کے فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ کے دقائق کا حل ڈھونڈتے، کبھی حضرت عبدالکریم جیلی کی "انسان کامل" کی اصطلاحات کی عقدہ کشائی کراتے اور کبھی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ کے مکتوبات کے بعض مقامات کی تشریح و توضیح کراتے۔

قبلہ حکیم صاحب اگرچہ چشتی و نظامی تھے لیکن انہیں حضرت مجدد پاک رحمتہ اللہ علیہ سے عشق فراواں تھا۔ مجدد صاحب کے مقامات عالیہ و علیہ کو بیان کر کے ایک گونہ راحت و فرحت کرتے۔ کبھی کوئی مجددی و نقشبندی حاضر خدمت ہوتا تو اس کی اچھی طرح رہنمائی فرماتے۔

محترم و مکرم قبلہ حکیم صاحب بیک وقت کئی خوبیوں کے مالک تھے۔ اور اخلاق و مکارم اور عمدہ خصائل و فضائل کا مرقع تھے۔ اور سخاوت، حلم، دلیری، حمیت، شجاعت، وفاداری، مہمان نوازی، غیرت مندی، اتحاد اور حافظہ میں فقید المثال شخصیت تھے۔ علاوہ ازیں علوم متداولہ پر انہیں ہوشربا دسترس تھی۔ علم الانساب (تصوف) علم تاریخ، تقابل ادیان، علم طب، علم الابدان پر خاص مزاولت اور مہارت رکھتے تھے۔

محولہ بالا سطور میں ہم نے مے خانہ و میکدۂ شمسیہ و موسوی کا ذکر کیا ہے۔ یہ دونوں حضرات اپنے احباب اور زوار کی چائے سے ضرور تواضع کرتے مولانا شمس الدین مرحوم جو کماتے، لوگوں کی تواضع پر خرچ کرتے۔ اسی طرح حکیم صاحب قبلہ کسی کو شربت پلاتے، کسی کو خمیرہ گاؤ زبان چٹاتے، کسی کو کھانا کھلاتے، کسی کو کھیر کھلاتے اور کئی لوگوں کی مالی مدد بھی فرماتے۔ ایسے کرنے میں راحت و فرحت محسوس کرتے اور خود فقر و فاقہ میں خوش خوش بسر کرتے۔

ایک راسخ العقیدہ سنی مسلمان ہوتے ہوئے حکیم صاحب نہایت ہی حلیم شخصیت کے مالک تھے۔ امام راغب اصفہانی نے "مفردات القرآن" میں لکھا ہے کہ حلم کا معنی نفس و طبیعت پر ایسا ضبط رکھنا ہے کہ غیظ و غضب کے موقع پر طبیعت اعتدال میں رہے۔ حلم کے اصل معنی متانت کے ہیں چونکہ متانت بھی عقل کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اس لیے حلم سے عقل مراد لیتے ہیں۔

راقم السطور نے اپنی سر کی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے کہ حکیم صاحب

کے ہاں بڑے بڑے ملحد، بد عقیدہ اور طالحین آ کر بیٹھتے، لیکن حکیم صاحب قبلہ نے کبھی کسی سے درشت اور کرخت لہجے میں گفتگو نہیں کی۔ حکیم صاحب کی اس عادت شریفہ سے بہت سے ملحدین متاثر ہوئے۔ اگر کوئی شخص حد سے تجاوز کرتا تو اس کا بڑی دلیری سے محاکمہ کرتے اس طرح کہ اس کی دل آزاری بھی نہ ہوتی۔ جو لوگ دین، اقدار دین اور شعائر دین کا تمسخر اڑاتے، ان کو حکیم صاحب کی حمیت و غیرت مندی کی آذر و گرمی جلا کر رکھ دیتی۔

قبلہ حکیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو مسلک اعلیٰ حضرت کا جتنا وفادار میں نے دیکھا ہے، کسی اور کو نہیں دیکھا۔ وہ اعلیٰ حضرت کی اک اک ادا پر مرتے۔ ان کے ذریعے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی ملنے والی نعمت، عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عام کرنے کے لیے اور عشق مصطفیٰ کی تفہیم کے لیے حکیم صاحب نے شاندار طریقے سے "یوم اعلیٰ حضرت" منانے کی طرح ڈالی۔ پھر جگہ جگہ یوم اعلیٰ حضرت منعقد ہونے لگا۔ جہاں ہزاروں کی تعداد میں شمع مصطفائی کے پروانے جمع ہوتے اور نعرۂ تکبیر و نعرۂ رسالت کے جاں نواز نعروں سے دیوار و در گونجتے۔

قبلہ حکیم صاحب نے سب سے بڑی کاوش یہ کی کہ اہل سنت میں ناقابل شکست اتحاد پیدا ہو جائے۔ اس ضمن میں انہوں نے جو مساعی خلوص دل سے کیں ان کی نہ کوئی قیمت ہے نہ بہا۔ وہ ہمیشہ باہمی مناقشتوں پر کڑھتے۔ اور جب کبھی کوئی ناخوشگوار واقعہ ہوتا یا باہمی تشتت یا کشیدگی کی کوئی خبر سنتے تو مضطرب ہو جاتے۔

عالم شیخوخت میں قبلہ حکیم کی قوت حافظہ ریعان جوانی سے بھی کہیں زیادہ تھی۔ وہ لفظوں کے خاندانوں اور نسلوں کو جانتے تھے۔ ایک دن ہمارے ایک دوست غلام چشتی رانا نے حکیم صاحب سے کہا کہ حکیم صاحب جوش ملیح آبادی کا دعویٰ ہے کہ عشق عربی زبان کا لفظ نہیں، مگر علامہ اقبال نے ساری عمر

عشق کی رٹ لگائے رکھی۔ قبلہ حکیم صاحب نے فوراً اعشی بن قیس کے اشعار کا ایک مصرع پڑھ کر ہمیں حیران کر دیا ؎

وما ذاک من عشق النساء وانما

عزیزان گرامی! حکیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی ذات گرامی کو بلاشبہ و ریب مشیت نے پیدا ہی اسی لیے کیا تھا کہ وہ حضور تاجدار عرب و عجم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ایک عاشق جلیل و عظیم اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ حافظ قاری مجدد ماۃ حاضرہ احمد رضا خان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشن کو جاری و ساری رکھیں۔ الحمد للہ وہ اس مقصد میں کامران و کامیاب ہوئے اور اس دنیا سے ایک سچے صوفی کی طرح تصوف کے آٹھ خصائل سخائے ابراہیم، رضائے اسماعیل، صبر ایوب، اشارت زکریا، غربت (غریب الوطنی) یحییٰ، لبس الصوف موسیٰ، سیاحت عیسیٰ اور فقر محمد علیہ السلام کے امین بن کر رخصت ہوئے ؎

اے صبا اے پیک دور افتادگاں
اشک ما بر خاک پاک او رساں

ہمیں امید ہے کہ محبان اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ اور عاشقان حکیم صاحب، خاص حضرت مولانا علامہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی مدظلہ ایڈیٹر جہان رضا اور میرے مخدوم حضرت صاحبزادہ میاں محمد زبیر احمد ضیائی اور عزیز محترم محمد ہمایوں سعیدی مدظلہ اپنے تمام رفقاء کی مدد سے حضرت حکیم اہل سنت کے مشن کو شاندار طریقے سے جاری و ساری رکھیں گے۔

بشیر حسین صاحب ناظم ایم اے، حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری کے محبوب احباب میں سے ہیں۔ انہوں نے حکیم صاحب کی مجالس کو ہمیشہ شگفتہ رکھا اور نعت رسول کی خوشبوؤں سے حکیم صاحب اور ان کے احباب کے دل و دماغ کو گل تر کی خوشبوؤں سے تروتازہ رکھا۔ آپ ۱۹۳۲ء میں گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا اسم گرامی میاں

غلام حسین تھا جو اپنے وقت کے مشہور نعت خوان رسول تھے۔ بشیر حسین ناظم بچپن میں ہی اپنے والدین کے ساتھ اعلیٰ حضرت میاں شیر محمد رحمۃ اللہ علیہ کے شہر شرقپور میں زیر تربیت رہے۔ حضرت میاں غلام اللہ شرق پوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو اپنی آغوشِ شفقت میں لیا اور اپنی دعاؤں سے انہیں نعت خوان رسول بنا کر حضور کے ثنا خوانوں کے باغوں میں بٹھا دیا۔ بشیر حسین ناظم نعت خوان بھی ہیں، نعت نویس بھی ہیں، نعت گو بھی ہیں اور نعت شناس بھی۔ لاہور آ کر آپ نے تعلیمی مراحل طے کیے۔ ایم اے اور ایل ایل بی کے امتحانات پاس کر لیے۔ لاہور کے علمی اور روحانی حلقوں سے گزرتے ہوئے مولوی شمس الدین مرحوم تاجر کتب نادرہ اور مرکزی مجلس رضا کے بانی محمد موسیٰ امرتسری چشتی نظامی کی مجالس میں جا پہنچے۔ حکیم صاحب کی مجالس نے انہیں پاکستان کے محققین اور اہل قلم میں لا کھڑا کیا۔ وہ اعتراف کرتے ہیں کہ میں مولف ہوں، مصنف ہوں، ادیب ہوں، محقق ہوں، نقاد ہوں، دانشور ہوں، شاعر ہوں، منقبت خواں ہوں، کالم نگار ہوں، خوش گفتار ہوں، جو کچھ بھی ہوں حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے دستر خوانِ علم و فضل سے بہرہ اندوز ہوا ہوں۔ انہوں نے ہر زبان میں نعتِ رسول کہی اور ہر مجلس میں دادِ سخن پائی۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ حضرت جامی کی کتاب شواہد النبوت کا اردو ترجمہ اور دیوانِ غالب کی زمین پر آپ کا نعتیہ دیوان بہت مشہور ہیں۔ **فان العلم باق لا یزال!** پتا: مکان 8/2، گلی 54، 6-4/F اسلام آباد۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسری......

اپنے احباب کے حلقہ میں

ماہنامہ "جہان رضا" کے مدیر پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی کے اجالے بانٹنے والے قلم سے قلندر مزاج اور خدا مست حکیم محمد موسیٰ رحمتہ اللہ علیہ کے زاویہ رضویت میں بیٹھ کر اپنے دل و دماغ اور روح کو اجالنے والے ان روشن ضمیر انسانوں کا دل آویز تذکرہ جو اس مرد باخدا کی صحبت میں رہ کو خوش کام ہوتے رہے ہیں۔

تیری محفل میں بیٹھنے والے
آدمی بے نظیر ہوتے ہیں

حکیم محمد موسیٰ امرتسری نور اللہ مرقدہ' مختلف اوصاف سے متصف تھے۔ ان کے حلقہ کے ارباب قلم نے ان کی زندگی کے روشن پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے انہیں اخبارات اور رسائل میں خراج تحسین پیش کیا ہے مگر ہم ان کے ایسے احباب کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں جو ان کی مجالس میں علم و عرفان کی تلاش میں آتے تھے۔ ہم چونکہ خود چالیس سال سے زیادہ ان کی نیاز مندی کے حلقہ میں رہے ہیں اس لئے ہم نے جن اہل علم و فضل کو ان کے ہاں آتے جاتے دیکھا ہے ان کے اذکار سے قارئین "جہان رضا" کو شاد کام کرنا چاہتے ہیں۔ ہم جن حضرات کی آمدورفت کا ذکر کریں گے وہ ایسے حضرات ہیں جنہیں ہم نے گوشہ چشم سے حکیم صاحب کے پاس بیٹھے پایا تھا۔ اور ان کی یادیں ہمارے کنج خانہ دماغ میں ابھی تک محفوظ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے احباب کا حلقہ بے حد وسیع تھا اور یہ سارے

احباب بڑے اہل محبت اور روشن ضمیر تھے۔

تیری محفل میں بیٹھنے والے
کتنے روشن ضمیر ہوتے ہیں

جس زمانے کی ہم بات کر رہے ہیں ان دنوں حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری رام گلی نمبر۲ لاہور میں ایک مختصر سی دکان پر مطب کیا کرتے تھے۔ حکیم صاحب کی نشست کے سامنے شربت کی بوتلیں سجی ہوتیں' اردگرد ادویات کے ڈبے ایک طبیب کی نشست گاہ کی نشاندہی کرتے تھے۔ مریض آتے تو حکیم محمد موسیٰ امرتسری ادویات کے ڈبوں سے ادویات نکال کر دیتے۔ اور اگر علمی احباب آتے تو انہیں محبت بھری نظروں سے خوش آمدید کہتے۔ اولاً شربت دیدار سے ہمارے دلوں کو ٹھنڈک پہنچاتے پھر ہمیں ٹھنڈے اور خوش ذائقہ شربت انار' شربت انجبار اور شربت دل بہار سے نوازتے۔ مریضوں سے فارغ ہوتے تو مختلف دینی' علمی اور تصوف کے موضوعات پر گفتگو ہوتی۔ ہم جس زمانے کی بات کرتے ہیں ان دنوں لاہور کے ایک دانشور اور عالم دین پیر غلام دستگیر نامی رحمتہ اللہ علیہ آپ کی مجالس کی زینت ہوتے۔ پیر نامی صاحب موچی دروازہ کے محلّہ "چلہ بی بیاں" کے رہائشی تھے۔ گورنمنٹ کے ایک ادارہ میں ملازم تھے' مگر لکھنے پڑھنے کے بڑے رسیا۔ وہ غیر سرکاری تحقیقی کام کرتے' ان کے قلم سے مختلف موضوعات پر تحریریں سامنے آتیں۔ وہ انہیں زیور طباعت سے آراستہ کر کے لوگوں میں تقسیم کرتے۔ حکیم صاحب ان کی اس تبلیغی مہم میں برابر کے شریک ہوتے۔ دامے' درمے' قلمے' سخنے ان کے تبلیغی مقاصد میں شرکت کرتے۔

ایک قادیانی دانشور اسماعیل پانی پتی کو حکیم صاحب کی مجلس میں اکثر دیکھا گیا۔ وہ رام گلی کے رہائشی تھے۔ سرسید کے مکتوبات کو مرتب کر رہے

تھے اور اس سلسلہ میں وہ حکیم صاحب سے رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ وہ لاہوری مرزائی تھے مگر حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے ساتھ سائے کی طرح چمٹے رہتے۔ ہمیں ان کا اس طرح آنا جانا بڑا شاق گزرتا۔ محمد اسماعیل پانی پتی کے علاوہ رام گلی میں ایک اور صاحب قلم پیام شاہجہان پوری رہتے تھے۔ وہ انجمن حمایت اسلام لاہور کے ماہنامہ حمایت اسلام کے سب ایڈیٹر تھے اور بعض تحقیقی کام کر رہے تھے۔ وہ ان دنوں حضرت شاہ محمد غوث لاہوری اور سیدہ عائشہ صدیقہ پر کتابیں لکھ رہے تھے۔ وہ حکیم صاحب کے پاس اکثر آتے اور علمی رہنمائی حاصل کرتے۔

حکیم صاحب کے مطب کی عقبی گلی میں اورینٹل کالج کے ایک فاضل پروفیسر جناب علم الدین سالک مرحوم رہا کرتے تھے۔ وہ گاہے بگاہے حکیم صاحب کے پاس آتے اور بعض علمی موضوعات پر گفتگو کرتے۔ ان دنوں ماہنامہ "نقوش" کا "لاہور نمبر" زیر ترتیب تھا۔ پروفیسر علم الدین سالک اس نمبر کی ترتیب میں حصہ لے رہے تھے۔ انہوں نے حکیم صاحب سے لاہور کے اطباء پر ایک تحقیقی مضمون لکھوایا اور نقوش کے لاہور نمبر میں شریک اشاعت کیا۔ ماہنامہ "نقوش" کے لاہور نمبر کی تیاری میں جو حضرات کام کر رہے تھے ان میں مولوی محمد عبداللہ، کسری منہاس اور مفتی محمود عالم (مفتی غلام سرور لاہوری کے نواسے) پیش پیش تھے۔ یہ تمام حضرات اپنے مضامین کی تکمیل کے لئے حکیم صاحب مرحوم سے مشورہ کرنے آتے اور بہت کچھ حاصل کرتے۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم ان دنوں "تذکرہ علمائے امرتسر" مرتب کرنے میں مصروف تھے۔ وہ اس سلسلہ میں بڑی محنت اور کاوش سے تحقیق کرنے میں مصروف تھے۔ انہیں اس سلسلہ میں منہمک پاکر ہمارے دل میں خیال پیدا ہوا کہ "تذکرہ علماء اہل سنت لاہور" مرتب کیا

جائے اس سلسلہ میں حکیم صاحب نے نہ صرف ہمیں علمی رہنمائی سے نوازا بلکہ اپنے احباب کو بھی اس تذکرہ کے لئے علمی رہنمائی پر تیار کیا۔ "تذکرہ علمائے اہل سنت لاہور" تو زیور طباعت سے آراستہ ہو کر اہل علم و فضل کے ہاتھوں میں پہنچ گیا۔ مگر "تذکرہ علماء امرتسر" مکمل نہ ہو سکا اور یوں حکیم صاحب کی یہ کاوش حکیم صاحب کی بے پناہ مصروفیتوں کے ملبے کے نیچے دبی رہی۔

میرے ایک ہم سبق دوست سید اصغر علی شاہ جعفری ایم اے رام گلی میں رہتے تھے۔ حکیم صاحب کی مجالس میں میری نشست و برخاست دیکھ کر وہ بھی آپ کے حلقہ علم میں شامل ہوئے وہ ان دنوں آقا بیدار بخت کے قائم کردہ دارالعلوم السنتہ الشرقیہ میں لیکچرار تھے۔ وہ صبح و شام حکیم مرحوم کی مجالس میں آتے اور ان کے حلقہ احباب میں شامل ہوگئے۔ جعفری صاحب نے آگے چل کر کئی کتابیں لکھیں جو ایم اے کے طلبہ کی رہنمائی کرتیں۔ ان کے ایک اور رفیق تدریس اورینٹل کالج لاہور کے پروفیسر مخدوم غلام جیلانی مرحوم بھی حکیم صاحب کی علمی مجالس میں شریک ہوگئے۔ مخدوم غلام جیلانی مرحوم نے بعد میں ڈاکٹریٹ کیا اور کم از کم تیس کتابیں تالیف کیں جو ایم اے کے طلبہ کے لئے رہنمائی کرتیں۔

حکیم صاحب مرحوم ان دنوں حضرت داتا گنج بخش کی جامع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے جاتے تھے۔ وہ آتے جاتے کتب فروشوں کی دکانوں پر ضرور جاتے۔ نوری کتب خانہ دربار بازار، غوثیہ کتب خانہ، مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ، المعارف اور مکتبہ شمس الدین مرحوم زیر مسلم مسجد ان کی نشست گاہیں تھیں۔ وہ مختلف کتابوں کو تلاش کرتے، من پسند کتابیں خریدتے، نادرونایاب کتابوں سے دلچسپی لیتے اور اچھی کتاب کو بہ جان و دل خریدتے اور فرماتے

جما دے چند دادم جان خریدم
بحمد اللہ چہ ارزاں' خریدم

حکیم صاحب کو علمی کتابوں سے لگاؤ ہی نہ تھا عشق تھا۔ وہ کتاب شناس بھی تھے اور کتابوں کے خریدار بھی۔ انہی دنوں آپ نے حضرت داتا گنج بخش کی مشہور کتاب "کشف المحجوب" کے اردو ایڈیشن پر زبردست دیباچہ لکھا جسے پہلی بار المعارف لاہور نے حضرت ہجویری کے ۱۳۹۳ء کے عرس مبارک کے موقع پر بطور نذرانہ عیقدت پیش کیا۔ کتابوں کی تلاش میں وہ مندرجہ بالا کتب خانوں کے ساتھ ساتھ مولوی شمس الدین تاجر کتب نادرہ کے کتب خانہ کو بڑا وقت دیتے۔ مولوی شمس الدین مرحوم نہ صرف کتاب شناس تھے مردم شناس بھی تھے اور وہ ہر کتاب' ہر ایڈیشن' ہر مطبع اور ہر مکتبہ کی طباعت پر اطلاع رکھتے تھے حکیم صاحب کی کتاب شناسی اور مولوی شمس الدین مرحوم کی کتاب فروشی نے دونوں کو علمی دوست ہی نہیں بلکہ ایک جان و دو قالب بنا دیا تھا۔ مولوی شمس الدین اپنے کتاب خانہ میں آنے سے پہلے حکیم صاحب کے مطب میں آتے۔ نئی آمدہ کتاب کی خوشخبری سناتے اور قدیم کتابوں پر گفتگو کر کے حکیم صاحب کے علمی اور کتابی ذوق کو جلا دیتے۔

مولوی شمس الدین کی دکان کتاب دوست حضرات کا مرکز تھی۔ ملک بھر سے اہل علم لوگ نادر و نایاب کتابوں کی تلاش میں ان کے پاس آتے اور مولوی شمس الدین ایک دکاندار کی حیثیت سے نہیں ایک کتاب شناس سکالر کی حیثیت سے ان کی تشنہ کامی کا علاج کرتے۔ حکیم صاحب نے اس مرکز میں آتے جاتے ہزاروں نہیں تو سیکڑوں اہل علم و فضل سے شناسائی حاصل کی۔ سید شرافت نوشاہی' خان شفقت جیلانی' پروفیسر محمد اقبال مجددی' علامہ مرزا غلام قادر جیسے کتاب دوست حضرات اسی کتب خانہ سے حکیم صاحب

کے دامن محبت میں گرفتار ہوئے تھے۔

جناب بشیر حسین ناظم (ان دنوں ایم اے، تمغہ حسن کارکردگی اور دوسرے اعزازات سے مزین نہیں ہوئے تھے) ہمارے عزیز احباب میں سے تھے۔ وہ پہلی بار ہمارے ساتھ ہی حکیم صاحب سے متعارف ہوئے پھر اپنی مجلسی گفتگو، خوش آوازی اور نعت خوانی کی وجہ سے حکیم صاحب کی مجالس کا حسن بن کر چمکے۔ وہ نکتہ سنج تھے اور حکیم صاحب نکتہ شناس تھے ان دونوں کی ساری علمی زندگی ایک دوسرے سے محبت اور مواخات میں گزری۔ بشیر حسین صاحب ناظم کے ایک ہم دفتر میاں محمد دین کلیم تھے جو آثار لاہور پر کام کرتے تھے۔ وہ حکیم صاحب کے حلقہ میں آئے اور ان کے ساتھ مولانا عبداللطیف زار نوشاہی مرحوم بھی آگئے۔ جنہوں نے بعد میں سید شرافت نوشاہی کی "شریف التواریخ" کی بارہ جلدیں رنگ طباعت سے آراستہ کر کے اہل علم کو دعوت مطالعہ دی۔ ہمارے علم دوست رفیق، جناب محمد عالم مختار حق صاحب انہی دنوں حکیم صاحب کی قربت میں آئے اور زندگی کے آخری سانس تک ان کے ہمدم و دمساز رہے۔ محمد عالم مختار حق نے اپنی کتاب شناسی اور کتاب دوستی کی وجہ سے حکیم صاحب سے جو رشتہ قائم کیا، وہ وقت کے ساتھ ساتھ گہرا ہوتا گیا۔

حکیم صاحب کے کتابی احباب کی صف میں ایک خاتون بھی شامل ہیں جن کا نام محترمہ پاشا بیگم ہے۔ وہ مجددی سلسلہ کے علمی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں اور مجددی سلسلہ کی کتابوں سے انہیں بہت لگاؤ ہے۔ وہ حکیم صاحب کی مجلس میں باپردہ آتیں اور سلسلہ مجددیہ کی کتابوں پر تحقیقی گفتگو کرتیں۔ ان کا یہ سلسلہ مودت تادیر قائم رہا اور حکیم صاحب بھی ان کی علمی وجاہت اور کتاب شناسی کی وجہ سے ان کا بے حد احترام کرتے

رہے۔

پروفیسر محمد اقبال مجددی ایک طالب علم کی حیثیت سے حکیم صاحب سے وابستہ ہوئے اور علمی منازل طے کرتے کرتے اہل علم کے حلقوں میں معروف ہوئے۔ وہ خانوادہ مجددیہ اور سلسلہ نقشبندیہ پر تحقیقاتی کام کرتے تھے۔ اور حکیم صاحب سے انہوں نے بے حد استفادہ کیا اور حکیم صاحب کے دوست سید شرافت نوشاہی سے سلسلہ مووت قائم کر کے ان پر بہت کچھ لکھا۔ پروفیسر محمد اقبال مجددی حکیم صاحب کی علمی اور تحقیقاتی ٹیم میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ ہم نے رام گلی میں حکیم صاحب کے مطب میں ڈاکٹر نبی بخش بلوچ جو بعد میں وزیر تعلیم سندھ ہوئے' ڈاکٹر احمد حسن قریشی قلعہ داری' حکیم علامہ . عتیقی اور علامہ عرشی امرتسری اور کراچی کے پروفیسر محمد ایوب قادری مرحوم کو گھنٹوں نہیں ہفتوں بیٹھے دیکھا۔ یہ تو حکیم صاحب کی علمی کشش اور جذب کا پہلو تھا۔ کہ اہل علم کھنچے چلے آتے مگر آپ کی زندگی کا ایک اور پہلو بھی خالی از مروت نہیں۔ حکیم صاحب جونہی مطب سے فارغ ہو کر اٹھتے' اہل علم کی مجالس میں چلے جاتے۔ علمی استفادہ کرتے۔ روحانی مجالس میں بھی وقت گزارتے ہم نے انہیں حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر اکثر حاضر ہوتے دیکھا۔ وہ اپنے پیرو مرشد حضرت خواجہ علی محمد خاں بسی شریف والے حضرت فضل عثمان کابلی فاروقی مجددی اور سید امیر شاہ صاحب قادری گیلانی پشاوری حضرت نذر محی الدین قادری پھر پیر بدر محی الدین فاضلی قادری' سید ابوالبرکات قادری اور دوسرے کئی احباب کی مجالس میں حاضری دیتے دیکھا اور نیاز مندانہ جاتے دیکھا۔

دانہ می چیدیم ہر جائے کہ خرمن یافتیم

رام گلی میں حکیم صاحب کے مطب کے اردگرد کمرشل ادارے اور

مارکیٹیں بن گئیں تو اہل علم کی مجالس کا سکون ختم ہونے لگا۔ حکیم صاحب نے اپنا مطب اٹھایا اور ۵۵ ریلوے روڈ گوالمنڈی میں مسند طب و فن بچھا دی۔ اس مطب میں مریضوں اور اہل علم کے لئے علیحدہ علیحدہ نشستیں بچھا دی گئیں۔ مطب کا کام بھی از سر نو ترتیب دیا گیا اور ملنے والوں کو بھی کھلی کھلی جگہ میسر آنے لگی۔

۱۹۶۸ء میں حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمتہ اللہ علیہ نے ایک پروگرام بنایا اور ایک نابغہ روزگار شخصیت امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت اور ان کے افکار کو متعارف کرانے کا تہیہ کرلیا۔ حکیم صاحب خالص سنی العقیدہ چشتی نظامی مسلک پر گامزن تھے۔ انہوں نے برصغیر کی ایک بلند پایہ علمی اور اعتقادی' قادری شخصیت کو اپنا مطمح نظر بنا کر "مرکزی مجلس رضا" قائم کی۔ ہمیں یاد ہے اس کا ابتدائی اجلاس شاہ محمد غوث کی جامع مسجد کے ایک حجرے میں ہوا۔ جہاں مولانا محمد سعید نقشبندی خطیب مسجد رہتے تھے۔ پہلے اجلاس میں مولانا عبدالنبی کوکب مرحوم مولانا باغ علی نسیم مرحوم' پیرزادہ اقبال احمد فاروقی' مولانا قیوم الٰہی عرفانی خطیب شاہی مسجد' کے علاوہ چند اور سنی اہل علم و دانش شریک ہوئے۔ مولانا کوکب مرحوم اس اجلاس کے روح رواں تھے اور حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے سینوں کی زبوں حالی پر بڑی مفصل رپورٹ پیش کی۔ اور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے افکار اور ان کے علمی اور اعتقادی نظریات کو عوام تک پہنچانے کا پروگرام پیش کیا اور پھر یاد ہے کہ اس اجلاس کے اراکین نے فوری طور پر مختصر سا چندہ جمع کیا اور مولانا عبدالنبی کوکب مرحوم کو "یوم رضا" منانے کے انتظامات تفویض کئے چنانچہ سب سے پہلے برکت علی محمڈن ہال میں پہلا "یوم رضا" منایا گیا۔ اس میں عام واعظین سے لے کر

ان سکالر حضرات کو دعوت خطاب دی گئی جو اعلیٰ حضرت کی ذات گرامی پر اظہار خیال کرنے کی اہلیت رکھتے تھے۔ موچی دروازہ کے باہر برکت علی محمڈن ہال میں تین سال تک متواتر "یوم رضا" منایا جاتا رہا اور ہر "یوم رضا" کی روئیداد ہر سال چھپتی اور ملک کے گوشے گوشے میں تقسیم ہوتی رہی۔ مولانا عبدالنبی کوکب اچھے قلم کار تھے۔ وہ مختلف فرقوں کو ساتھ لے کر چلنے کے حامی تھے۔ خصوصاً انہیں "جماعت اسلامی" کے دانشوروں سے گہرا لگاؤ تھا۔ وہ انہیں اس سٹیج پر لانے لگے ان کے پیغامات شائع کرنے لگے۔ انہی کا تحریری انداز اپنانے لگے۔ جب انہوں نے "یوم رضا" کی تین روئیدادیں مرتب کیں تو پاک و ہند کے راسخ العقیدہ سنی علماء کو اعتراض ہوا کہ اعلیٰ حضرت کا نام لے کر ایسے ایسے لوگوں کو سامنے لایا جا رہا ہے جنہیں مسلک رضا سے کوئی تعلق نہیں۔

چوتھے "یوم رضا" پر حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے تمام انتظامات اپنے ہاتھ میں لے لئے اور راسخ العقیدہ سنیوں کی بات کو تسلیم کرتے ہوئے خالصتاً فکر رضا پر کام کرنے والوں کو اہمیت دی جانے لگی اور "یوم رضا" برکت علی محمڈن ہال موچی دروازہ کی بجائے ریلوے سٹیشن پر "نوری مسجد" میں منعقد کیا جانے لگا۔

"مرکزی مجلس رضا" کی بنیاد رکھنے اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی تعلیمات کو عام کرنے پر حکیم صاحب کے کچھ پرانے احباب کنارہ کش ہونے لگے۔ یا دوسرے لفظوں میں حکیم صاحب خود بھی ایسے "گول مٹول" اور غیر واضح عقیدہ رکھنے والے دوستوں سے پہلو تہی کرنے لگے۔ اب حکیم صاحب کی مجالس میں سنی علماء اور دانشوروں کی آمدورفت کا سلسلہ شروع ہوا' نئے نئے لوگ آنے لگے۔ اعلیٰ حضرت سے محبت رکھنے والے علماء اور دانشور

حکیم صاحب کے قریب ہوگئے۔ ہمیں یاد ہے کہ حکیم صاحب کی ذاتی مجالس کے ساتھ ساتھ "یوم رضا" میں جو خطیب یا مقرر آتے وہ عقیدے کے لحاظ سے بڑے پختہ ہوتے' جو نووارد بھی آتے' انہیں فکر رضا کی پاسداری کرنا پڑتی۔ "مرکزی مجلس رضا" کے فروغ اور قیام کے بعد سید اس کی علمی خدمات کے پھیلاؤ پر پاکستان کے گوشے گوشے سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے مسلک پر چلنے والے علماء مجلس رضا کی طرف اڈے آئے۔ سید عارف اللہ قادری راولپنڈی سے آئے' مولانا غلام قادر اشرفی لالہ موسیٰ سے پہنچے' حضرت مولانا تقدس علی خان پیر جوگوٹھ سندھ سے آگئے۔ مولانا عبدالستار خان نیازی اور ان کے رفیق کار مولانا ابراہیم علی چشتی ابن مولانا محرم علی چشتی آنے لگے۔ "مرکزی مجلس رضا" کے قیام کے بعد نہ صرف سنی علماء نے حکیم صاحب کی خدمات کا اعتراف کیا بلکہ حکیم صاحب نے خود پاک وہند کے قلم کاروں کو تلاش کر کے فاضل بریلوی پر لکھنے کے لئے تیار کیا۔ سنی رائٹرز گلڈ قائم کی جس میں ایک ہزار سنی قلم کاروں کو رجسٹرڈ کیا گیا باقاعدہ بریفنگ دی جانے لگی بہت سے پروفیسر' ایڈووکیٹ اور صحافی حلقہ رضویت میں شامل ہونے لگے۔

مرکزی مجلس رضا کی خدمات کو دیکھ کر پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مظہری ایم۔ اے' پیچ ایچ ڈی کراچی سے آگے بڑھے۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب ایک علمی سنی خانوادے سے تعلق رکھنے کی وجہ سے سنی دانشوروں میں شمار ہوتے تھے۔ مگر فاضل بریلوی کے افکار سے انہیں کوئی لگاؤ نہ تھا۔ حکیم صاحب نے انہیں استدعا کی کہ وہ مرکزی مجلس رضا کے سٹیج پر اپنی قلم کے جوہر دکھائیں۔ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب نے لبیک کہا اور سب سے پہلی کتاب "فاضل بریلوی اور تحریک ترک موالات" لکھی۔

"مرکزی مجلس رضا" نے چار ہزار نسخے چھپوا کر تقسیم کیے تو ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مظہری کی تحریر کا تہلکہ مچ گیا اور علمی حلقوں میں اس نووارد سکالر کی طرف عقیدت بھری آنکھیں اٹھنے لگیں۔ یہ پہلے سنی سکالر تھے۔ جنہوں نے فاضل بریلوی کے سیاسی پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ اس کے بعد پروفیسر صاحب کی کئی تحریریں سامنے آئیں۔

مرکزی مجلس رضا کے قیام کے بعد حکیم صاحب کا ایک نیا حلقہ پیدا ہوا جس میں علمائے اہل سنت اور مشائخ کرام کی اکثریت تھی۔ ان لوگوں نے حکیم صاحب کے کام کو پسند کیا۔ آگے بڑھ کر حوصلہ دیا اور ہدیہ تحسین پیش کیا۔ حکیم صاحب کے کام کا یہ ایک منفرد انداز تھا جسے اہل سنت کے ہر طبقہ نے پسند کیا اس سے پہلے اعلیٰ حضرت کا نام روایتی طور پر لیا جاتا تھا۔ ہم اگرچہ ان زعماء اور علماء کا ذکر کر رہے ہیں جنہیں ہم حکیم صاحب کی مجالس میں آتے جاتے دیکھا کرتے تھے۔ مگر مرکزی مجلس رضا کے قیام کے بعد جو کارکن اور احباب دن رات مجلس کا کام کرتے ان کا ذکر حکیم صاحب کے مجلسوں میں آنا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ مجلس کے آغاز میں محمد عارف ضیائی (جو آج کل فضیلت الشیخ الحکیم پیر عارف الضیائی کے نام سے مدینہ پاک میں مقیم ہیں) حکیم صاحب کے دست راست تھے۔ محمد سلیم (جو ان دنوں مسلم کمرشل بینک کے مینجر ہیں) صاحبزادہ حکیم محمد زبیر ضیائی المدنی (جو ان دنوں حکیم صاحب کے مطب کے نگران اعلیٰ ہیں) قاضی صلاح الدین قادری اور دوسرے کئی نوجوان مرکزی مجلس رضا کے اشاعتی امور میں حکیم صاحب سے معاونت کرتے تھے یہ نوجوان دراصل مرکزی مجلس رضا کی ابتدائی ٹیم تھے۔ جنہوں نے بے سروسامانی کے عالم میں حکیم صاحب کی نگرانی میں دن رات کام کیا اور مرکزی مجلس رضا کی بنیادوں کو مضبوط کیا۔ حکیم صاحب کی مجالس

میں جس شخص نے سب سے زیادہ متاثر کیا' وہ سید شرافت نوشاہی تھے جنہوں نے اپنی بے مثال محنت اور تحقیقات سے حکیم صاحب کے دل میں گھر بنا لیا۔ سید شرافت نوشاہی نے خانوادہ نوشاہیہ پر ایک زبردست کتاب "شریف التواریخ" لکھی جو بارہ ضخیم جلدوں پر مشتمل تھی۔ حکیم صاحب کی دلی خواہش تھی کہ یہ کتاب چھپے۔ پھر حکیم صاحب کی کوششوں سے واقعی یہ کتاب چھپی اور اس طرح حکیم صاحب کا دل اور شرافت صاحب کی روح خوش ہو گئی۔

ہمیں صاحبزادہ سید محمد فاروق القادری صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ شاہ آباد شریف' صاحبزادہ پروفیسر سید اسرار حسین بخاری صاحب کوہاٹی اور صاحبزادہ محمد سلیم حماد صاحب سجادہ نشین حضرت داتا گنج بخش لاہور کا ایک عرصہ تک حکیم صاحب کی مجالس میں آنا یاد ہے۔ اور ان تینوں جواں سال صاحبزادوں نے حکیم صاحب کی رفاقت میں اپنے اپنے طور پر علمی کام کیے۔ سید فاروق القادری کی کتاب "فاضل بریلوی اور امور بدعت" تو ایک نیا انداز لے کر آئی۔ مشائخ بھرچونڈی شریف کے تذکرے سامنے آئے۔ پروفیسر سید اسرار بخاری نے تصوف کی کتابوں کے ترجمے کیے۔

صاحبزادہ محمد سلیم حماد نے حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے حوالے سے کئی کتابیں اور تحقیقی مقالات لکھے۔ یہ حکیم صاحب کی مجالس کے اثرات تھے جو علمی دنیا میں روشن راہیں ہموار کرتے گئے۔ حضرت پیر محمد امیر شاہ قادری گیلانی سجادہ نشین حضرت شاہ محمد غوث حضرت پیر عبداللہ جان مجددی جب بھی پشاور سے لاہور آتے حکیم صاحب کی مجالس کو رونق بخشتے۔ پیر سید محمد حسن شاہ نوری گیلانی' پیر علی اصغر چشتی صاحب حکیم امین الدین صاحب خوشحالی شادباغ حکیم صاحب مرحوم کی کئی مجالس کی زینت تھے حضرت

صاحبزادہ میاں جمیل احمد صاحب شرقپوری نے تو حکیم صاحب کی رفاقت میں ایک عرصہ گزارا اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اور شہنشاہ نقشبنداں حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی پر ماہنامہ "نور اسلام" کے بڑے ضخیم نمبر نکالے۔ ان دستاویزات کی ترتیب و اشاعت میں حکیم صاحب کا بڑا ہاتھ ہے۔ تاریخ گو، شاعر اور صحافی فدا حسین فدا صاحب مدیر "مہر و ماہ" لاہور تو ساری زندگی حکیم صاحب کی مجالس کی زینت رہے اور ماہنامہ "مہر و ماہ" کے کئی تاریخی نمبر نکالے۔ تاریخ گوئی، شاعری اور سوانح نگاری پر بھی عمدہ کتابیں مرتب کیں۔ لاہور سے دور رہتے ہوئے بھی گجرات سے سید عارف مجور اور جہانیاں منڈی سے جناب خلیل احمد رانا، پنڈ دادن خاں سے مولانا مرید احمد چشتی، قصور سے جناب محمد صادق قصوری، حیدر آباد سندھ سے انجم بخاری، کھاریاں سے مولانا جلال الدین صاحب قادری، گجرات سے ظہور خان صاحب، بہاولپور سے مولانا محمد فیض احمد اویسی، پھالیہ سے سید نور محمد قادری مرحوم بھی حکیم صاحب کی مجالس سے وابستہ رہے اور کئی علمی کام سرانجام دیئے۔

حکیم صاحب کی مجالس سے جن نوجوان نے گہرا اثر لیا ان میں معارف نعمانیہ شادباغ لاہور کے صدر حافظ فیاض احمد صاحب۔ ماہنامہ "کنزالایمان" کے چیف ایڈیٹر جناب نعیم طاہر رضوی (صدر کنزالایمان سوسائٹی) بزم عاشقان مصطفیٰ، فلیمنگ روڈ کے صدر محمد آصف مدیر "القول السدید" نے حکیم صاحب کی نگرانی میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے افکار کی اشاعت کے لئے بڑے جاندار ادارے قائم کئے جو شمع شبستان رضا بن کر چمک رہے ہیں۔

خانوادہ اعلیٰ حضرت کے دو فرزندان بریلی، کراچی سے اٹھے وہ حکیم

صاحب کے مجلسی تو نہ تھے مگر وہ حکیم صاحب کے کام سے بڑے متاثر ہوئے۔ انہوں نے اپنے طور پر اعلیٰ حضرت کے افکار کو پھیلانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہم ان دو حضرات کو بھی حکیم صاحب کی مجالس کے جلیس ہی کہیں گے۔ ان میں سے ایک تو حضرت علامہ شمس بریلوی تھے اور دوسرے سید ریاست علی قادری بریلوی تھے جنہوں نے کراچی میں "ادارہ تحقیقات امام احمد رضا" کی بنیاد رکھی۔ فاضل بریلوی کا پیغام اعلیٰ طبقہ کو پہنچانے کا اہتمام کیا۔ وہ عوامی سطح سے اٹھا کر اعلیٰ حضرت کے عقائد و افکار کو وزراء، امراء اور اعیان مملکت حتیٰ کہ سربراہان پاکستان تک پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔

حکیم صاحب کی مجالس سے دور ایک سنی سکالر حاجی محمد الیاس قادری نے برطانیہ میں اعلیٰ حضرت کے افکار کو انگریزی میں شائع کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ ایک ماہنامہ "اسلامک ٹائم" سٹاک پورٹ برطانیہ سے نکالا اور اعلیٰ حضرت کے عقائد وافکار کو عوام تک پہنچایا۔ انہوں نے اعلیٰ حضرت کی کئی کتابوں کا انگریزی میں ترجمہ کر کے سارے یورپ میں پھیلا دیں۔ ان کا ماہنامہ "اسلامک ٹائمز" انگریزی کا "جہان رضا" تھا۔ جس نے یورپ میں رضویت کو روشناس کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔

ہم حکیم صاحب کی مجالس میں بیٹھنے والے چند سنی علماء کے اس مکروہ کردار کو نہیں بھول سکتے جنہوں نے حکیم صاحب کی علالت کے دوران "مرکزی مجلس رضا" پر قبضہ کر لیا۔ مجلس کے فنڈ، مجلس رضا کی تعمیر کردہ مسجد رضا، رضا لائبریری، رضا کلینک، رضا ریسرچ سنٹر اور مرکزی مجلس رضا کے قلمی مسودات اور مطبوعہ لٹریچر پر قبضہ کر کے حکیم صاحب کو شدید صدمہ سے دوچار کر دیا۔ ان نادان علمائے دین نے سینوں کے اتنے عظیم ادارہ کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ جو فاضل بریلوی کا ایک بہتا ہوا دریا تھا۔ جو اعلیٰ حضرت کے

انوار کی ضیا پاشیوں کا منبع تھا۔ جو اعلیٰ حضرت کے افکار کا مرکز تھا جہاں سے بارہ لاکھ کتابیں شائع ہو کر دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچی تھیں۔ حکیم صاحب کی مجلس میں بیٹھنے والے ایسے مکروہ علمائے اہل سنت اور جہلائے اہل سنت نے ایک طرف بانی مجلس رضا حکیم محمد موسیٰ امرتسری کو ذہنی طور پر ہلکان کر دیا۔ دوسری طرف "مرکزی مجلس رضا" کو درہم برہم کر کے رکھ دیا۔ یہ لوگ علم و فضل کے باوجود وہ مرکزیت حاصل نہ کر سکے جو فاضل بریلوی کے افکار کا سرچشمہ تھی۔ ان حضرات کی اس حرکت سے حکیم صاحب ایک طویل عرصہ تک سرگرفتہ رہے اور اس باغ کی آبیاری سے رک گئے جسے انہوں نے اپنے خون جگر سے سینچا تھا۔ "مرکزی مجلس رضا" کا اشاعتی کام رک گیا۔ ممبر سازی ختم ہو گئی۔ حتیٰ کہ بانی مرکزی مجلس رضا نے ایسے لوگوں کو خاموش رہنے کی ہدایت کر دی جو اس موضوع پر بات کرنا چاہتے تھے۔

اس حادثہ کے باوجود حکیم صاحب کی نجی مجالس ان کے احباب سے بھری رہتیں۔ مرکزی مجلس رضا کی تباہی کے ذمہ دار آپ کی مجالس سے ایک ایک کر کے بھاگ گئے۔ اور شرمندگی سے ان لوگوں سے بھی آنکھ چھپا کر نکل جاتے جو حکیم صاحب کو ملنے آتے تھے۔

کچھ عرصہ کی خاموشی اور ڈیڈ لاک کے بعد پیر زادہ اقبال احمد فاروقی آگے بڑھے۔ مجلس رضا کی تباہی کے بعد جمود کو توڑنے کے لئے حکیم صاحب سے مختلف اوقات پر ملاقاتیں کیں۔ اور "مرکزی مجلس رضا" کے اجڑے ہوئے باغ پر خاموش رہنے کی بجائے انہیں ذہنی طور پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ حکیم صاحب کی نگرانی میں ایک اشاعتی کمیٹی بنا دی جائے اور مرکزی مجلس رضا کا کام دوبارہ شروع کیا جائے۔ حکیم صاحب کی رضامندی کے ساتھ مرکزی مجلس رضا کا دفتر نعمانیہ بلڈنگ ٹکسالی گیٹ لاہور

میں منتقل کر دیا گیا۔ آپ کی مجالس کے جلیس خاص صاحبزادہ زبیر احمد ضیائی' ریاض ہمایوں صاحب اور محمد شفیع رضوی صاحبان کو بااختیار اتھارٹی کی حیثیت سے کام کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ جب یہ لوگ کام کرنے لگے تو بے سروسامانی ان کا منہ چڑا رہی تھی۔ وہ ایک پنسل اور ایک رجسٹر لے کر دارالعلوم نعمانیہ میں آ بیٹھے اور از سرنو کام کا آغاز کیا۔ "مرکزی مجلس رضا" کی شکست و ریخت کے باوجود دوبارہ کتابیں چھپنے لگیں۔ لوگوں کا بکھرا ہوا حلقہ جمع ہونے لگا اور دوبارہ ہزاروں کتابیں عوام تک پہنچنا شروع ہوئیں۔ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی کی ادارت میں "ماہنامہ جہان رضا" جاری ہوا۔ جس نے دور دور تک افکار رضا کو پھیلانے اور پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا اور مجلس کے اشاعتی امور کی نگرانی کرنے لگے۔

حکیم صاحب سے علمی اور تحقیقی راہنمائی حاصل کرنے والے دو دیوبندی دانشوروں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ایک پروفیسر محمد ایوب قادری تھے جنہوں نے ساری زندگی حکیم صاحب کی علمی رفاقت میں گزار دی۔ انہوں نے کئی کتابیں' مقالات' رسائل اور مضامین لکھے جن میں حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمتہ اللہ علیہ کی رہنمائی شامل حال ہوتی۔ وہ کراچی سے لاہور آتے تو حکیم صاحب کے گھر ذاتی مہمان کی حیثیت سے ٹھہرتے اور حکیم صاحب کے خلوص اور مہمان نوازی کو سارے لاہور کے دیوبندیوں پر ترجیح دیتے۔ دوسرے پروفیسر محمد اسلم ہیڈ آف ہسٹری ڈیپارٹمنٹ پنجاب یونیورسٹی لاہور تھے۔ وہ ایک دیوبندی دانشور اور سکالر تھے مگر حکیم صاحب کی تحریروں' تحقیقی کام اور محنت سے بڑے متاثر تھے وہ بھی حکیم صاحب کی مجالس کو ایک علمی خیابان جان کر اکثر آتے۔ حکیم صاحب ان کی کتاب "دین الٰہی اور اس کا پس منظر" سے بڑے متاثر تھے۔ پروفیسر محمد اسلم نے اور کتابوں کے

علاوہ حکیم صاحب کی لائبریری کی فہرست پر پہلی ضخیم جلد شائع کی اور اسے اہل علم تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان دیوبندی دانشوروں کے علاوہ حکیم صاحب کی مجلس میں علامہ حکیم محمد حسین عرشی صاحب (جو امرتسر کے اہل قرآن فرقہ سے تعلق رکھتے تھے) آتے اور ادبی اور ادبی تحریکوں پر گفتگو کرتے۔ حکیم عبدالمجید عتیقی صاحب جو سرسید سکول آف تھاٹ کے ہمنوا تھے، نابینا ہونے کے باوجود آتے اور پہروں بیٹھتے۔ انہوں نے اپنی قیمتی لائبریری خانقاہ ڈوگراں کی میونسپل لائبریری کو دے دی تھی۔ حکیم صاحب کے ایک کتابی دوست جمیل حسین رضوی پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ لائبریری کے صدر ہیں، انہوں نے پنجاب یونیورسٹی میں "شعبہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری" قائم کیا اور حکیم صاحب کی ذاتی لائبریری منتقل کرانے، انہیں لائبریری میں سجانے، سکالرز حضرات کو اس سے استفادہ کرنے اور پھر فہرست کتب خانہ حکیم محمد موسیٰ کی کئی جلدیں مرتب کر کے انہیں چھپوانے اور وقت رحلت تک حکیم صاحب کی کتابوں کی ترسیل کو اپنی جگہ ترتیب دینے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ جناب رضوی صاحب حکیم صاحب کی زندگی کے آخری دور کے کتابی دوست ہیں جن پر حکیم صاحب کو بڑا اعتماد تھا۔

ہم حکیم صاحب کے ان احباب کا ذکر کرنے سے قاصر ہیں جو مریض بن کر آئے اور شفایاب ہونے کے بعد آپ کی مجالس کے جلیس بن کر رہ گئے۔ جو تکلیف لے کر آئے اور صحت یاب ہو کر راحت جان بن کر رہے۔ جو لڑکھڑاتے ہوئے آئے اور ساری زندگی حکیم صاحب کی مجالس میں باتیں سنتے، حکایتیں سناتے اور علما و مشائخ کی زیارت سے محظوظ ہوتے زندگی گزار دی۔

بلا کشان محبت چو از قفس رستند

بہ کنج خانہ صیاد آشیاں بستند

حکیم صاحب کی زندگی کی مجالس اہل علم و فضل سے آباد تھیں۔ مگر دوسری طرف حکیم صاحب ایسے مولویوں سے بڑے بیزار تھے جو ان کے پاس آتے مگر کوئی دینی یا علمی کام کرنے سے گھبراتے۔ وہ اپنے مسلک کے ایسے علماء کو "ست عناصر" کہہ کر نظر انداز کر دیتے۔ وہ بڑے بڑے جبہ و دستار کے مالکان مشائخ اور محراب و منبر کے وارثان جو اپنی تقاریر کی قیمت وصول کرنے والے علماء تھے کو اپنے نزدیک نہ پھٹکنے دیتے۔ بعض سادہ لوح مولوی آپ کی مجلس میں آتے اور آپ کو ولی اللہ جانتے ہوئے ہاتھ چومتے ایسے لوگوں کو نہایت شدت سے روک دیتے اور اپنی مجلس سے اٹھا دیتے۔ وہ ایسے علماء کرام کے سخت مخالف تھے جو زکوٰۃ و خیرات اور وعظ فروشی کے پیشہ سے منسلک تھے۔ وہ ایسے مولویوں کو برا بھلا کہنے سے بھی نہ چوکتے جو امراء' وزراء کے دروازوں پر بار بار جاتے تھے اور بدکردار دنیاداروں کے مال و عمر کے لیے دعائیں دیتے تھے جو حرام خور دولت مندوں کے قصیدے پڑھتے تھے ہم نے حکیم صاحب کو ان کی اس عادت سے باز رہنے کے لیے کئی بار کہا کہ "بے چارے علماء" کو کچھ نہ کہیں۔ یہ بڑے اللہ والے ہیں یہ ہمارے عالم ہیں مگر وہ کہتے

بڑے بھولے بھالے بڑے اللہ والے
ریاض آپ کو بس ہمیں جانتے ہیں!

ان کی اس عادت نے کئی سنی مولویوں کو آپ سے دور کر دیا تھا بہرحال ایسے علماء آپ کی مجالس کے "آدمی بے نظیر ہوتے ہیں" کے زمرہ میں نہیں آتے۔ ہم نے یونہی ان کا ذکر کر دیا ہے ورنہ

گریزد از صف ما آنکہ مرد غوغا نیست
کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلہ مانیست

حکیم صاحب کی زندگی کے آخری دور میں ایک ایسا نوجوان سامنے آیا جو آپ کی علمی مجالس کی زینت بنا۔ پیر مولانا شہزاد ملک مجددی سیفی بڑے قریبی جلیس رہے اور تادم آخر حکیم صاحب سے استفادہ کیا اور اپنے خلوص اور علمی تجسس سے حکیم صاحب کا اعتماد حاصل کیا۔

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی ''مرکزی مجلس رضا'' کے نگران اور ماہنامہ ''جہان رضا'' کے ایڈیٹر اور ''مکتبہ نبویہ'' لاہور کے مالک ہیں۔ آپ نے حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی رفاقت میں پچاس سال گزارے اور ایک طویل عرصہ تک ''مرکزی مجلس رضا'' کے اشاعتی پروگرام میں مشیر رہے۔ آپ ضلع گجرات کے ایک گاؤں شہابدیوال میں ۴ جنوری ۱۹۲۸ء کو پیدا ہوئے۔ والد گرامی کا نام انور پیر فاروقی بن الشیخ پیر محمد عبداللہ فاروقی بن پیر طریقت الشاہ عبدالرحیم فاروقی تھا (رحمۃ اللہ علیہم) ابتدائی درسی کتابیں گھر میں پڑھیں۔ مڈل کا امتحان مقامی سکول سے پاس کیا۔ ۱۹۳۹ء میں لاہور آئے اور مولانا محمد نبی بخش نقشبندی حلوائی کے درس میں شریک ہوئے۔ فارسی ادب کا بہاول نگر کے ایک مضافاتی درس ''تعلیم الاسلام'' میں مطالعہ کیا۔ ۱۹۴۴ء میں منشی فاضل اور ۱۹۴۶ء میں مولوی فاضل پنجاب یونیورسٹی سے کیا۔ انجمن حزب الاحناف کے اساتذہ سے درس نظامی پڑھا۔ گریجوایشن کے بعد پنجاب یونیورسٹی اورنٹیئل کالج سے ایم اے کیا۔ لا کالج سے قانون کا امتحان پاس کیا۔ سرکاری دفاتر میں ملازمت کی اور حکومت پنجاب کے مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ ۱۹۶۲ء میں ''مکتبہ نبویہ'' کی بنیاد رکھی۔ دینی کتابوں کی اشاعت کا ایک سلسلہ جاری کیا اور کئی کتابوں کی تالیف وتصنیف پر قلم اٹھایا۔ بہت سی علمی کتابوں کے تراجم کیے اور دنیائے علم وفضل میں متعارف ہوئے۔ ''مرکزی مجلس رضا'' کے تعطل کے بعد آپ نے حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی سرپرستی میں کام شروع کیا اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے افکار ونظریات پر تین لاکھ سے زیادہ کتابیں شائع کیں۔ ۱۹۹۱ء میں ماہنامہ ''جہان رضا'' جاری کیا تو اعلیٰ حضرت کے علمی اور اعتقادی مقامات پر بلند پایہ مقالات لکھوا کر پاک وہند کے علاوہ بیرونی ممالک میں پہنچائے۔ دنیا کے مختلف ممالک میں فاضل بریلوی کی تعلیمات پر تحقیقاتی مراکز قائم کیے۔ ماہنامہ ''جہان رضا'' کے اجراء کے ساتھ ساتھ حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ پر ''جہان رضا'' کا خصوصی نمبر شائع کرنے کا اہتمام کیا۔ وہ ابھی تک ''مرکزی مجلس رضا'' کے نگران ہیں اور ان کی نگرانی میں مجلس رضا فاضل بریلوی کے افکار ونظریات کی اشاعت کر رہی ہے۔

پتا: مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور

اے کلیم وادیِ طورِ رضا!

مولانا محمد ارشاد احمد رضوی مصباحی جامعہ اشرفیہ مبارک پور (انڈیا) کی شگفتہ تحریر جس نے حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمات کو مبارک پور سے ہدیہ تحسین پیش کیا ہے۔ آپ اس ان دیکھے سکالر کی پھولوں میں گھری ہوئی باتیں ملاحظہ فرمائیں۔

اے حکیمِ اہلِ سنت، موسیٰ طورِ رضا
تیری بزمِ علم تھی یا جلوۂ نورِ رضا

حکیم اہل سنت محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمہ (۱۹۲۷ء-۱۹۹۹ء) ایک تاریخ ساز شخصیت کے مالک تھے۔ ایسی ہستیاں کم کم وجود میں آتی ہیں۔ راقم پندرہ سال سے جامعہ اشرفیہ کے علمی ماحول میں موجود ہے۔ ابتدا سے لے کر اب تک حکیم صاحب کا ذکر خیر، مرکزی مجلس رضا کے پلیٹ فارم سے ان کی سرفروشانہ دینی خدمات کا غلغلہ اساتذہ اور احباب کے حلقوں میں سنتا رہا۔ ان کا اخلاص، ان کا استقلال، ان کا ایثار، ہمیشہ دلوں میں احترام کا ماحول پیدا کیے رہا، خصوصاً امام اہل سنت، مجدد دین وملت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ سے اس چشتی مشرب صوفی بزرگ کی والہانہ وابستگی اور شیفتگی کی حد تک لگاؤ تو ہم اہل سنت کے واسطے بہت جاذبیت رکھتا تھا۔

یہ مجمع اخلاق ومحاسن ۲۸ رصفر المظفر ۱۳۴۶ھ/ ۲۷ راگست ۱۹۲۷ء کو امرتسر کی تاریخی سرزمین پر پیدا ہوا اور پھر اس نخل کرم کو عابدانہ تعلیمی ماحول ملا۔ والد ماجد حکیم

فقیر محمد چشتی نظامی متوفی ۱۳۷۱ھ ایک صوفی مشرب بزرگ تھے جنہیں نالہ نیم شبی کی لذت بھی میسر تھی اور فخر الاطبا کا اعزاز بھی۔ طبابت خاندانی پیشہ تھا اس لیے نفاست اور شرافت خاندانی میراث تھی۔

حکیم صاحب علوم وفنون کی متوسط تکمیل کے بعد طبابت کے پیشہ سے وابستہ ہوگئے جو آپ کے واسطے مسائل حیات کے پیچ وخم سلجھانے کا واحد ذریعہ تھا۔ بقول خود:

میں صبح سے مغرب تک مطب کرتا ہوں، مطب میری آمدنی کا واحد ذریعہ ہے۔ میں رزق حلال پر یقین رکھتا ہوں۔ اس مطب کی آمدنی سے گھر کی کفالت، کتابوں کا خریدنا اور کتابوں کی چھپائی میں قلمکاروں کی مقدور بھر معاونت کے معاملات چلتے ہیں۔[1]

حکیم اہل سنت کا مطب، جسمانی شفاخانے کے ساتھ ساتھ علمی اور روحانی سرچشمہ فیض بھی تھا جہاں تشنگان ذوق، جوق در جوق حاضر ہوتے اور اپنے اپنے ظرف کے مطابق سیراب ہوا کرتے۔

ڈاکٹر احمد حسین قلعداری صاحب کے لفظوں میں:

میں نے دیکھا کہ مطب پر ارباب علم وحکمت کا مجمع رہتا، چائے چلتی رہتی اور علم وحکمت کے چشمے ابلتے رہتے۔ مطب کیا تھا؟ عباسیوں کا بیت الحکمت تھا۔ عباسیوں کے بیت الحکمت میں علماء، فضلا کا اجتماع شاید ہفتہ عشرہ کے بعد ہوتا، اس بیت الحکمت میں ارباب عقل ودانش سارا سارا دن بیٹھے رہتے۔[2]

اس جمگھٹے کے جذب وکشش میں حکیم اہل سنت کی علم دوستی اور معلوماتی ہمہ جہتی

---

[1] ماہنامہ جہان رضا لاہور، مئی ۱۹۹۳ء، ص ۱۴۔

[2] سہ ماہی افکار رضا، دسمبر ۱۹۹۹ء، ص ۲۔

کے ساتھ ساتھ آپ کی سادہ دلی اور کریمانہ اخلاق کا بھی بہت زیادہ دخل تھا۔ جو آپ سے ایک بار مل لیتا اسے آپ کے حسن اخلاق کا گرویدہ ہونا پڑتا۔

مولانا محمد صدیق ہزاروی ''تعارف علمائے اہلسنت''میں لکھتے ہیں:

حکیم محمد موسیٰ امرتسری نہایت وسیع القلب اور خلیق و شفیق انسان ہیں اور اہلسنت کے نوخیز اہل قلم حضرات کی خوب حوصلہ افزائی فرماتے ہیں۔

آپ کے اخلاق واوصاف کے متعلق پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں:

حکیم صاحب نہایت وسیع الاخلاق، مہمان نواز، علم و ادب کے شیدائی، معارف پرور، پرانی قدروں کے محافظ اور مجموعہ اخلاق و آداب ہیں۔ ان کا مطب، طبی مرکز سے زیادہ علم وادب اور تہذیب و ثقافت کا مرکز ہے۔

محمد عطاء الرحمٰن لاہوری صاحب ایک امریکی اسکالر کے حوالے سے حکیم اہل سنت کے اخلاقی جذب واثر کے بارے میں لکھتے ہیں:

دراصل حکیم صاحب کی ذات کو پرکشش بنانے والی چیز ان کا اخلاق تھا، ان کی محبت تھی، ان کی الفت تھی--- کیا امیر، کیا غریب؟ سبھی ان کے شفقت و التفات کے دریا سے فیض یاب ہوتے تھے۔ ایک دنیا اس بات کی گواہی دے گی کہ ان کا ابر کرم ہر آنے والے پر بلا تخصیص اور بلا تفریق برستا تھا اور اس حقیقت کا تو انکار ممکن ہی نہیں کہ مئے خانے میں ہجوم تب ہی ہوتا ہے جب پیر مغاں مرد خلیق ہوتا ہے--- حکیم صاحب کی شفقت کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیے:

امریکی اسکالر آرتھر فرینک (Arthur Frank Buchlar) نے ۱۹۹۳ء میں ہارورڈ یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کا مقالہ پیش کیا۔ اپنی تحقیق کے سلسلے میں وہ لاہور میں قیام کے دوران حکیم صاحب سے بھی رہنمائی

لیتے رہے۔ انہوں نے اپنے مقالے کے آغاز میں اظہار تشکر کے لیے حکیم صاحب کا ذکر ایک پیرا گراف میں کیا ہے۔ اس کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے تا کہ معلوم ہو سکے کہ ایک مغربی محقق، حکیم صاحب کی علمی مدد کو کس انداز میں بیان کرتا ہے:

''میرے بشریاتی عملی تجربے کا بڑا حصہ نہ ختم ہونے والی اس تلاش و جستجو کا نتیجہ ہے جو مجھے صوفیانہ مواد کے لیے کرنا پڑی۔ یہ مواد پاکستان بھر میں ذاتی اور عوامی ذخائر کتب میں بکھرا پڑا ہے۔ کون کون سی کتابیں لکھی گئیں اور کہاں موجود ہیں؟ یہ جاننے کے لیے مرکز حکیم صاحب کی شخصیت تھی جو دراصل کتابیاتی معلومات کا زندہ خزانہ ہیں۔ انہوں نے ہی اس تحقیق میں میری سب سے زیادہ رہنمائی کی--- بہت سے لوگوں کے لیے حکیم صاحب ایک صوفی ہیں جن کا پیشہ طبابت ہے۔ میں ہفتے میں ایک بار ان کے مطب پر حاضری دیتا جہاں وہ فاضل اسکالروں اور مصنفین کے ملے جلے سامعین کے درمیان مسند صدارت پر رونق افروز ہوتے اور اس کے ساتھ ساتھ مریضوں کی ایک قطار مطب میں داخل ہوتی اور چلی جاتی--- علمی گفتگو اور نسخہ نویسی کے ساتھ ساتھ وہ مجھے لاہور شہر کے قرب و جوار میں کتابیں تلاش کرنے کے لیے دس کام بتا دیتے، جب میں یہ کام مکمل کر لیتا تو ان کو جا کر بتاتا، وہ کئی اور کام مجھے تفویض کر دیتے--- اگرچہ میں نے شروع میں اس طریق کار کو پسند نہ کیا کیونکہ علمی کمی کی وجہ سے کتابوں کے بارے میں ہی سوچتا--- انجام کار میں ایسے مقامات پر گیا جہاں میں دوسری صورت میں

کبھی نہ جاتا جیسے قرآنی مکاتب، مساجد اور یہاں تک کہ
کپڑے کی دکان میں بھی--- تاہم اس دوران میں نے پاکستانی
کلچر اور مذہب کے بارے میں بہت کچھ جان لیا۔"[1]

فکر و قلم کا یہ بزم آرا خود بھی ان کی توانائیوں سے آراستہ و پیراستہ تھا۔ پیرزادہ اقبال احمد صاحب فاروقی لکھتے ہیں:

آپ نہایت بلند پایہ ادیب اور علم و حکمت کا قیمتی ذخیرہ ہیں۔ آپ کی تصانیف میں (۱) تذکرہ علماء امرتسر (غیر مطبوعہ) (۲) مولانا غلام محمد ترنم رحمہ اللہ (۳) مولانا نور احمد امرتسری (۴) ذکر مغفور (تذکرہ سید مغفور القادری رحمہ اللہ) (۵) اذکار جمیل (تذکرہ سید برکت علی شاہ خلیجانوی) بہت ہی مشہور ہوئیں۔ آپ نے کئی علمی کتابوں پر زوردار دیباچے لکھے۔ مقدمہ "کشف المحجوب" مقدمہ "مکتوبات مجدد الف ثانی رحمہ اللہ" اور مقدمہ "عبادالرحمٰن" اہل علم کی توجہ کا مرکز بن گئے۔[2]

راقم کو حکیم اہل سنت کی صرف ایک تصنیف "ذکر مغفور" کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا۔ زبان و بیان، حسن ترتیب، برجستہ فارسی اور اردو اشعار کے افق سے مصنف کی فکری لطافت اور حسن ذوق کی چاندنی قدم قدم پہ چھٹکی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اخلاص اور والہانہ شیفتگی تو سطر سطر سے ابلتی محسوس ہوتی ہے۔

حکیم اہل سنت کے حسن اخلاق کا چرچا اپنی جگہ، علم دوستی کا جذبہ فراواں بھی تسلیم، بے نفسی اور ایثار بھی تعارف کے محتاج نہیں لیکن اس چشتی مشرب کی امام اہل سنت سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ساتھ ایسی والہانہ شیفتگی کہ خود ہی نذر عقیدت لے کر حاضر نہیں ہوتے بلکہ ان کی عقیدتوں کی مشعل لے کر سراپا تحریک بن جاتے

---

[1] سہ ماہی افکار رضا ممبئی، ص ۳، ۴۔

[2] تذکرہ علماء اہل سنت لاہور، ص ۳۹۷۔

ہیں، اک جہان کے لیے باعث حیرت ہے۔ عقل عجیب سے دائرہ میں گردش کرتی محسوس ہوتی ہے۔ جناب محمد اشرف لودھی صاحب مدیر ماہنامہ ''ساحل'' کراچی نے کچھ اسی طرح کا سوال حکیم اہل سنت سے کیا۔

حکیم صاحب! آپ سے کئی حوالوں سے گفتگو کرنی ہے۔ سب سے پہلے تو مجلس رضا لاہور کہ جس کو آپ نے قائم کیا، وہ کیا عوامل تھے کہ آپ باوجود اس کے کہ نہ تو اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی کے تلامذہ اور نہ ہی سلسلہ سے آپ کا تعلق تھا، اس ملک میں ان کے کتنے تلامذہ اور خلفا کے ہوتے ہوئے آپ نے امام احمد رضا کی شخصیت اور ان کی خدمات کو روشناس کرانے کا بیڑا اٹھایا؟

آپ نے فرمایا:

مطالعہ میرا شروع سے شغف رہا ہے۔ میرے مطالعہ کے نتیجہ میں مجھے اس بات نے پریشان کیا کہ تحریک پاکستان کی تاریخ میں ان علما نے کہ جنہوں نے کھل کر پاکستان کی مخالفت کی، انگریزوں کی کاسہ لیسی کی، ان کا تذکرہ تو ہیرو کے طور پر ملتا ہے اور اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی کہ جن کے حوالے سے تاریخ میں انگریز دوستی یا تعلق کا کوئی حوالہ نہیں ملتا بلکہ انگریزوں کے شدید مخالف نظر آتے ہیں، ان کا سرے سے کوئی تذکرہ ہی نہیں ہے؟ میں ان سوالات کو پروفیسر ایوب قادری جو کہ لاہور میں جب بھی تشریف لاتے میرے یہاں قیام کرتے تھے، سے اکثر کیا کرتا مگر چونکہ ان کا دیوبندیت کی جانب زیادہ جھکاؤ تھا اس لیے وہ میرے اس سوال کے جواب کو گول کر جاتے جس سے مجھے اعلیٰ حضرت کے بارے میں پڑھنے کی مزید جستجو ہوئی۔ یہ ۱۹۶۰ء کی بات ہے، میں نے اعلیٰ حضرت کی تصانیف جو کہ اس دور میں نایاب تھیں، تلاش کر کے پڑھیں اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی حالیہ تاریخ کی ایک مظلوم

شخصیت ہیں لہذا اس پر کام کرنے کا ارادہ کیا اور کام شروع کر دیا۔[1]

امام اہل سنت قدس سرہ کے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اتباع سنت کی عجب پر کیف اور دلربا سی برکت ہے کہ جو آپ سے قریب ہوتا ہے وہ آپ ہی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی روداد محبت ان کی زبانی آپ سن ہی چکے---
محترمی ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ ۱۹۷۰ء میں جب متوجہ ہوئے تو اس جہان عشق و معرفت کی زعفران زار دلکشی میں کھو کر رہ گئے، اب تک ''جہان رضا'' کی سیر ہو رہی ہے لیکن طبیعت ہے کہ سیر ہی نہیں ہوتی--- آپ خود لکھتے ہیں:

> راقم ۱۹۵۷ء سے برابر لکھ رہا ہے، ۱۹۶۹ء تک امام احمد رضا کے مطالعہ سے محروم رہا۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ماسوا والد ماجد حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ راقم کے بیشتر اساتذہ کا تعلق امام احمد رضا کے مخالفین یا مخالفین کے مویدین سے رہا لیکن جب ۱۹۷۰ء میں مطالعہ کا آغاز کیا تو ایک اور ہی عالم نظر آیا جس نے حیران و ششدر کر دیا۔ اللہ اکبر! حقیقت کیا تھی اور کیا بتایا گیا؟ اب جوں جوں مطالعہ کرتا ہوں حیرانگی بڑھتی جاتی ہے۔[2]

جامعہ ازہر مصر کے پروفیسر ابو حازم محمد محفوظ متوجہ ہوئے تو امام احمد رضا انہیں ''المجدد الاکبر الامام'' نظر آئے۔ امام احمد رضا کے حوالے سے وہ اب تک پانچ عربی کتابیں عالم عرب کو پیش کر چکے ہیں--- مقالات اور اخباری مضامین اس کے علاوہ ہیں اور اب فکر رضا کی توسیع واشاعت میں تو وہ مصر کے پروفیسر مسعود بن چکے ہیں۔

برطانیہ کے نومسلم دانشور ڈاکٹر پروفیسر محمد ہارون مرحوم متوجہ ہوئے تو بیسیوں انگریزی کتابیں یورپی ممالک کو پیش کر ڈالیں جن میں تصانیف رضا کے تراجم بھی ہیں

---

[1] ماہنامہ جہان رضا، مئی ۱۹۹۳ء، ص ۱۴، ۱۵۔

[2] گناہ بے گناہی، ص ۵۔

اور تعارفی کتابیں بھی --- لطف کی بات یہ ہے کہ یہ سارے مرحلے انعام اور تعریف سے بے نیاز ہو کر محض رضائے الٰہی کی طلب اور خلوص دل سے طے ہوتے جا رہے ہیں اور غیب سے اسباب پیدا ہوتے جاتے ہیں --- بقول مسعود ملت:

حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا پر خلوص سے کام کرنے والوں کی غیبی مدد ہوتی ہے۔ یہ راقم کا ذاتی تجربہ ہے اور یہ بارگاہ ایزدی میں امام احمد رضا کی مقبولیت کی دلیل ہے۔

حکیم اہل سنت علیہ الرحمہ کا رضویات کے حوالے سے سب سے عظیم کارنامہ مرکزی مجلس رضا لاہور کا قیام اور استحکام ہے۔ اسی پلیٹ فارم سے آپ نے امام اہل سنت سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے افکار و علوم کی نشر و اشاعت کا وہ لازوال کارنامہ انجام دیا جو رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔ اس کی خشت اول کیسے رکھی گئی اور سب سے پہلے یوم رضا کا انعقاد کس حال اور انداز میں ہوا؟ اسے خود بانی کی زبانی سنیے:

"مجلس کے کام کے آغاز میں میرے پہلے ہم خیال مرحوم قاضی عبدالنبی کوکب تھے۔ میں پنجاب پبلک لائبریری اور پنجاب یونیورسٹی لائبریری جایا کرتا تھا۔ قاضی صاحب سے میری وہاں دوستی ہوگئی تھی۔ میں نے امام احمد رضا کے بارے میں مل کر لاہور میں مجلس رضا کے نام سے تنظیم قائم کی اور اس کے زیر اہتمام لاہور میں یوم رضا سالانہ جلسہ کی داغ بیل ڈالی۔ میں نے مجلس کے کام کے لیے ابتدا میں مولانا عبدالستار خاں نیازی صاحب سے رابطہ قائم کیا۔ انہوں نے کہا کہ اس کام میں مولویوں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ میں نے مولانا سے کہا کہ آپ گورنر ملک امیر محمد خان کالا باغ سے تو نہیں ڈرتے، مولویوں سے ڈرتے ہیں۔ یہ سست اور بیکار لوگ ہیں، ان کی پروانہ کریں۔ مجلس کے کاموں میں میری سب سے زیادہ رہنمائی مولوی ابراہیم علی چشتی علیہ الرحمہ نے کی۔ مولوی

ابراہیم چشتی پنجاب مسلم لیگ کے بانی اور مولانا عبدالستار نیازی، م۔ ش اور حمید نظامی کے استاد تھے۔ میں نے مولوی صاحب کے ذریعہ نیازی صاحب کو مجلس کے کاموں کے لیے تیار کیا چنانچہ پہلا یوم رضا جو کہ ۱۹۶۸ء میں ہوا، اس میں مولوی ابراہیم علی چشتی، م۔ ش اور مولانا نیازی صاحب وغیرہ سب شریک تھے۔ غالباً مولانا غلام علی اوکاڑوی صاحب بھی مجلس کے اس پہلے جلسہ میں شریک تھے۔ اس پہلے یوم رضا کے جلسہ سے لاہور کے عوامی اور علمی حلقوں میں اعلیٰ حضرت کے بارے میں گفتگو شروع ہوگئی۔

اس پہلے جلسہ کے موقع پر مقررین کے پاس اعلیٰ حضرت کے بارے میں کہنے کے لیے مواد کی کمی تھی۔ مولانا عبدالستار نیازی صاحب کو میں نے اعلیٰ حضرت کی کتاب ''حرمت سجدۂ تعظیمی'' اور ''مقال العرفا'' پڑھنے کے لیے دیں۔ اعلیٰ حضرت کے علمی حوالے سے مجھے علی گڑھ کے مولانا مقتدا خاں شیروانی سے خاصی مدد ملی۔ انہوں نے میری رہنمائی اعلیٰ حضرت سے کسی تعلق کے بنا پر نہیں کی۔ وہ تو سرسید احمد خان کے ساتھیوں میں سے تھے۔ انہوں نے بڑی عمر پائی، میری ان سے پہلے سے خط وکتابت تھی غالباً پروفیسر ایوب قادری نے ان سے مجھے متعارف کروایا تھا چنانچہ مولانا شیروانی نے مجھے اعلیٰ حضرت کی کتاب ''المحجۃ المؤتمنہ'' بھیج دی۔ یہ کتاب ہمارے لیے بڑی مفید ثابت ہوئی۔ اس وقت تک پورے پاکستان میں یہ کتاب نہیں تھی، اس کے بعد مولانا شیروانی نے مولانا سید سلیمان اشرف صاحب کی کتاب ''النور'' بھیج دی، وہ بھی اس طرح کہ آدھی ایک بار اور آدھی دوسری بار تو ہم نے ان دو کتابوں میں سے اعلیٰ حضرت کی تحریروں سے ان کے دوقومی نظریے سے اتفاق کو منظر عام پر پیش کیا۔ مولانا مقتدا

خان چونکہ کانگریس کے مخالف تھے لہٰذا انہوں نے کانگریس دشمنی میں ہماری یہ مدد کی۔ "المحجۃ المؤتمنۃ" اعلیٰ حضرت کے آخری دور کی تصنیف تھی۔ ہم نے اس کتاب کی نقلیں یہاں علمی حلقوں میں پڑھوائیں۔

یوم رضا کے اہتمام کے سلسلہ میں ابتدا میں ایک میں تھا اور ایک ظہور دین تھا۔ بعد میں ایک محمد نظامی صوفی اللہ دتہ نعت خواں ہوا کرتے تھے۔ ہم رات میں مزنگ میں بیٹھ کر لئی پکاتے تھے پھر سارے لاہور میں سائیکل پر "یوم رضا" کے اشتہار لگاتے تھے۔ ایک بشیر حسین ناظم صاحب کے سالے سلیم صاحب بھی ہمارے ساتھ کام کرتے تھے۔ آج کل وہ کسی بینک کے منیجر ہیں۔ ہم لاہور کے علاوہ لاہور کے مضافات کے دیہاتوں میں بھی یوم رضا کے اشتہار لگواتے تھے۔ میں صبح فجر کی نماز پڑھ کر دریائے راوی کے بند پر کھڑا ہو جاتا تھا اور گاؤں کی جانب جانے والے کسی شخص کو بھی پوسٹر دے دیتا کہ وہ مولوی ریاض صاحب تک پہنچا دیتا تھا، وہ اسے دوسرے گاؤں دیہات تک پہنچا دیتے تھے۔ یہ سب کام ایک ہی آدمی کرتا تھا۔ بعد میں میاں زبیر بھی ہمارے ساتھ شامل ہو گئے۔ بہاولپور کے ایک مولانا ہاشمی صاحب ہوا کرتے تھے۔ وہ بھی بڑی باقاعدگی سے جب بھی چھٹی جاتی تشریف لے آتے۔ مولانا عمر اچھروی صاحب نے بھی ایک بار یوم رضا کے جلسہ میں شرکت کی، وہ ان کی آخری تقریب تھی۔ ایک بار میں بغیر کسی حوالے کے پیر صبغت اللہ مجددی کے چچازاد بھائی، کابل کے پیر فضل عثمان مجددی صاحب جو کہ لاہور میں ماڈل ٹاؤن میں رہتے تھے، کے یہاں چلا گیا اور انہیں یوم رضا کے جلسہ میں بحیثیت مہمان خصوصی شرکت کی دعوت دی۔ انہوں نے سرسری انداز میں آنے کی ہامی بھر لی۔ میں تو سمجھا تھا کہ وہ نہیں آئیں گے مگر وہ جلسہ میں آئے۔ ان میں

دینداری اس درجہ تھی کہ جب وہ جلسہ گاہ میں پہنچے تو تلاوت کلام پاک ہو
رہی تھی۔ میں مسجد کے باہر کھڑا تھا، ان سے آگے چلنے کی درخواست کی، وہ
فوراً مسجد میں جوتوں کے قریب ہی بیٹھ گئے۔ بعد میں جب تلاوت ختم
ہوگئی تو کہا کہ اب آگے چلتے ہیں۔ تلاوت کلام کا اس درجہ احترام ان کی
دینداری کو ظاہر کرتا ہے۔"[1]

پھر مرکزی مجلس رضا کے چمنستان سے اس بلبل بوستان رضا نے عشق رضا کے
وہ نغمے گائے کہ سارا چمن چہچہانے لگا۔

وہ چمن میں کیا گیا گویا دبستاں کھل گیا

لوگ جوق در جوق کوچہ رضا میں کھنچنے لگے، وارفتگی کشاں کشاں آستان رضا تک لے
جانے لگی۔ امام احمد رضا کا ایک نادیدہ عاشق بد کنے والوں کو بلاتا رہا، سونے والوں کو جگاتا
رہا، آنے والوں کی رہنمائی کرتا رہا۔ خوب لکھا ہے اخلاق احمد رضوی سہسرامی صاحب نے:

مرکزی مجلس رضا ہو یا سنی رائٹرز گلڈ، یوم رضا کا شاندار اجلاس ہو یا مطب
کی بارونق علمی محفل، ہر جگہ یہ بلبل بوستان رضا اس عاشق رسول کے علم وفن
کے گیت گاتا رہا، اس کے عشق پر سوز کی حرارتیں تقسیم کرتا رہا۔ یہ بوڑھا
مجاہد اسمبلی کے اراکین، وزراء، وکلا، جج صاحبان، پروفیسران، دانشوران،
ادبا، محققین، علما، طلبا سبھی کو بیدار کرتا رہا، عصری تقاضے یاد دلاتا رہا، گلشن
رضا کی سیر کراتا رہا، غلط فہمیوں کے غبار دور کرتا رہا، روٹھوں کو مناتا رہا،
بچھڑوں کو ملاتا رہا--- ہر سال لاکھوں کے اخراجات سے یوم رضا کا
اہتمام، مقالات یوم رضا کی اشاعت، اٹھارہ لاکھ سے زائد اسلامیات اور
رضویات پر سہ لسانی لٹریچر کی مفت تقسیم، اس بوڑھے مجاہد کے وہ لازوال
کارنامے ہیں جو رہتی دنیا تک یادگار رہیں گے۔ آج علمی حلقوں میں فکر

---

[1] ماہنامہ جہان رضا، مئی ۱۹۹۳ء، ص ۱۵، ۱۶ اور ۱۸۔

رضا کی جو رونقیں دکھائی دیتی ہیں وہ سب حکیم اہل سنت علیہ الرحمہ کی جانفشاں کاوشوں کا اثر ہیں۔[۱]

مگر کور ذوقوں کو اس بلبل ہزار داستان کی نغمہ سنجی ایک آنکھ نہ بھائی، وہ روٹھے روٹھے سے رہنے لگے، بات ذرا اور آگے بڑھی تو راہ ورسم بھی ختم کرڈالی لیکن پاکیزہ روحیں مستانہ وار جھومنے لگیں، اس کے نغموں پہ جان دینے لگیں۔ سنیے یہ داستان طلسم کشا خود اسی کی زبانی سنیے:

''میرے وہ دوست جو کہ پکے دیوبندی تھے انہوں نے تو مجھ سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور وہ لوگ جو تھے تو سنی بریلوی مگر انداز گول مول تھا، ان کو پکا بریلوی بننا پڑا مثلاً مولانا عبدالستار خان نیازی، مجلس کے کام کے بعد ہی پکے بریلوی بن گئے۔ ہمارے دوست مرحوم پروفیسر ایوب قادری جو کہ تھے تو ہمارے ہی مگر ان پر دیوبندیوں نے قبضہ کررکھا تھا، ان سے بھی ہم نے بہت کچھ لکھوایا۔ ایک دوبار یوم رضا کے موقع پر لاہور میں تھے تو جلسہ میں بھی آکر بیٹھے۔ ہم ''انوار رضا'' کے لیے مختلف اہل قلم سے رابطہ کرکے اعلیٰ حضرت پر مقالات لکھوا کر چھاپتے تھے۔ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب بھی اس طرح ہمارے رابطہ میں آئے۔ مسعود صاحب سے میرا رابطہ پروفیسر ایوب قادری نے کرایا تھا، ان کے ذریعہ مسعود صاحب کی ایک کتاب جو کہ شاہ محمد غوث گوالیاری علیہ الرحمہ پر تھی، مجھ تک پہنچی۔ انوار رضا کے لیے مقالہ کے لیے جب مسعود صاحب سے خط و کتابت ہوئی تو انہوں نے ''اعلیٰ حضرت اور تحریک ترک موالات'' کے عنوان سے مقالہ لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ ہم نے کہا: آپ لکھیں۔ جب ان کا مسودہ مجھے ملا تو میں نے دیکھا کہ بہت ہی عمدہ تحریر تھی، ایسی اردو لکھنے

---

[۱] جہان رضا، ۲۰۰۰ء۔

والے ہمارے یہاں کم ہوں گے۔ ہم نے چھاپا اور کتاب بار بار چھپی اور اس کا خاصا اثر ہوا۔[1]

ڈاکٹر مسعود صاحب نے بھی جب امام احمد رضا پر کام کا آغاز کیا تو ایسا ہی کچھ معاملہ ان کے ساتھ بھی پیش آیا۔ وہ خود لکھتے ہیں:

راقم کے مقالے ''فاضل بریلوی اور ترک موالات'' کا شائع ہونا تھا کہ غیظ و غضب کی لہر دوڑ گئی کیونکہ تسلیم شدہ حقائق تار عنکبوت کی طرح بکھرنے لگے۔ ایک یونیورسٹی کے شیخ الحدیث نے اپنی نجی محفل میں راقم سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ''میں فلاں پبلشر سے کہوں گا کہ پروفیسر مسعود کی کتابیں نہ چھاپا کرو۔'' دوسری یونیورسٹی کے صدر شعبہ تاریخ بھی ناراض ہوگئے اور دیرینہ دوستی بھی ختم کر دی۔ راقم نے عرض کیا: ''تاریخی حقائق عقائد نہیں ہوتے، آپ میری بات غلط ثابت کر دیں، میں اپنی بات کاٹ کر آپ کی بات لکھ دوں گا، کوئی لڑائی جھگڑا نہیں، یہ تو تحقیق و ریسرچ ہے، جو بات ثابت ہوگی وہی لکھی جائے گی'' ------ پھر خدا کی شان کہ مولوی حسین احمد دیوبندی کی کتاب ''الشہاب الثاقب'' میں یہ بات مل گئی کہ جب سید صاحب صوبہ سرحد میں اپنی کارروائیوں میں مصروف تھے تو انگریز اسلحہ سے ان کی مدد کر رہے تھے، چنانچہ مقالے کے دوسرے ایڈیشن میں یہ حوالہ پیش کر دیا گیا اور معترضین خاموش ہو گئے۔ تاریخ میں غلط بیانی یا دھونس سے کسی بات کو منوانے کی گنجائش نہیں--- لیڈن یونیورسٹی ہالینڈ کے کہنہ سال مستشرق پروفیسر ڈاکٹر جے ایم ایس بلیان نے راقم کے اس موقف کی تائید کی کہ سید صاحب نے انگریزوں کے خلاف کوئی جدو جہد نہیں کی۔ حقائق و شواہد کی روشنی میں ہر محقق اسی نتیجے

---

[1] جہان رضا، مئی ۱۹۹۳ء، ص ۱۹۔

پر پہنچے گا----- تو عرض یہ کر رہا تھا کہ راقم کا مقالہ ''فاضل بریلوی اور ترک موالات'' شائع ہوا تو امام احمد رضا کے مخالفین نے ان پر اپنے ردعمل کا اظہار کیا----- پھر جب راقم کی کتاب ''فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں'' ۱۹۷۳ء میں شائع ہوئی اور امام احمد رضا کی عرب و عجم میں ہمہ گیر مقبولیت کے جلوے دکھائے گئے تو ماہر القادری صاحب نے اپنے رسالے ''فاران'' (کراچی) میں ایک طویل مضمون لکھ کر مخالفین و معاندین کو خبردار کیا کہ اگر دانشوروں نے امام احمد رضا کی عظمت و جلالت کے جلوے دیکھ لیے تو پھر ان کی نظروں میں کوئی نہیں سمائے گا۔ یہی کتاب جب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بھیجی گئی تو وہاں شعبہ سنی دینیات کے صدر پروفیسر ڈاکٹر محمد رضوان اللہ مرحوم نے اپنے ساتھی پروفیسروں کو دکھائی۔ انہوں نے پڑھ کر بیک زبان کہا کہ اس سے قبل ہم سخت غلط فہمی میں مبتلا تھے۔ بیس پچیس پروفیسروں نے یہ بات کہی۔ پھر کیا ہوا؟ یہ کتاب ڈاکٹر رضوان صاحب کی میز پر رکھی ہوئی تھی، وہ کسی کام سے باہر گئے، امام احمد رضا کے کسی مخالف نے پار کر لی، واپس آئے تو کتاب میز پر نہ تھی۔ یہ بات مرحوم نے راقم کو خود بتائی۔ اس قسم کی اوچھی حرکتوں سے حق اور سچائی کو چھپایا نہیں جا سکتا۔ جس کی قسمت میں بلند ہونا ہے وہ بلند ہو کر رہتی ہے۔[۱]

ان تمام کبیدہ خاطریوں اور ناخوشگواریوں کے باوجود اہل سنت کا یہ حکیم اور عاشق مصطفیٰ، امام احمد رضا کا نادیدہ عاشق، اللہ کے اس محبوب بندے کے گن گاتا رہا، اس کے عشق رسول کی سرشاریاں عام کرتا رہا یہاں تک کہ مندی مندی آنکھیں کھلنے لگیں، تھکی تھکی نگاہیں اٹھنے لگیں، دبی دبی آرزوئیں پھڑکنے لگیں، کھنچی کھنچی گردنیں خم

---

[۱] آئینہ رضویات، حصہ دوم، کراچی، ص ۲۹۰ تا ۲۹۲۔

ہونے لگیں، جلے جلے دل ٹھنڈے ہونے لگے، رندھے رندھے گلے کھلنے لگے اور پھر فکر رضا کا ایک آوازہ سا بلند ہوا اور سارا جہان گنگنانے لگا ؎

اے رضا جان عنادل ترے نغموں کے نثار
بلبل باغ مدینہ تیرا کہنا کیا ہے!

ہاں! اے حکیم اہل سنت! تو طور رضا کا کلیم تھا، تو فکر رضا کا ندیم تھا، تو بہار رضا کی نسیم تھا، تو نے فضاؤں میں عشق رضا کی خوشبوئیں بکھیر دیں، تو نے دلوں میں نغمات رضا کی ترنگیں بھر دیں، تو نے کانوں میں رس گھول دیئے --- زندہ باد! اے محبت رضا کے امیں! پائندہ باد! اے جہان رضا کے مکیں! تیری عظمتوں کو سلام، تیری الفتوں کو سلام، تیری امانتوں کو سلام، تیری دیانتوں کو سلام ؎

اے حکیم اہل سنت! موسیٰ طورِ رضا
تیری بزمِ علم تھی یا جلوۂ نورِ رضا

خیابانِ رضویت کا ایک مہکتا ہوا پھول

دنیائے رضویت کے نامور سکالر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری ایم اے، پی ایچ ڈی، جو اپنی تحریروں کی ضیاؤں میں "ماہر رضویات" کے منصب پر فائز ہیں، آپ کئی سال تک حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی اشاعتی خدمات میں شریک لوح وقلم رہے ہیں۔ اپنی رفاقت کی نفیس یادوں کو تازہ کرر ہے ہیں۔

سرمد گلہ اختصار می باید کرد　　یک کار ازیں دو کار می باید کرد
یاتن برضائے دوست می باید داد　　یا قطع نظر ز یار می باید کرد

دل کا چین اللہ کی رضا میں راضی رہنے سے حاصل ہوتا ہے۔ محسن ملت حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمہ راضی برضاء الٰہی رہتے ہوئے خلوتوں میں وہ کام کر گئے جو اہل ہمت جلوتوں میں نہ کر پائے۔ ۱۹۶۹ء میں جبکہ فقیر کوئٹہ (بلوچستان) میں تھا، مراسلت کے ذریعہ انہوں نے رابطہ قائم کیا۔ وہ خود بہت کم خط لکھتے تھے، دوسروں سے لکھواتے تھے۔ فقیر کو شیخ محمد عارف قادری ضیائی مدنی زید مجدہ سے خط لکھوایا کہ مرکزی مجلس رضا لاہور کے لیے اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ پر کچھ کام کیا جائے۔ پھر علامہ محمد عبدالحکیم اختر شاہجہاں پوری علیہ الرحمہ کا خط آیا۔ اس میں بھی یہی تقاضا تھا۔ فقیر کو دس بارہ سال سے تحقیقی مقالات لکھتا تھا مگر حکیم صاحب کے تحقیقی مزاج سے واقف نہ تھا۔ اس لیے "فاضل بریلوی اور ترک موالات" کے عنوان سے ایک سرسری مضمون لکھ کر بھیج دیا۔

حکیم صاحب نے اس کو واپس کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کو معیاری بنایا جائے۔ فقیر نے ان کے حسب منشا مقالہ دوبارہ تیار کیا اور ۱۹۷۰ء میں بھیج دیا۔ اس مقالے کے کئی ایڈیشن حکیم صاحب نے شائع کرائے۔ پھر ایک اور تحقیقی مقالہ "فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں" ارسال کیا۔ یہ بھی ۱۹۷۳ء میں مرکزی مجلس رضا لاہور کی طرف سے شائع ہوا۔ پھر اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ پر کام کی یہ ابتداء تھی جس کی انتہاء ابھی تک نظر نہ آئی۔

حکیم صاحب محققین پر بڑے شفیق و مہربان تھے۔ مواد کی فراہمی میں بھرپور کوشش فرماتے اور نئے نئے حوالوں سے باخبر رکھتے تھے۔ فقیر کو بھی بہت سی کتابیں بطور امانت بھیجیں اور کچھ ہدیہ فرمائیں۔ امانت واپس بھیج دی گئی۔ حکیم صاحب نے اپنا کوئی تحقیقی مقالہ یا کتاب کبھی ارسال نہ فرمائی نہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ پر ان کا کوئی تحقیقی مقالہ یا کتاب نظر سے گزری، اشتیاق ہی رہا۔ ایک دو کتابوں پر پیش لفظ پڑھے جس سے ان کے تحقیقی ذوق کا اندازہ ہوتا ہے۔ بیرونی ممالک کے فضلاء اور محققین بھی ان سے رجوع کرتے تھے۔ حال ہی میں امریکہ کے ایک پروفیسر ڈاکٹر آرتھر بوہیلر نے صوفیائے کرام پر اپنی ایک انگریزی کتاب عنایت کی جس میں حکیم صاحب کا ذکر بھی ہے اور ایک تصویر بھی۔

حکیم صاحب نے اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ پر کام کرنے والوں کی ترغیب و تشویق فرمائی اور فقیر سمیت اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ پر بہت سے لکھنے والے پیدا ہوئے اور اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کا نام اور کام جدید علمی دنیا میں عالمی سطح پر روشن ہوا۔ پاک و ہند میں بہت سے ایسے ادارے بھی قائم ہوئے جو اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ پر خوب کام کر رہے ہیں۔ حکیم صاحب نے براہ راست ان اداروں کی مدد نہ کی ہو مگر جو تحریک انہوں نے چلائی اور جو فضا انہوں نے ہموار

کی، اس کے نتیجے میں علمی بیداری پیدا ہوئی۔ حکیم صاحب اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ پر تحقیق کے سفر میں دس پندرہ سال فقیر کے رفیق سفر رہے۔

"مرکزی مجلس رضا لاہور" کے قیام کے دس پندرہ سال بعد حکیم صاحب شدید علیل ہوئے جس سے مجلس کا کام متاثر ہوا۔ علالت کے بعد جب انہوں نے مجلس کا حساب کتاب دیکھا تو بعض اراکین سے بددل ہو گئے بلکہ مرکزی مجلس رضا ہی سے خفا ہو گئے۔ جس شوق و ذوق سے کام شروع کیا تھا، وہ جذبہ ہی سرد ہو گیا۔ مجلس رضا کے لیے یہ شدید ابتلا کا دور تھا۔ فقیر نے حکیم صاحب کو راضی کرنے کی کوشش کی مگر وہ فقیر ہی سے روٹھ گئے۔ ؎

جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں
ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

یہ ایک عظیم المیہ تھا۔ مولیٰ تعالیٰ علامہ اقبال احمد فاروقی کو سلامت رکھے کہ انہوں نے تن تنہا مرکزی مجلس رضا کے تنِ مردہ میں جان ڈالی۔ مجلس کے نام اور کام دونوں کو سنبھالا۔ ان کی ہمت مردانہ کو سلام۔

حکیم صاحب مخلص تھے۔ جہاں دنیاداری دیکھتے، بزبان حال کہتے ؎

زنہار ازان قوم نہ باشی کہ فریبند
حق را بہ سجودے و نبی را بہ درودے

حکیم صاحب سے فقیر کا دس پندرہ برس تعلق رہا۔ پھر صبح وصال کے بعد شب فراق آئی جو بہت طویل ہو گئی۔ دس پندرہ برس گزر گئے ؎

کون جیتا ہے شب ہجر سحر ہونے تک
عمر اک چاہیے یہ عمر بسر ہونے تک

انتقال سے چند ماہ قبل اچانک ایک لفافہ ملا جس میں حکیم صاحب کی طرف سے پروفیسر ایوب قادری کی ایک یادگار تحریر کا عکس تھا۔

این نامه کہ راحت دل ریش آورد!

اس کے جواب میں فقیر نے بھی ایک تاریخی دستاویز کا عکس ارسال کیا۔ خوش ہوئے، یوں چلتے چلتے وفا کا چراغ روشن کر گئے۔ وہ چراغ بھی تھے اور پروانہ بھی۔ حیف ؎

تا سحر وہ بھی نہ چھوڑی تو نے او باد صبا!
یادگار رونق محفل تھی پروانے کی خاک

وہ چلے گئے مگر اجر و ثواب کا ایک نہ ٹوٹنے والا سلسلہ ہے جو جاری و ساری رہے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا (آمین)

ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری ایم اے، پی ایچ ڈی جہان رضویت کے مایہ ناز قلمکار اور افکار امام احمد رضا کے زبردست ترجمان ہیں۔ آپ کی تحریروں نے خیابان رضویت کی آبیاری کی۔ علمی دنیا میں ماہر رضویات کا خطاب پایا۔ آپ دہلی کے علمی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ددھیال صدیقی اور ننھیال خانوادۂ سادات ہے۔ ۱۹۳۰ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی مفتی اعظم، محمد مظہر اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ ۱۹۵۶ء میں پنجاب یونیورسٹی سے گریجوایٹ ہوئے۔ ۱۹۵۸ء میں سندھ یونیورسٹی سے ایم اے کیا اور ۱۹۷۱ء میں سندھ یونیورسٹی سے ہی ڈاکٹریٹ کا اعزاز حاصل کر کے سندھ بھر میں اول آئے۔ ۱۹۵۶ء میں سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت ہوئے۔ اپنے والد گرامی اور مفتی محمد محمود الوری سے مجاز ہوئے۔ ۱۹۷۳ء میں سید زین العابدین شاہ سے سلسلہ قادریہ میں خلافت حاصل کی۔ ۱۹۹۴ء میں سید محمد علوی مالکی مکی مدظلہ العالی سے مدینہ منورہ میں خرقہ خلافت پایا۔ آج آپ کے مریدین کی خاصی تعداد دنیا کے مختلف گوشوں میں موجود ہے۔ ۱۹۵۸ء میں محکمہ تعلیم میں لیکچرار مقرر ہوئے۔ تعلیمی مناصب میں اور دفتری ترقی پاتے پاتے ایڈیشنل سیکرٹری تعلیم صوبہ سندھ ہوئے۔ ۱۹۹۲ء میں ریٹائر ہو کر اپنے آپ کو دین و مسلک کی خدمت میں وقف کر دیا اور آسمانِ رضویت کے آفتاب جہاں تاب بن کر چمکے۔ ۱۹۷۹ء میں حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمۃ کی

مرکزی مجلس رضا لاہور کے اشاعتی کاموں میں زبردست حصہ لیا اور فاضل بریلوی کے علمی اور سیاسی افکار کو دور دور تک پھیلایا اور اسے عالمی سطح پر متعارف کرایا۔ سید ریاست علی قادری مرحوم نے ''ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی'' کی بنیاد رکھی تو آپ نے بڑھ چڑھ کر علمی اور قلمی تعاون کیا۔ آپ کی تحریر اور قلم کی شہرت نے پاک و ہند کے اہل علم کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ آج کئی سکالرز آپ کی علمی اور فکری تحقیقات پر ایم فل اور پی ایچ ڈی کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی نے بہار یونیورسٹی، انڈیا سے آپ کی نثری اور علمی خدمات پر ڈاکٹریٹ کی ہے۔ آپ نے اپنی خدمات کی روشنی میں حکومتی اور علمی اداروں سے کئی ایوارڈ حاصل کیے۔ آج دنیائے رضویت پر کام کرنے والا کوئی شخص بھی آپ کی خدمات کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ آپ کی بے شمار تصانیف اہل علم کے مطالعہ میں آئیں مگر آپ نے حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی رفاقت میں گلستانِ رضویت میں جو بیل بوٹے لگائے ہیں ان کی مہک نے چار دانگ عالم کو مہکا دیا ہے۔

پتا: ۲-۱۷-سی، پی-ای-ایچ-سی سوسائٹی کراچی...... فون: 4552468

حکیم محمد موسیٰ ---- ایک حقیقی انسان

صاجزادہ سید فاروق القادری ایم۔ اے
سجادہ نشین شاہ آباد شریف۔ رحیم یار خاں

جان کر من جملہ خاصان مے خانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

۱۹۶۸ء کے اوائل کی کوئی مبارک گھڑی تھی کہ مجھے رام گلی (ریلوے روڈ پر مطب بعد میں منتقل ہوا) کے مختصر سے مطب میں حکیم محمد موسیٰ امرتسری سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ پنجاب یونیورسٹی ایم۔ اے سال اول کا ایک دبلا پتلا نوعمر طالب علم حکیم صاحب سے کیا ملا' وہ ہمیشہ کے لیے ان کا ہو کر رہ گیا۔ کوئی شک نہیں وہ عالم تھے' مورخ تھے' محقق تھے' اہل قلم تھے' درویش صوفی تھے لیکن کیا صرف یہی وہ اوصاف تھے جن کی بنا پر ایک دنیا ان کی دیوانی تھی' نہیں نہیں ان انفرادی یا اجتماعی اوصاف کے حامل سینکڑوں دوسرے لوگ بھی ہو سکتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ دنیا کی بے وفائی' خودغرضی' جھوٹے اقدار' غلط پندار اور نمود و ریا کی آندھیوں میں حکیم صاحب کا وجود' اخلاص' دردمندی' انکساری' فروتنی اور ہر شخص کے دل میں اتر جانے اور گھر کر لینے کی جن خوبیوں سے بہرہ ور تھا' وہ چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے۔

وہ حلم' وہ تواضع اور وہ طرز خود فراموشی

-

خدا بخشے جگر کو لاکھ انسانوں کا انساں تھا

حکیم صاحب کا مطب جسمانی بیماریوں کی علاج گاہ ہی نہیں، وہ ٹوٹے ہوئے دلوں، پریشان خاطر لوگوں، علمی رہنمائی حاصل کرنے والے ضرورت مندوں، دانشوروں، پروفیسروں، سیاست دانوں، مزدوروں، ریڑھی بانوں اور روحانی لوگوں کی ایک ایسی ہمہ گیر خانقاہ اور دارالشفا تھی جہاں سے سب لوگ کچھ دے کر نہیں، کچھ لے کر ہی اٹھتے تھے۔ ان آنے والوں میں جو بھی آتا، ایسا معلوم ہوتا کہ حکیم صاحب اسی کے لیے چشم براہ تھے اور "آمد آں یارے کہ ما می خواستیم" کہہ کر اس کا استقبال کرتے۔ وہ انتہائی وسیع القلب تھے۔

ان کے ساتھ گھلنے ملنے میں دیر ہی کتنی لگی، ان کی سادگی، بے ساختگی، علم دوستی، احترام نسبت، مہمان نوازی اور بے تکلفی نے مجھے ایسا گرویدہ بنایا کہ اگر کسی روز ان کے ہاں نہ جا سکتا تو رات بڑی بے کلی میں گزرتی۔

یوں تو ان کے ساتھ میرا نیازمندانہ تعلق تیس سال پر محیط ہے مگر تین برس یعنی یونیورسٹی میں دوران تعلیم کا عرصہ میں نے زیادہ تر ان کے ساتھ گزارا۔ بلاشبہ میں ایک علمی ادبی خاندان کا فرد تھا اور لکھنے پڑھنے کا شوق مجھے ورثے میں ملا تھا مگر میں انتہائی فراخ دلی کے ساتھ اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ حکیم صاحب نے بڑے سلیقے سے کھیل کود کی عمر کے ایک نوجوان کو ابھار کر نوشت و خواند اور علم و ادب کا وزن اٹھانے کے قابل بنایا اور اسے اپنے اسلاف کی راہ پر گامزن کر دیا۔

حکیم صاحب، برصغیر کے عربی زبان و ادب کے نامور عالم، علامہ محمد عالم آسی علیہ الرحمہ کے شاگرد تھے۔ آپ کو عربی، فارسی پر مکمل عبور حاصل

تھا۔ سب سے اہم بات یہ کہ وہ اعلیٰ پائے کے محقق تھے۔ میں ابتدا سے ہر چیز پڑھنے کا شوقین تھا مگر حکیم صاحب سے جب بھی بات ہوتی ان کی معلومات ہمیشہ بڑھی ہوئی، تازہ اور ہر اعتبار سے مکمل ہوتیں۔

حکیم صاحب برصغیر کے اس قافلے کے فرد تھے، جو برصغیر کے عشق نبوی کی خصوصی روایت کا امین، سلاسل روحانیت کی نسبت کا حامل، علم و فضل کے ساتھ شریعت و سنت کا علمدار رہا ہے جس میں اعلیٰ اخلاق، مروت، فیاضی، سیر چشمی، بلند ہمتی، گوشہ گیری اور نام و نمود سے کنارہ کشی سرفہرست تھے۔ اب پرانی محفلوں کی بساط لپیٹی جا رہی تھی۔ ان کے دیے آہستہ آہستہ بجھ رہے تھے۔ حکیم صاحب کا وجود ان مجلسوں کی آخری نشانی تھا۔ وہ مٹے ہوئے انسان تھے، اسی لیے ہیچ مدانی اور عاجزی کا پیکر تھے۔ سچ کہا ہے کسی نے

فروتنی است دلیل رسیدگان کمال
کہ چوں سوار بہ منزل رسد پیادہ شود

حکیم صاحب کے ساتھ تیس سال کی نیازمندی کا یہ سفر اپنے اندر علم و حکمت، محبت و عقیدت اور دلی رشتوں کی ایسی دلفریب داستانیں لیے ہوئے ہے جو شاید ضخیم کتاب میں بھی نہ سما سکیں۔ میرے پاس حکیم صاحب کے سینکڑوں خطوط، سرناموں کے ساتھ ان کی بھیجی ہوئی بے شمار کتابیں، ان کے ارسال کردہ اخباری مضامین، تراشے، دفتر کی صورت میں محفوظ ہیں۔ جونہی کوئی عمدہ کتاب، اچھا مضمون، اچھوتا خیال ان کے سامنے آتا، مجھے اس میں شریک کرنے کے لیے فوراً بھجواتے۔

یہ درویش لاہور جاتا تو اپنی قیام گاہ کاشانہ میاں محمد سلیم حماد سجادہ نشین دربار داتا صاحب پر پہنچتے ہی حکیم صاحب سے ملاقات کے لیے دل مچلنے لگتا۔ میاں صاحب کی معیت میں حاضری ہوتی تو ہم کو دیکھتے ہی ان کی

طبیعت کھل اٹھتی۔ چہرے پر خوشی و مسرت کے آثار دمکنے لگتے اور ان پر روحانی اصطلاح کے مطابق بسط کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ سید ہونے کے حوالے سے وہ ہمیشہ میرے ہاتھ چومنے کی کوشش کرتے اور میں شرم سے پانی پانی ہو جاتا۔

کرم کردی الٰہی زندہ باشی!

علماء مشائخ' سادات اور طلباء کا دوا دارو مفت ہوتا۔ موسم کے مطابق مشروبات' چائے' شربت کے دور برابر چلتے رہتے۔ خصوصی تیار کردہ خمیرہ سے بھی خصوصی حاضرین کی تواضع ہوتی۔ کھانے کا وقت آجاتا تو کوئی خبر نہیں حکیم صاحب کا اشارہ پاتے ہی فوراً کھانے کا بندوبست کر لیتا۔ حکیم صاحب کے ساتھ بیٹھ کر کھانے میں جو مزا آتا' وہ شاہوں کی دعوتوں میں کہاں۔ مولویانہ قسم کی مخصوص یبوست ان کو چھو کر نہیں گزری تھی۔ وہ باغ و بہار شخصیت کے مالک تھے۔ لطیفے' چٹکلے' ادبی ظرائف' نوک جھونک سے محفل کو شگفتہ بنائے رکھتے۔ الغرض ان کی مجلس سے دل اٹھنے کو نہ چاہتا۔ یہ شعر ان پر ہو بہو صادق آتا

بہت لگتا ہے جی صحبت میں ان کی
وہ اپنی ذات سے اک انجمن ہیں

حکیم صاحب کو شدت سے اس بات کا احساس تھا کہ برصغیر میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہزار سالہ تاریخ نازک موڑ پر ہے۔ ہندوستان کے آخری مایہ ناز مقتدا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے خاندان کے معمولات و معتقدات اور برصغیر کے مسلم دینی مرکز فرنگی محل اور علمائے خیر آباد کے نظریات کے خلاف سازشیں شروع ہو گئی ہیں تو انہوں نے جسمانی عوارض کی طرح ملت کی نبض پڑھ کر اس کی روحانی تشخیص کی اور

خوب کی۔ چنانچہ کئی سال کے غور و خوض کے بعد انہوں نے مرکزی مجلس رضا کی بنیاد رکھی۔ پاک و ہند میں بڑے بڑے علماء اور ادارے موجود تھے۔ مگر یہ سعادت ایک فقیر منش درویش کو ہوئی کہ اس نے اس اسٹیج اور فورم کے ذریعے ایک بار پھر برصغیر کے مسلمانوں کو بھولا ہوا سبق یاد دلایا ؎

کامل اس فرقہ زہاد سے اٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے تو یہی رندان قدح خوار ہوئے

وہ کوئی سکہ بند مولوی یا شیخ طریقت نہیں تھے مگر یہ تو قدرت کے فیصلے ہیں۔ وہ جس سے چاہے کام لے۔ سچ کہا ہے کسی نے ؎

تیرگی سے جو شب بھر لڑا تھا
وہ دیا مہر و مہ سے بڑا تھا

اس خاکسار کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ مرکزی مجلس رضا کے خیال، اس کی تاسیس اور پہلے یوم رضا ۱۹۶۸ء کے سارے مراحل میں حکیم صاحب کا رفیق کار رہا۔ حکیم صاحب کے حاضرباش اس بات کی تصدیق کریں گے کہ وہ ہمیشہ اس عاجز کی رائے کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ انہوں نے مرکزی مجلس رضا کے ذریعے عشق رسول کی تحریک اٹھائی تو ہر شخص نے اسے اپنے دل کی آواز سمجھا۔ شروع شروع میں انجان لوگ حیرت سے پوچھتے کہ یہ حکیم صاحب ہیں کون؟

ایں مطرب از کجاست کہ ساز عراق ساخت
و آہنگ باز گشت ز راہ حجاز کرد

۱۹۶۸ء ہی میں میرے والد گرامی نے "عباد الرحمٰن" کے نام سے مشائخ بھرچونڈی شریف کا تذکرہ لکھا تو میری خواہش پر حکیم صاحب نے اس پر بصیرت افروز مقدمہ لکھا۔ ۱۹۷۱ء میں میرے والد گرامی اللہ کو پیارے

ہوئے تو حکیم صاحب نے "ذکر مغفور" کے نام سے ان کی زندگی اور احوال و آثار پر مختصر مگر ایمان افروز کتاب لکھی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مشہور کتاب "الطاف القدس" کا میں نے ترجمہ کیا تو حکیم صاحب نے اس پر عالمانہ مقدمہ لکھا۔ یہ کتاب لاہور کے ایک مکتبے نے شائع کی ہے۔ میں نے "فاضل بریلوی اور امور بدعت" لکھی۔ (یہ کتاب لاہور اور بعد میں بمبئی سے چھپی) تو میں نے اس کا انتساب حکیم صاحب کے نام کیا۔ میں دیانت داری کے ساتھ یہ سمجھتا تھا کہ اس کتاب کے انتساب کے لیے ان سے زیادہ موزوں شخصیت اور کوئی نہیں ہے۔ گزشتہ سے پیوستہ برس "کشف المحجوب" میرے ترجمے اور حکیم صاحب کے اس فاضلانہ مقدمے کے ساتھ چھپی جس نے پہلی بار حکیم صاحب کے علم و فقہ اور تحقیق و تدقیق کے بلند معیار کا علمی دنیا کو تعارف کرایا۔

ایک خاص بات جس نے حکیم صاحب کو امتیازی حیثیت دے دی تھی، وہ یہ تھی کہ وہ حق کے بارے میں کسی لچک، نرمی اور مداہنت کے لفظ سے بھی آشنا نہ تھے۔ وہ جس بات کو صحیح سمجھتے، اس پر ڈٹ جاتے، ڈنکے کی چوٹ پر کہتے اور کسی شخصیت کی پروا نہ کرتے۔ اس معاملے میں انہوں نے کئی پرانے دوستوں اور علماء سے قطع تعلق تک کر لیا تھا۔ وہ مولانا جوہر کے اس شعر کی مجسم تصویر تھے

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

حکیم صاحب کی وساطت سے قطب مدینہ مولانا ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمہ نے مجھے ان اوراد و وظائف کی اجازت بخشی جو میں چاہتا تھا۔ حکیم صاحب حج اور زیارت روضہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر روانہ ہوئے تو لاہور

ریلوے اسٹیشن پر ان کے عقیدت مندوں اور احباب کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ میں نے دل لگی کے طور پر کہا کہ حکیم صاحب حقے کے بغیر کیسے گزرے گی۔ آپ حقے کے بے حد شوقین تھے۔ وقفے وقفے سے حقہ سارا دن سامنے رہتا تھا۔ آنکھوں میں آنسو بھر کر فرمانے لگے آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ تمباکو کی ناخوشگوار بو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ ناپسند ہے۔ میں نے حقہ سے اپنا تعلق ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا ہے اور واقعتاً" پھر انہوں نے حقے کو ہاتھ نہیں لگایا۔

حکیم صاحب کے تعلقات کا اندازہ ان کے ساتھ بیٹھنے کے بعد ہوتا تھا۔ ان کے پاس اندرون و بیرون ملک سے سینکڑوں خطوط آتے۔ ملاقات کے لیے آنے والوں میں افغانستان، ایران، بھارت، انگلستان، جرمنی، بنگلہ دیش، متحدہ عرب امارات اور کینیڈا وغیرہ کے سکالرز، علماء طلباء اور دانشور میں نے خود دیکھے ہیں۔ ان کے ہاں مصنوعی رکھ رکھاؤ اور تکلفات کا کوئی گزر نہ تھا۔ البتہ علم اور نسبت کی قدر کرنے والا شاید ہی کوئی ان سے بڑھ کر ہو۔ انہوں نے ہزاروں نادر اور قیمتی کتابوں پر مشتمل ذاتی کتب خانہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو دے کر علم کی قدر و قیمت کی ایسی شاندار مثال قائم کی جس کی تقلید کی جانی چاہیے۔

حکیم صاحب ایسے لوگ اب کہاں ملیں گے؟ جنہوں نے ان کو نہیں دیکھا وہ شاید یقین ہی نہ کریں کہ ایسے لوگ بھی اس دھرتی پر گھومتے تھے۔ آنکھیں نمناک اور دل اداس ہے۔ مجھے یقین ہے کہ حکیم صاحب اس دنیا میں جس کا کوئی نام نہیں، بدستور علم و معرفت کی محفل سجائے ہوں گے۔ ہم اس بے وفا، خودغرض اور جھوٹی دنیا سے انہیں سوائے اس کے اور کیا سوغات بھیج سکتے ہیں

منی السلام الی من لست انساه
ولا یمل لسانی قط ذکراہ
فان غاب عنی فان القلب مسکنہ
ومن یکون بقلبی کیف انساہ

اسے میرا سلام پہنچے جسے میں کبھی بھول نہیں سکتا اور نہ ہی میری زبان اس کے ذکر سے غافل ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ مجھ سے روپوش ہوگیا ہے مگر میرا دل کو اس کا نگر ہے اور جو میرے دل میں بستا ہے میں اسے کیسے بھول سکتا ہوں۔

☆ ☆ ☆

صاحبزادہ سید فاروق القادری ایم اے سندھ کے ایک روحانی قادری خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ ۱۹۴۶ء میں پیدا ہوئے اور گڑھی اختیار خان ضلع رحیم یار خان میں پرورش پائی۔ والد گرامی کا اسم گرامی پیر سید مغفور القادری (م ۱۹۷۰ء) ہے جو خانوادۂ قادریہ بھرچونڈی شریف سندھ کے تربیت یافتہ تھے۔ اپنے وقت کے شیخ طریقت تھے۔ سید فاروق القادری نے فارسی، عربی کی ابتدائی کتابیں اپنے گھر کے بزرگوں سے پڑھیں، پھر ملتان آ کر انوار العلوم میں درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں مختلف علمی مراحل طے کیے۔ آپ حضرت غزالی زماں علامہ احمد سعید کاظمی کے قابل ترین شاگردوں میں شمار ہوتے تھے۔ لاہور پہنچے تو ۱۹۶۹ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے عربی میں گولڈ میڈل حاصل کیا۔ ۱۹۷۰ء میں والد کی وفات کے بعد آپ گڑھی اختیار خاں کی خانقاہ قادریہ، شاہ آباد کے سجادہ نشین قرار دیئے گئے۔ روحانی تربیت کے ساتھ ساتھ علمی دنیا میں اپنا نام پیدا کیا اور مختلف تصانیف وتالیفات سے اہل علم وفضل کے محبوب مصنف بن گئے۔ تصوف کی اہم کتابوں کے تراجم اور ان پر مقدمات وتعلیقات کی وجہ سے بڑا نام پایا۔ لاہور کے قیام کے دوران آپ کا حکیم محمد موسیٰ امرتسری سے رابطہ ہوا تو تادمِ رحلت ان کے دامانِ محبت سے وابستہ رہے۔ جب آپ نے ''فاضل بریلوی اور امور بدعت'' لکھی تو حکیم صاحب بڑے خوش ہوئے۔ حکیم صاحب نے آپ کے خاندان کی روحانی خدمات کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ آپ کے والد گرامی کے احوال ومقامات پر پوری کتاب لکھی۔

پتا: خانقاہ شاہ آباد شریف گڑھی اختیار خاں، ضلع رحیم یار خاں

بحرِ بے کراں

سیّد عارف محمود مہجور رضوی گجرات کے باکمال سخنور اور حکیم صاحب کے محبّ خاص، ان کے خوشبودار اشعار نسیم جانفزا بن کر آپ کے دل و دماغ کو تازگی بخشیں گے۔ وہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی بارگاہ میں ہدیہ تحسین کا ایک گلدستہ سجا کر لائے ہیں۔

بے جا نہیں کہ ہے وہ ممدوح رضویاں
بے جا نہیں کہ ہے وہ مخدوم چشتیاں

بے جا نہیں کہیں جو اسے دانائے راز
بے جا نہیں جو اس کو کہیں سر دلبراں

بے جا نہیں جو اس کو کہیں دیں کی آبرو
بے جا نہیں جو اس کو کہیں محسن جہاں

بے جا نہیں کہیں جو مسیحا سرشت اسے
بے جا نہیں کہیں جو اسے موسیٰ زماں

بے جا نہیں جو فقر کا اس کو بھرم کہیں
بے جا نہیں غنا کی کہیں ہم جو اس کو شاں

بے جا نہیں جو علم کا اس کو کہیں نقیب
بے جا نہیں عمل کا ہے وہ میر کارواں

بے جا نہیں جو زینت عزم و عمل کہیں
بے جا نہیں جو اس کو کہیں صاحب زماں

بے جا نہیں جو شیخ طریقت کہیں اسے
بے جا نہیں کہ وہ ہے شریعت کا پاسباں

بے جا نہیں جو معرفت کا کجکلاہ کہیں
بے جا نہیں کہیں جو حقیقت کا نکتہ داں

بے جا نہیں جو صوفی عصر رواں کہیں
بے جا نہیں کہ فقر کا اس کو کہیں نشاں

بے جا نہیں جو صاحب نسبت کہیں اسے
بے جا نہیں کہیں جو اسے ہمراز قدسیاں

بے جا نہیں جو قطب زمانہ کہیں اسے
بے جا نہیں کہیں جو تصوف کا رازداں

بے جا نہیں کہ رہبر دنیا و دیں ہے وہ
بے جا نہیں جو حق کا کہیں اس کو ترجماں

بے جا نہیں جو اس کو کہیں حق کا پاسدار
بے جا نہیں کہیں جو صداقت کا جسم و جاں

بے جا نہیں جو فخر کریں اس پہ اہل حق
بے جا نہیں جو ناز کرے اس پہ کل جہاں

بے جا نہیں کہیں جو باطل شکن اسے
بے جا نہیں کہیں جو سر کوب گمرہاں

بے جا نہیں جو نائب احمد رضا کہیں
بے جا نہیں جو اس کو کہیں فخر سنیاں

بے جا نہیں جو خلق کا اس کو جہاں کہیں
بے جا نہیں جو خلق کا کہیں اس کو ہمائیاں

بے جا نہیں جو اس کو کہیں صدق کا سفیر
بے جا نہیں وفا کی جو کہیں اس کو داستاں

بے جا نہیں کہیں جو اسے پیکر خلوص
بے جا نہیں کہیں جو محبت کی کہکشاں

بے جا نہیں جو لطف کا محور کہیں اسے
بے جا نہیں عطا کا کہیں اس کو گلستاں

بے جا نہیں کہیں جو اسے فکر کی نمو
بے جا نہیں وہ فہم و فراست کی ہے اذاں

بے جا نہیں جو اس کو تدبر کی جاں کہیں
بے جا نہیں کہیں جو بصیرت کا ارمغاں

بے جا نہیں ہے پیکر عقل و شعور وہ
بے جا نہیں کہیں جو تفحص کا آستاں

بے جا نہیں کہیں جو اسے عشق کا امیر
بے جا نہیں کہ ہے وہ محبت کا ترجماں

بے جا نہیں ہے خلق و مروت کا آئینہ
بے جا نہیں کہیں جو مودت کا کارواں

بے جا نہیں جو سایہ رحمت کہیں اسے
بے جا نہیں کہیں جو اسے لطف بے گماں

بے جا نہیں جو اس کو کہیں مونس و شفیق
بے جا نہیں کہیں جو سراپا کرم نشاں

بے جا نہیں کہیں جو ایثار کا عروج
بے جا نہیں کہیں جو اخلاص جاوداں

بے جا نہیں کہیں جو اسے درس آگہی
بے جا نہیں کہیں جو اسے مکتب اماں

بے جا نہیں جو اس کو کہیں سب کا غمگسار
بے جا نہیں کہیں جو اسے اپنا مہرباں

بے جا نہیں جو اس کو کہیں شجر سایہ دار
بے جانہیں کہ سب کے ہیں وہ قلب وروح وجاں

بے جا نہیں کہیں جو اسے حسن دلبری
بے جا نہیں کہیں جو اسے مرگ دشمناں

بے جا نہیں کہیں جو اسے زندگی کی رُوح
بے جا نہیں کہیں جو اسے زینت جناں

بے جا نہیں جو اس کو کہیں بندگاں نواز
بے جا نہیں کہیں جو ہمدرد بے کساں

بے جا نہیں کہیں جو غریبوں کا دستگیر
بے جا نہیں کہیں جو پنہ گاہ مفلساں

بے جا نہیں کہیں جو اسے حاتمِ لاہور
بے جا نہیں کہیں جو سخاوت کا آسماں

بے جا نہیں کہیں جو اسے محبوب دل نواز
بے جا نہیں کہیں جو بے رغبت جہاں

بے جا نہیں جو صبر کا سنگم کہیں اسے
بے جا نہیں جو اس کو کہیں حلم کا جہاں

بے جا نہیں جو درد کا مارا کہیں اسے
بے جا نہیں کہیں جو اسے درد کی زباں

بے جا نہیں جو تختہ مشقِ ستم کہیں
بے جا نہیں کہیں جو اسے مجروحِ دوستاں

بے جا نہیں کہیں جو نشانہ ظلم و جور
بے جا نہیں کریں جو حقیقت کو اب عیاں

بے جا نہیں کہیں جو مصائب زدہ اسے
بے جا نہیں کہیں جو الم کی اسے فغاں

بے جا نہیں جو داد دیں اس کے شکیب کو
بے جا نہیں جو اس کو سراہیں بے این و آں

بے جا نہیں کہیں جو اسے زندۂ جاوید
بے جا نہیں کہیں جو تجلی کن فکاں

بے جا نہیں جو اس کو کہیں اپنی مثال آپ
بے جا نہیں کہ اس کا مماثل کوئی کہاں

بے جا نہیں کہیں جو اسے علم کا چراغ
بے جا نہیں کہیں جو فضیلت کا بوستاں

بے جا نہیں کہیں جو اسے عبقری صفات
بے جا نہیں کہیں جو تفضّل رواں دواں

بے جا نہیں کہیں جو اسے جامع علوم
بے جا نہیں کہیں جو براہین کا جانِ جاں

بے جا نہیں جو اس کو کہیں گر کتاب دوست
بے جا نہیں کہیں جو کتابوں کا قدرداں

بے جا نہیں کہ ہے وہ محقق نواز شخص
بے جا نہیں کہیں جو تاریخ ساز ! ہاں

بے جا نہیں کہیں جو اسے تاجدارِ علم
بے جا نہیں کہیں جو فصاحت کا خانماں

بے جا نہیں جو اس کو کہیں محسن ادب
بے جا نہیں کہیں جو ادیبوں کا میزباں

بے جا نہیں جو اس کو حقیقت رقم کہیں
بے جا نہیں کہیں جو اہل قلم کی جاں

بے جا نہیں جو مرکز تحقیق اسے کہیں
بے جا نہیں کہیں جو تجسس کا اک جہاں

بے جا نہیں جو اس کو کہیں بے بدل حکیم
بے جا نہیں کہیں جو طبابت کی عز و شاں

بے جا نہیں جو ہمسر لقماں کہیں اسے
بے جا نہیں کہیں جو اسے وارثِ یوناں

بے جا نہیں کہیں جو فرشتہ منش اسے
بے جا نہیں کہیں جو شرافت کا آشیاں

بے جا نہیں جو اس کو کہیں زندگی فروز
بے جا نہیں جو اس کو کہیں زندگی فشاں

بے جا نہیں کہیں جو اسے تذکرۂ عصر
بے جا نہیں کہیں جو تاریخ رفتگاں

بے جا نہیں جو سب ہی کریں خم سر نیاز
بے جا نہیں ہے سب ہی ملائیں جو ہاں میں ہاں

بے جا نہیں کہ کشورِ تحقیق کا اسے
مل جل کے سب کہیں جو بے تاج حکمراں

بے جا نہیں جو اس کو کہیں فردِ بے عدیل
ثانی جہاں میں اس کا ملے گا نہ یاں نہ واں

بے جا نہیں جو اس کے محاسن کے باب میں
تسلیم کر لیں عجز کا اپنے اگر بیاں

مہجور علم و دانش و حکمت کا الغرض
بے جا نہیں کہیں جو اُسے بحرِ بیکراں

اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

یوسفتان گجرات کے دانشوروں کے ایک تاریخی قصبے "قلعدار" کے ایک باکمال فرزند ڈاکٹر قریشی احمد حسین قلعداری کا اس باکمال ہستی کی بارگاہ میں نذرانہ تحسین جن کے دامن سے وہ چالیس سال وابستہ رہے...... آپ اسے ضرور پڑھیں گے۔

موت و حیات کے سلسلے روز ازل سے جاری ہیں اور ابد تک رہیں گے جب کوئی آدمی دنیا سے رخصت ہوتا ہے وقتی طور پر لواحقین کے لیے دنیا اندھیر ہو جاتی ہے کچھ عرصہ کے بعد تسکین میسر آ جاتی ہے لیکن بعض اموات ایسی ہوتی ہیں جن کا قلق رہتی دنیا تک رہتا ہے۔ یہ قلق مرنے والے کی ذاتی صفات کے باعث ہوتا ہے جس کے اثرات ملک و قوم اور معاشرہ پر مرتب ہوتے ہیں۔ عرب کے ایک شاعر نے کسی قیس نامی کے متعلق کہا تھا:

اذا هلك قيس هلك هلك واحد
ولاكنه بنيان قوم تهدما

ترجمہ : مرنے کو تو ایک قیس دنیا سے رخصت ہو گیا لیکن اس کے ہلاک ہونے سے قوم کی بنیادیں منہدم ہو گئیں۔

اسی احساس کو کسی اردو شاعر نے کہا تھا جو آج ہمارے موضوع کا عنوان ہے۔ یہ احساس میں سمجھتا ہوں کچھ وقت کے لیے ہوتا ہے یا کچھ عرصہ کے لیے قریبی تعلق داروں کو ہوتا ہے ورنہ عام طور پر یہ باتیں تکلف کے طور پر ہوتی ہیں۔ کافی عرصہ تک اس شعر کی تشریح یہی رہی۔

میرے محترم دوست حکیم محمد موسیٰ امرتسری وفات پا گئے حکیم صاحب مرحوم ایک جامع الصفات شخصیت بلکہ بنیادی طور پر ایک مرکز اور ادارہ تھے۔ اس مصرع کی تشریح اس وقت سامنے آئی جب محترمی حکیم صاحب کے چلے جانے سے زندگی کی بے شمار صفات کے ابواب بیک جنبش قلم ختم ہو گئے اور ایک شخص کے چلے جانے سے سارا شہر واقعی ویران نظر آتا ہے۔

جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری سے میرا تعارف آج سے کوئی تیس سال قبل ہوا۔ اور میں نے پوری ربع صدی خود مشاہدہ کیا کہ وہ آدمی اپنی ذات میں واقعی اک جہان تھا جس نے بے شمار صفات اپنی ذات میں سمیٹ رکھی تھیں۔

میں نے پہلی دفعہ ان کو لاہور رام گلی میں دیکھا تھا۔ ایک مختصر سی دکان تھی جس میں ایک عمومی قسم کا آدمی نہایت سادہ انداز میں بیٹھا ہوتا جس کے چہرہ پر گزشتہ تہذیب کے پریشان آثار جدید انداز میں جگمگاتے نظر آتے تھے۔ دکان میں ان کے پاس پیر غلام دستگیر نامی اور شیخ اسماعیل پانی پتی ان آثار کی ترجمانی کرتے نظر آتے تھے کہ پرانی تہذیب دم توڑتی چلی جا رہی ہے اور باقیات الصالحات کی ایک صورت حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی شکل میں باقی رہ گئی ہے۔

مکرمی حکیم محمد موسیٰ امرتسری سے میرا تعارف مسلسل بڑھتا چلا گیا اور میں نے دیکھا کہ اس پریشان صورت میں گزشتہ تہذیب کے احیاء کے لیے حکیم صاحب جان و دل سے مستعد ہیں اور ان کو نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے ان کے احساسات مسلسل رخشاں و درخشاں ہیں اور وہ اپنی ذات کے اندر ایک جہان سمیٹے ہوئے ہیں جس سے ہزاروں لوگ بہرنوع مستفید ہوں گے۔

رام گلی سے حکیم صاحب کا مطب ریلوے روڈ میں منتقل ہو گیا۔ دو منزلہ مکان رام گلی والی دکان سے قدرے کشادہ تھا۔ حکیم صاحب یہاں آ کر بہت

خوش تھے اس لیے کہ اندر کی پوشیدہ صفات کو بروئے کار لانے کے لیے سہولت میسر آگئی تھی۔ اس جہان کا منظر میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ دکان کے سامنے فٹ پاتھ، فٹ پاتھ کے ساتھ برآمدہ اور برآمدہ کے پیچھے کمرہ، جس میں حکیم صاحب ایک کرسی پر براجمان ہوتے اور سامنے ایک چھوٹی سی میز ہوتی۔ بازار سے گزرنے والے لوگ حکیم صاحب کو دیکھتے اور حکیم صاحب کے سامنے بازار کا منظر ہوتا۔ برآمدہ میں مطب کی ادویات تیار ہوتی رہتی تھیں اور ایک دو آدمی ہر وقت مصروف نظر آتے جن کو حکیم صاحب کام کے لیے گاہے بگاہے بلاتے رہتے۔ حکیم صاحب کی کرسی کے پاس دائیں بائیں دو لمبے بنچ رکھے ہوتے تھے جن پر آنے والے لوگ آکر بیٹھ جاتے۔

ادھر طبابت کا کام چل رہا ہوتا، ادھر صاجزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری آگئے، میاں فضل احمد صاحب بریلوی آگئے، ان سے تصوف کے موضوع پر باتیں ہوتیں۔ اس مزاج کے اور لوگ بھی آجاتے۔ جناب حکیم صاحب کی گفتگو ان سب پر حاوی ہوتی اور حکیم صاحب تصوف کے عجیب و غریب نکات بیان کرتے۔ ادھر یہ سلسلہ جاری ہوتا، ادھر سے میاں محمد دین کلیم آجاتے۔ حکیم صاحب نہایت خندہ روئی سے فرماتے "مورخ لاہور" آگئے۔ اور مورخ لاہور کھلکھلا کر بولتے ایک سو کتابوں کا مصنف ہوں، کوئی معمولی بات نہیں۔

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی اور سید ریاض حسین خراباتی کا تذکرہ بھی حکیم صاحب کی محافل میں بڑے احترام سے ہوتا۔ حکیم صاحب ان لوگوں کے ذوق و شوق کی بے حد تعریف کرتے۔ مولوی شمس الدین لاہوری تاجر کتب نادرہ سے حکیم صاحب کے خصوصی دوستانہ مراسم تھے۔ مولوی صاحب کے نوادرات اور کتاب داری کی زیادہ تر شناخت قبلہ حکیم صاحب کے روابط سے ہوتی تھی۔

صوفیائے کرام کی کتابوں سے حکیم صاحب کو بے حد لگاؤ تھا۔ لاہور میں

ان کتابوں کا گہرا مطالعہ صرف اور صرف حکیم صاحب کا تھا۔ حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمتہ کی مشہور زمانہ کتاب "کشف المجوب" کا جو معرکہ الاراء مقدمہ محترم جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمتہ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا وہ آج تک اکناف عالم میں سند کی حیثیت رکھتا ہے، اسی طرح اس موضوع کی دیگر کتابوں پر قبلہ حکیم صاحب کے دیباچے اور مقدمے آج بھی اپنی مثال آپ ہیں جو متلاشیان حق کے لیے رہتی دنیا تک مشعل راہ رہیں گے۔

یہ چند ایک تذکار بطور اختصار بیان کیے گئے ہیں ورنہ قبلہ حکیم صاحب کا مطب ایک ایسی درگاہ تھی جہاں ہروقت اس قسم کے مناظر و واقعات نظر نواز ہوتے۔ پھر یہ ہی نہیں ہر آنے والے کی خاطر تواضع بھی چائے، مشروبات اور طعام ماحضر سے ہوتی۔ ایک دن میں نجانے کتنے کپ چائے کے آتے اور نجانے کس قدر مشروبات بروئے کار لائے جاتے۔ دن کو تشنگان آب زلال حکمت آ رہے جا رہے ہوتے اور کئی ایک مہمان شب بسری کے لیے بھی آئے دن آتے رہتے جنہیں حکیم صاحب محترم و مکرم کی میزبانی کی سعادت میسر آتی۔ غرضیکہ جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری نور اللہ مرقدہ کی دکان ایک مرکز عمل و فضل تھی، ایک چشمہ حکمت و فضیلت تھی، ایک درسگاہ فکر و نظر تھی۔ اس ہارون الرشید کے دور کی یادگار دارالحکمت میں جب کبھی حاضر ہوتا تو اس طرح کے مناظر دیکھتا تو بے اختیار علامہ اقبال کا یہ شعر میرے ورد زبان ہو جاتا۔

نہ تخت و تاج میں، نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے

یہ تو وہ مناظر تھے جن کا نظارہ ہم لاہور جا کر کرتے تھے۔ بیرون شہر بین الاقوامی سطح پر ملک کے اندر دور دور تک اور بیرون ممالک میں جناب حکیم صاحب قبلہ اس طرح بے تکلفی سے باتیں ہوتی رہتیں۔

جناب عبداللہ قریشی تشریف لے آتے تو کشمیریات اور اقبالیات کا باب کھل جاتا حکیم صاحب سادہ سادہ انداز میں ان موضوعات پر اس قدر جامعیت سے گفتگو کرتے کہ یوں گمان ہوتا تھا کہ جیسے وہ کشمیر کے رہنے والے ہیں اور علامہ اقبال کے قریبی دوست! ہونہار نوجوان عزیز محمد اقبال مجددی کالج میں لیکچرار تھے۔ محققین کے دلدادہ تھے۔ تاریخ و تذکرہ سے بیحد لگاؤ تھا آتے تو تاریخ و تذکرہ کی کتابوں کی نشاندہی ہوتی۔ ابو الطاہر فدا حسین فدا جیسے پختہ کار شاعر اور تاریخ گو بھی حکیم صاحب کی محافل کی رونق ہوتے۔ پنجاب یونیورسٹی کے پروفیسر محمد اسلم شعبہ تاریخ پنجاب یونیورسٹی بھی آتے۔ حکیم صاحب کا مطب یونیورسٹی اور کالجوں کے اساتذہ و طلباء کے لیے مرجع شرف تھا جس سے علم و حکمت کے چشمے پھوٹتے نظر آتے۔

جناب سید جمیل احمد رضوی چیف لائبریرین، پنجاب یونیورسٹی سے حکیم صاحب کے برادرانہ مراسم تھے رضوی صاحب نہایت نفیس طبع اور قابل قدر شریف انسان ہیں۔ حکیم صاحب نے انہی کے ایماء پر اپنا سارے کا سارا کتب خانہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو دے دیا یہ جانبین پر خلوص محبت کا نتیجہ تھا کہ حکیم صاحب کا عظیم المرتبت ذخیرہ کتب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گیا۔ جس میں موجود کتابوں کی فہرست جمیل احمد رضوی صاحب کے قلم سے مرتب ہو کر کئی جلدوں میں شائع ہو رہی ہے۔

سید شریف احمد شرافت نوشاہی کو حکیم صاحب سے والہانہ عقیدت تھی اور حکیم صاحب علیہ الرحمتہ بھی ان کے بے حد مداح تھے۔ ان کی طومار نویسی اور خوش نویسی سے بے حد متاثر ہوتے تھے۔ شرافت صاحب مرحوم و مغفور کبھی کبھار ان کے ہاں آتے تو حکیم صاحب ان کا والہانہ استقبال کرتے اور بے حد خوش ہوتے ان کے آرام و قیام کے لیے دکان کی اوپر کی منزل آراستہ کی

جاتی۔ شرافت صاحب وہاں آرام فرماتے۔ شرافت صاحب کتابوں کے جنون کی حد تک شیدائی و قدردان تھے۔ ساری زندگی کتابوں کے عشق میں بسر کردی ان کے اس جنون کو قبلہ حکیم صاحب علیہ الرحمتہ کی میزبانی سے بے حد تسکین ملتی۔

ان کا احترام اسی تواتر سے تھا۔ سندھ سے ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، کراچی سے ڈاکٹر محمد ایوب قادری اور پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہر سمیت ہزاروں اس طرح کے اہل علم و فضل آپ کے گرویدہ تھے۔ آئے دن ان حضرات کے خطوط آتے رہتے اور آپ ہر وقت ہر روز خطوط کے جوابات لکھنے میں مصروف رہتے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ قبلہ حکیم صاحب کے ان ہزارہا علمی مکاتیب گرامی کی ترتیب و تدوین کی جانب توجہ دی جائے۔ تاکہ حکیم صاحب کے ملفوظات علمی و ادبی کا یہ ذخیرہ دستبرد زمانہ سے محفوظ ہوجائے۔

میرے ایماء پر "مرکز تحقیقات فارسی و ایران پاکستان" کے ارباب اختیار سے جناب حکیم صاحب کا تعارف ہوا۔ چند ہی ملاقاتوں میں جناب ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی، جناب ڈاکٹر علی اکبر جعفری اور ڈاکٹر سید عبداللہ مظاہری اور بعد میں آنے والے دانشور آپ کی عظمت کے گرویدہ ہوگئے۔ مرکز تحقیقات سے، ایران سے اور تہران یونیورسٹی سے کتب و رسائل بطور تحائف آتے رہتے اس طرح علم و حکمت کا ایک اور دبستاں آباد ہوگیا۔

عمر کے آخری حصہ میں حکیم صاحب مرحوم و مغفور نے لاہور میں "مرکزی مجلس رضا" کی بنیاد رکھی۔ آپ بریلوی مسلک سے عقیدت رکھتے تھے جس کے پس منظر میں آپ کا وسیع و عمیق مطالعہ کارفرما تھا بلکہ فرمایا کرتے تھے "میں کٹر قسم کا بریلوی ہوں۔" اس سلسلہ میں آپ نے مسلک اعلیٰ حضرت کی وہ خدمت کی کہ اس کی مثال شاید ہی کسی دوسری تنظیم سے مل سکے۔ ہزاروں

لاکھوں کی تعداد میں کتابیں شائع کیں جنہیں وسیع پیمانے پر ملک اور بیرون ملک کے حضرات اہل علم تک مفت پہنچایا گیا جس سے اعلیٰ حضرت بریلوی کی علمیت و فضیلت کا بین الاقوامی سطح پر چرچا ہوا اور یہ سارا سلسلہ قبلہ حکیم صاحب کی مساعی کا نتیجہ ہے۔ یہ وہ اعزاز اور کریڈٹ ہے جس کی سزاوار اور مستحق صرف اور صرف حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمتہ کی جامع الصفات شخصیت ہے۔

راقم الحروف بندہ احمد حسین احمد قریشی قلعہ داری سے جناب حکیم صاحب قبلہ کو خصوصی الفت تھی جس کا تذکرہ میں نے قبلہ حکیم صاحب کی زندگی میں شائع ہونے والے ایک طویل مضمون میں کر دیا ہے۔ (یہ مضمون "جہان رضا" کے ایک خصوصی شمارہ "اعترافیہ" میں شائع ہوا) ان کے آخری دور میں عمر کے تقاضا کے باعث لاہور آنا جانا قدرے کم ہوگیا البتہ یادیں جانبیں بدستور موجود رہیں۔ مجھے بے حد خوشی ہوئی کہ میرا مقام گجرات کے نامور فرزند اور میرے عزیز شاگرد سید عارف محمود رضوی کی وساطت سے برقرار رہا۔

یہ ہے مختصر نقشہ یا خاکہ اس جہاں کا جو قبلہ حکیم صاحب کی وفات حسرت آیات سے درہم برہم ہو کر رہ گیا۔ اب لاہور میں نہ اس طرح کی صوفیاء کی مجالس ہوتی ہیں اور نہ ہی دانشوروں کے تذکرے، نہ ہی تحقیق و تجسّس کرنے والوں کو کہیں سے اس طرح رہنمائی ملتی ہے اور نہ ہی کتابوں کا کہیں تذکرہ ہوتا ہے۔ اہل علم و دانش جویان علم و حکمت کو پریشان و سرگرداں پھرتا دیکھتا ہوں تو اس پریشانی میں مجھے اس مصرع کی تشریح عملی طور پر نظر آتی ہے اور میں برملا کہتا ہوں۔

ع اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا!

———※———※———

حُسنِ عَقِیدَت کے پُھول

آسمان روحانیت کے مہر تاباں حضرت داتا گنج بخش کے آستان محبت کے وارث، زرخیز اور خوشحال دل و دماغ کے حامل صاحبزادہ میاں محمد سلیم حماد سجادہ نشین اپنے مخدوم حکیم اہلسنت کو حضرت داتا گنج بخش کی دہلیز پر کھڑا پاتے ہیں۔

حضرت محمد موسیٰ حکیم امرتسری چشتی نظامی (۱۹۲۷ء---۱۹۹۹ء) کو حضرت سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش لاہوری سے بے پناہ عقیدت تھی۔ آپ کی کتاب زندگانی کے ورق ورق پر پھیلا حسن عقیدت روشن و تاباں ہے۔ حضرت داتا صاحب سے آپ کی عقیدت محض رسمی نہ تھی بلکہ سید ہجویری کی تصنیف لطیف "کشف المحجوب" کے حافظ اور تعلیمات گنج بخش کے سچے پیروکار تھے۔ آپ گنج بخش کی گنج بخشی کے نہ صرف قائل تھے بلکہ داتا فیض عالم کے فیض سے بہرہ ور بھی تھے۔ مظہر نور خدا کے جلووں سے مخمور تھے۔ حق کی شمشیر اور روشن ضمیر تھے۔ فیض یافتگان گنج بخش میں ایک مرد دلپذیر تھے۔

آپ کا خاندان پشت بہ پشت حضرت داتا گنج بخش کا عقیدت مند چلا آ رہا ہے۔ قیام پاکستان سے قبل امرتسر سے ہر سال ۱۹ صفر کو عرس مبارک حضرت داتا گنج بخش کی تقریبات میں آپ اپنے والد گرامی حکیم فقیر محمد چشتی (م ۱۹۵۲ء) اور دیگر عزیز و اقارب کے ہمراہ خصوصی طور پر شریک ہوتے۔ آپ لوگوں کی آمد پر حضرت عبداللہ ملقب بہ شیخ ہندی خلیفہ مجاز و سجادہ نشین اول حضرت داتا گنج بخش کے خانوادہ کی خصوصی نشست گاہیں اور

مہمان خانے قیام و طعام کے لیے کھول دیئے جاتے۔ قیام پاکستان کے بعد حکیم صاحب مرحوم کی مزار داتا پر حاضری روزانہ کے معمولات میں شامل رہی۔ متعدد بار آپ کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ غسل و عرس مبارک حضرت شیخ ہندیؒ کے موقع پر آپ کے دست مبارک سے رسم غسل اور رسم چادر پوشی ادا ہوئی۔ حکیم صاحب کی وفات ۱۷ نومبر ۱۹۹۹ء کے بعد آپ کی رسم قل اور بعد ازاں رسم چہلم (۲۱ جنوری ۲۰۰۰ء) بھی جامع مسجد درگاہ حضرت داتا گنج بخش میں ادا کی گئی۔ آپ دربار حضرت میاں میر صاحب لاہور کے ''احاطہ مقابر چشتیاں'' میں دفن ہوئے۔

حکیم صاحب مرحوم سے راقم کے دیرینہ تعلقات تھے۔ آپ سے باہم ملاقاتوں میں بہت سے موضوعات پر گفتگو ہوتی لیکن حضرت داتا صاحب کی ذات والا صفات کے حوالے سے انتہائی عقیدت مندانہ گفتگو فرماتے۔ آپ پنجابی زبان میں انتہائی میٹھے انداز میں بات چیت کرتے اور بوقت ضرورت اردو' فارسی اور عربی زبانوں کو بھی استعمال میں لاتے۔ حضرت سید علی ہجویریؒ سے آپ کے حسن عقیدت کے چند پھول قارئین کی نذر ہیں۔

○ حکیم صاحب مرحوم نے ماضی کے دریچوں میں جھانکتے ہوئے فرمایا کہ ''جب بھی میں اور قبلہ والد گرامی کسی بھی کام کے سلسلہ میں امرتسر سے لاہور آتے جاتے تو ہم حضرت داتا صاحب کے مزار پر لازم حاضری دیتے۔ میری عقیدت کا یہ عالم تھا کہ مزار شریف پر مختصر حاضری اور جلد واپسی مجھ پر ہمیشہ شاق گزرتی اور میرے ظاہر و باطن سے یہ ہوک اٹھتی کہ کاش یہ وقت ٹھہر جائے یا یہ فاصلے سمٹ جائیں کہ میں شبانہ روز پوری [illegible]نیت سے حاضری دے سکوں۔ قیام پاکستان کے ساتھ ہی یہ فاصلے سمٹ گئے اور احقر کی آرزو پوری ہوئی۔ یہ حضرت داتا صاحب کا خاص کرم ہے کہ مجھے پاس (لاہور) بلا

لیا اور اپنے فیض سے مستفیض فرمایا۔"

○ راقم اور ہر واقف حال شخص جانتا ہے کہ حکیم صاحب مرحوم پر صوفیانہ رنگ غالب تھا۔ طبابت کی نسبت سے آپ کا مطب تو جاری و ساری تھا لیکن راقم کی نگاہ میں آپ کا مطب ایک صوفی کی خانقاہ تھی' جسے راقم ہمیشہ "خانقاہ موسوی" کا درجہ دیتا رہا۔ جہاں ہر شعبہ زندگی سے متعلق ادنیٰ و اعلیٰ افراد اپنی جسمانی و روحانی بیماریوں' علمی و تحقیقی اور عمرانی مشکلات و پریشانیوں کے علاج اور مداوا کے لیے حکیم صاحب مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنے اپنے ظرف کے مطابق فیض پاتے اور یہ سلسلہ آپ کی وفات تک جاری رہا۔ راقم نے آپ سے سوال کیا کہ حضرت (حکیم صاحب) آپ پر جو صوفیانہ رنگ غالب ہے' اس کی کیا وجہ ہے تو آپ نے جواب دیا کہ "یہ صوفی کامل حضرت سید علی ہجویری داتا گنج بخش کا فیض و کرم ہے"۔

○ کچھ بد عقیدہ لوگوں کی اس افتراء و افواہ کے بارے میں کہ حضرت سید علی ہجویری کا موجودہ مزار آپ کا مدفن نہیں ہے' راقم نے حکیم صاحب سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا "حضرت سید علی ہجویری داتا گنج بخش کا موجودہ مزار ہی آپ کا حقیقی مدفن ہے اور صدیوں سے میرے آباء و اجداد اسی مزار داتا پر حاضر ہوتے آ رہے ہیں۔ یہی مزار فائض الانوار' زمانہ قدیم سے مرجع خواص و عوام چلا آ رہا ہے۔ بڑے بڑے عارفین اور سرخیل اولیاء یہاں سے فیض یاب ہوئے اور اس خانقاہ کی دھول کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانا عین سعادت سمجھتے رہے۔ یوں تو جملہ ارباب یقین کے قلوب حضرت داتا گنج بخش کے مزار ہیں مگر جہاں حضرت سید علی ہجویری محو استراحت ہیں وہ مقام بوسہ گاہ عالم' قبلہ اہل صفا اور کعبہ عشاق ہے' یہاں عوام کے علاوہ ہر وقت اولیا ظاہرین و مستورین کا ہجوم رہتا ہے۔ پاکستان بھر میں یہ وہ متبرک و مقدس

مقام ہے جہاں جملہ مقامات مقدسہ سے زیادہ ذکر خدا اور ذکر محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا ہے اور یہ تبلیغ اسلام اور روحانیت کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ جہاں ہر وقت حاجت مند زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے اور داتا کے دریائے فیض کو دیکھ کر بے اختیار ان کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔

گنج بخش فیض عالم، مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

اور فرمایا کہ "بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ داتا صاحب کی قبر مبارک نیچے تہہ خانہ میں ہے اور اوپر نمائشی قبر ہے۔ یہ قطعاً غلط ہے۔ گنبد کے اندر داتا صاحب کا موجودہ نظر آنے والا مزار شریف ہی آپ کا حقیقی مزار مبارک ہے۔ میرے اسلاف جو پشت ہا پشت سے داتا صاحب کے عقیدت مند اور آپ کے مزار شریف پر حاضری دیتے چلے آ رہے ہیں اگر قبر مبارک تہہ خانہ میں ہوتی تو میرے آباء و اجداد اس بات کا ذکر ضرور کرتے اور خبر ہم تک پہنچتی اور یقیناً احقر بھی حضرت داتا صاحب کی اس قبر کی زیارت سے مشرف ہو چکا ہوتا"۔

○ راقم نے لاہور کے دیگر بزرگان دین کے مزارات پر داتا صاحب کی حاضری کی روایت کے متعلق دریافت کیا۔ خصوصاً حضرت میراں حسین زنجانی مدفون چاہ میراں کو حضرت داتا صاحب کا پیر بھائی ہونے اور داتا صاحب کی لاہور آمد سے قبل ان کی موجودگی، مزار حضرت داتا صاحب پر حاضر ہونے سے قبل حضرت پیر مکی کے مزار پر حاضر ہونے کا داتا صاحب کا حکم، مزارات بی بیاں پاک دامن پر حضرت داتا صاحب کا اعتکاف کرنے کی روایات کے بارے میں دریافت کیا تو حکیم صاحب نے فرمایا کہ "تحقیق سے ثابت ہے کہ حضرت میراں حسین زنجانی حضرت داتا صاحب کے پیر بھائی

نہیں اور نہ ہی داتا صاحب کی آمد سے قبل لاہور میں مقیم تھے۔ دراصل حضرت داتا صاحب کی ذات بابرکات کی مقبولیت و محبوبیت اور آپ کے مزار کی مرجعیت کے پیش نظر چند ایک مزارات کے مجاوروں نے یہ مشہور کر دیا ہے کہ یہ داتا صاحب سے پہلے کے بزرگ ہیں اور داتا صاحب اپنی زندگی میں ان کے مزارات پر حاضری دیتے رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت پیر مکی صاحب کے مجاوروں نے عوام میں یہ مشہور کر رکھا ہے کہ داتا صاحب کا فرمان ہے کہ میرے پاس آنے سے پہلے ان کے مزار پر حاضری دیں۔ صرف یہ ہی نہیں بلکہ بعض لوگ تو حضرت پیر مکی صاحب کو حضرت داتا صاحب کا استاد کہنے سے بھی نہیں چوکتے۔ اسی طرح حضرت سید احمد توختہ ترمذی کی صاحبزادیوں کی قبور جو بی بیاں پاک دامن کے نام سے مشہور ہیں' کے مجاوروں نے دور آخر کے مولف سے یہ لکھوا دیا ہے کہ یہ سید زادیاں سانحہ کربلا کے بعد لاہور آ گئیں تھیں۔ اصل حقائق ان سے مختلف ہیں۔ حضرت داتا صاحب سے پہلے بزرگ اور داتا صاحب کی ان صاحبان مزارات سے عقیدت ظاہر کر کے دراصل یہ لوگ اپنی اپنی دکانیں چمکانا چاہتے ہیں"۔

○ حکیم صاحب مرحوم نے حضرت داتا صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مقام و مرتبہ کے بارے میں یوں فرمایا: "حضرت داتا صاحب فطرتاً" ولی اللہ تھے۔ بطن مادر ہی سے ولی کامل پیدا ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے محبت اور ان کی اطاعت سے ولایت کے ارفع و اعلیٰ مقام اور بلند ترین مرتبہ پر فائز ہوئے۔ چونکہ آپ نے اللہ کے محبوب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں خود کو فنا کر لیا تھا اس لیے آپ کو محبوبیت کا مقام بھی عطا ہوا اور خطۂ ارض پر مظہر نور خدا ہوئے۔ آپ کو حیات میں اور بعد از وصال بھی عوام و خواص کے لیے بے پناہ فیوض و برکات کا منبع بنا دیا گیا۔ امت

محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بہت کم اولیاء کرام کو ایسی محبوبیت و مقبولیت حاصل ہوئی۔ آپ اولیاء کے مخدوم اور صوفیاء کے سلطان ہیں"۔

○ حکیم صاحب نے فرمایا "حضرت داتا صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے جوانی میں ہی ظاہری و باطنی علوم کی تکمیل کے مراحل طے کر لیے تھے۔ آپ ظاہری و باطنی علوم کے بحر زخار تھے۔ آپ کی تصنیف "کشف المحجوب" جو آغوش رحمت خداوندی میں بیٹھ کر لکھی گئی۔ مسائل شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت کا ایک بیش بہا گنجینہ اور نورانی صحیفہ ہے۔ کاملین کے لیے رہنما اور عوام کے لیے پیر کامل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے مطالعہ سے عرفان و ایقان حاصل ہوتا ہے اور شک و شبہات کی وادی میں بھٹکنے والے یقین کی دنیا میں آباد ہو جاتے ہیں۔ ہر مرتبہ و استعداد کے لوگ اپنی اپنی حیثیت اور ظرف کے مطابق اس سے مستفید ہوتے ہیں"۔

○ حکیم صاحب مرحوم نے فرمایا کہ "حضرت داتا صاحب نے قیام لاہور کے دوران بہ عطا رب العالمین و بہ فیض رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کفرستان ہند میں اپنی روحانی قوت اور نظر کیمیا اثر سے تاریک سینوں کو نور اسلام سے منور فرما کر لاتعداد کافروں کو صاحب ایمان بنایا اور خوش بختوں کو اپنی نظر کرم سے ولایت کے بلند پایہ مراتب پر فائز فرمایا۔ آپ نے کامیاب تبلیغی مساعی سے غزنوی دور کے نائب حاکم پنجاب رائے راجو' جو شیخ ہندی کے لقب سے مشہور ہیں' کو حلقہ بگوش اسلام فرما کر دو قومی نظریہ کی بنیاد رکھی۔ پاکستان کا قیام حضرت داتا صاحب کے فیضان کا ہی مرہون منت ہے"۔

○ حکیم صاحب مرحوم نے فرمایا کہ "علامہ اقبال کو حضرت داتا صاحب سے خاص عقیدت تھی اور آپ کے فیض سے ہی وہ روحانیت کی

طرف مائل ہوئے اور مفکر اسلام کا درجہ پایا--- حضرت شیخ مجدد الف ثانی سرہندی نے اپنے مکتوبات میں لاہور کو جو "قطب ارشاد" کا درجہ دیا ہے' اصل میں یہ قطب الاقطاب سید علی ہجویری کو خراج تحسین پیش کیا ہے"۔

○ حکیم صاحب مرحوم کو راقم نے اکثر صاف ستھرے سادہ اور کھلے ڈھلے لباس میں ملبوس دیکھا۔ مہمانوں کی خاطر مدارات ہمیشہ بہترین نعمتوں سے کرتے اور خود سادہ خوراک کھاتے۔ راقم نے آپ کو بارہا رس پانی میں بھگو کر اور چینی پر لیموں نچوڑ کر روٹی سے کھاتے دیکھا ہے۔

ایک مرتبہ راقم نے مختلف جماعتوں کے خاص رنگ ڈھنگ کے لباس کے متعلق سوال کیا تو حکیم صاحب نے کشف المحجوب کے حوالے سے حضرت داتا صاحب کے لباس کے متعلق مسلک بیان فرمایا کہ "رب تعالیٰ نے اگر گدڑی دی تو اوڑھ لی' قبا دی تو پہن لی اور اگر برہنہ رکھا تو اس پر بھی صبر و شکر کیا" داتا صاحب نے اس مسلک اعتدال کو اختیار کر رکھا تھا۔ فقیر بھی لباس کے بارے میں داتا صاحب کے مسلک پر قائم ہے۔ لباس و خوراک میں کوئی تکلف روا نہیں رکھتا"۔

○ علماء کے بارے میں حکیم صاحب کا رویہ تعظیم و تکریم کے حوالے سے یکساں نہ تھا۔ راقم نے جب اس رویہ سے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا "حضرت داتا صاحب نے کشف المحجوب میں علم کے باب میں نام نہاد اور غافل علماء کی پہچان کے لیے ایک معیار مقرر کیا ہے کہ غافل علماء وہ ہیں جنھوں نے اپنے دل کا قبلہ دنیا کو بنا رکھا ہے۔ شریعت میں رخصتوں اور آسانیوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ بادشاہوں اور حاکموں کے پجاری ہیں اور ان کی سرکار اور دربار کے طواف کو وظیفہ حیات سمجھتے ہیں۔ مخلوق میں جاہ و مرتبہ ان کے نزدیک معراج ہے۔ غرور تکبر کی بدولت اپنی چالاکی اور عیاری

پر فخر کرتے ہیں۔ زبان و بیان میں تکلف اور بناوٹ سے کام لیتے ہیں۔ بزرگان دین کے بارے میں نہایت ہلکے پن کا اظہار کرتے ہیں۔ حسد اور عناد ان کی فطرت بن چکا ہے۔ یہ سب جاہلانہ باتیں ہیں جو ان کا طلب گار اور ان پر عامل ہو وہ جاہل ہوتا ہے عالم نہیں" اور فرمایا ایسے علماء عزت و تکریم کے مستحق نہیں ہوتے۔ لیکن جو علماء ان جاہلانہ باتوں سے پاک ہوتے ہیں وہ ہی تعظیم و تکریم کا حق رکھتے ہیں۔ ہم لوگوں کو ان نام نہاد علماء کو جو فی الحقیقت بندگان سیم و زر ہیں، اپنے سے دور رکھنا چاہیے تاکہ ان کے منحوس اثرات سے ایمان محفوظ رہ سکے۔

○ حکیم صاحب مرحوم اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "قیام پاکستان کے وقت جو مہاجرین براستہ واہگہ لاہور آئے اور مہاجر کیمپوں میں پناہ گزیں ہوئے۔ ان کی پرورش حضور داتا گنج بخش نے فرمائی۔ اس لیے کہ اس وقت حکومتی وسائل نہ ہونے کے برابر تھے اور افراتفری کے عالم میں یہ ممکن نہ تھا کہ مہاجرین کے کیمپوں میں تین وقت کے کھانے کا انتظام ہوتا۔ جو کام حکومت نہ کر سکی، وہ کام حضرت داتا صاحب کی درگاہ شریف کے لنگر سے ممکن ہوا۔ قیام پاکستان کے وقت پکی پکائی تیار دیگوں کا کاروبار رائج نہ تھا۔ عقیدت مندان گنج بخش اپنے اپنے ٹھکانوں سے مختلف اجناس کی دیگیں پکوا کر درگاہ شریف پر نذر و نیاز پیش کرتے تھے۔ اس کے علاوہ درگاہ شریف کے متولیان مہمان زائرین کے لیے ہر روز تین وقت کا لنگر پکواتے تھے۔ جب مہاجرین آئے تو لنگر وافر مقدار میں پکایا جانے لگا اور سارے کا سارا لنگر مہاجرین کے لیے وقف کر دیا گیا تھا۔ کیمپوں تک پہنچانے کا بندوبست سجادہ نشینان حضرت داتا گنج بخش خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے"۔

○ حکیم صاحب کی حضرت داتا صاحب سے عقیدت کے ایک پہلو پر

روشنی ڈالتے ہوئے عزیزم جناب میاں زبیر احمد صاحب قادری ضیائی جو کہ "خانقاہ موسوی" کے ایک حاضر باش جلالی درویش ہیں' نے ایک واقعہ بیان کیا کہ "حکیم صاحب کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے حکیم صاحب مرحوم کی صحت میں کمزوری کے آثار نمایاں ہونے لگے تھے۔ ایک روز صبح سویرے حکیم صاحب نے فون پر مجھے حکم دیا کہ مزار داتا پر فوراً پہنچو میں بھی خصوصی حاضری کے لیے آ رہا ہوں۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ حکیم صاحب بھی اپنے دونوں یتیم نواسوں جہاں زیب عمر چھ سال اور فاروق عمر چار سال کو ہمراہ لیے داتا دربار پہنچے۔ میں نے جب خصوصی حاضری کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا آج اپنے کم سن یتیم نواسوں کی ذمہ داری حضرت داتا صاحب کے سپرد کرنے آیا ہوں۔ اس لیے کہ میں ان کی پرورش اور تربیت نہ کر سکوں گا۔ میاں صاحب آپ بھی دعا کریں کہ میری یہ عرض منظور ہو جائے۔ اس کے بعد حکیم صاحب مجھے اور نواسوں کو لے کر حضرت داتا صاحب کے پاؤں کی طرف جنوبی دروازے سے دربار شریف میں داخل ہوئے اور مزار شریف کے گنبد کے مغربی جانب مواجہہ شریف کے مقام پر غلام گردش میں دیر تک آنکھیں بند کیے بیٹھے رہے۔ پھر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور ہم بھی دعا میں شریک ہوگئے۔ بعد از دعا حضرت شیخ ہندی خلیفہ مجاز سجادہ نشین اول حضرت داتا صاحب کے مزار جو کہ گنبد کے مشرقی پہلو میں واقع ہے' پر آپ نے فاتحہ خوانی کی اور پھر انتہائی اطمینان و سکون کی کیفیت میں داتا دربار سے رخصت ہوئے اور کچھ عرصہ بعد آپ کا وصال ہوگیا"۔ اس واقعہ سے حکیم صاحب کی داتا صاحب سے لازوال عقیدت' حصول فیض ان کے سفر زندگانی کے خاتمے کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

○ حکیم صاحب مرحوم نے زندگی میں دو ممالک کا سفر اختیار کیا۔

۱۹۷۳ء میں سعودی عرب فریضہ حج ادا کرنے کے لیے گئے اور دوسری بار حضرت داتا صاحب اور ان کے اسلاف کے متعلق تحقیق و جستجو آپ کو افغانستان لے گئی۔ آپ نے فرمایا "حضرت سید علی الہجویری الجلابی الغزنوی کے آبائی شہر غزنی کو دیکھنے اور آپ کے احوال و آثار سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے ایک بار افغانستان میں غزنی کے مقام پر پہنچا تو وہاں ایک قبرستان کے سوا کچھ نہ ملا جہاں آپ کے والدین اور آپ کے ماموں تاج الاولیاء کے مزارات اب بھی موجود ہیں"۔

○ حکیم صاحب مرحوم سے راقم نے دریافت کیا کہ مرکزی مجلس رضا کے حوالے سے بہت بھاری اور کٹھن ذمہ داری جو آپ بخیرو خوبی انجام دے رہے ہیں، اس کے لیے ظاہری وسائل نظر نہیں آتے۔ اس پر روشنی ڈالئے۔ حکیم صاحب نے فرمایا "کوئی بھی کار خیر کرنے سے قبل اگر بندہ اپنی ذاتی ہمت و کوشش اور اپنے وسائل پر بھروسہ کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور اس کی مدد و توفیق کا طلب گار بن کر کام کا آغاز کرے تو انجام بخیر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کرام کو حاجت مندوں کا ممد و معاون اور وسیلہ بنا دیتا ہے۔ جو کام نفسانی اغراض سے پاک ہو اس کام میں برکت ہو جاتی ہے۔ وسائل کی تنگی کشادگی میں بدل جاتی ہے اور مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ جب مجھے کوئی ایسی مشکل پیش آ جائے، جس کے حل کی بظاہر کوئی صورت نظر نہ آئے تو میں حضرت داتا صاحب کے مزار پر مراقبہ کرتا ہوں۔ داتا صاحب کے وسیلے سے میری مشکل اکثر حل ہو جاتی ہے۔

حضرت داتا صاحب کو بھی جب کوئی مشکل پیش آتی تھی تو وہ بھی یہی عمل کرتے تھے۔ کشف المحجوب میں ملامت کے باب میں لکھتے ہیں "ایک مشکل میں حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جا بیٹھا اور میری وہ

مشکل حل ہوگئی" مرکزی مجلس رضا کے اغراض و مقاصد کو پورا کرنے میں زیادہ تر تعاون و معاونت حضرت داتا گنج بخش کے عقیدت مندوں کی جانب سے جاری ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ مجھ ناچیز پر حضرت داتا صاحب کا یہ خصوصی فیض ہے کہ مجھے بن مانگے وہ کچھ مل رہا ہے جس سے مرکزی مجلس رضا کی جملہ ضرورتیں پوری ہو رہی ہیں"۔

○ جنرل ضیاء الحق کے دور میں پنجاب کے گورنر غلام جیلانی خاں نے پنجاب کے معروف بزرگان دین کے احوال و آثار پر علمی و تحقیقی کام کرنے کے لیے ایک ادارہ "مرکز معارف اولیاء" کے قیام کا حکم جاری کیا۔ محکمہ اوقاف نے یہ مرکز دربار شریف حضرت داتا گنج بخش پر قائم کیا اور اس ادارہ کا ڈائریکٹر ایک ایسے شخص کو مقرر کیا جس کی تصوف دشمنی اور صوفیا و مشائخ سے کھلے تعصب کے ٹھوس شواہد موجود تھے۔ اس شخص نے ۱۹۷۶ء میں شعبہ مطبوعات علماء اکیڈمی محکمہ اوقاف پنجاب، شاہی مسجد لاہور سے بطور مرتب اور ناشر ایک ایسی کتاب کو شائع کیا جس سے اس کی ذہنی و قلبی حالت واضح ہو جاتی ہے۔ اس کتاب کا ایک اقتباس پیش خدمت ہے:

"مسلمانوں کی دوسری جماعتوں کی طرح صوفیوں کے یہاں بھی تحقیق کا دروازہ بند ہوگیا تھا۔ غیر اسلامی عقائد بعینہٖ اسلاف سے اخلاف میں منقول ہوتے رہے اور کسی صوفی یا سجادہ نشین یا شیخ طریقت نے ان عقائد و افکار و تعلیمات پر تحقیقی نظر نہیں ڈالی۔ اگر کوئی بات صریحاً خلاف عقل نظر بھی آئی تو اس کی تاویل کرلی۔ کیونکہ اسلاف کی غلطی کو غلطی کہنا تمام صوفیوں میں سوء ادب سمجھا جاتا تھا۔ نتیجتاً" تمام شیوخ سلاسل "معصوم عن الخطا" ہوگئے اور دیگر فنون کی طرح تصوف میں بھی اندھی تقلید کا بازار گرم ہوگیا۔

صوفیاء کرام محض صوفی تھے، محدث نہیں تھے یعنی فن روایت و

درایت' جرح و تعدیل سے ناآشنا تھے۔ وہ بقول شخصے (گناہ بر گردن راوی) مردوں کو زندہ تو کر سکتے تھے مگر جھوٹی اور سچی احادیث میں تمیز نہیں کر سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ ہجویری (حضرت داتا گنج بخش) جیسے بزرگ کی تصنیف میں موضوع احادیث پائی جاتی ہیں اور یہ لوگ تو خیر محض صوفی تھے۔ حجتہ الاسلام امام غزالی کی "احیاء العلوم" میں کئی موضوع ناقابل اعتماد اور کئی ضعیف روایات' احادیث نبوی کے نام سے مندرج ہیں" (تاریخ تصوف ص ۵۰۷-۵۰۸)

واضح رہے کہ محکمہ اوقاف پنجاب اور علماء اکیڈمی کا وجود حضور داتا گنج بخش کے مزار شریف کی آمدن سے قائم ہے۔ کتنی ستم ظریفی ہے کہ مزار داتا صاحب کے مالی وسائل سے ایسی بغض سے بھرپور زہر آلود کتابیں چھاپی جائیں اور ایسے لوگوں کو ملازمت کے نام سے پالا جائے جو صوفیاء کرام پر تعصب کی بنا پر تہمتیں لگاتے ہوں اور جملہ شیوخ طریقت اور خصوصاً حضرت سید علی ہجویری داتا گنج بخش کا نام لے کر ان کو علم و تحقیق سے عاری محض رسمی صوفی کہتے اور لکھتے ہوں۔

مختصر یہ کہ ۱۹۷۶ء سے ۱۹۸۰ء کے دوران جب سنی علماء و مشائخ کی جانب سے اس کتاب کے خلاف کوئی احتجاج نہ ہوا یا عدم مطالعے کے سبب اس سے بے خبر رہے تو اس شخص نے "مرکز معارف اولیاء" کے نام سے حضرت داتا گنج بخش کے دربار میں بیٹھ کر اپنے مذموم مقاصد کو پورا کرنے کا منصوبہ بنایا اور جملہ ریسرچ سکالرز اور دیگر عملہ جو اس کے منظور نظر افراد پر مشتمل تھا' کو خلاف ضابطہ اور دھاندلی کے ذریعے بھرتی کر لیا گیا۔ گویا تصوف اور صوفیاء کے خلاف اہل سنت و جماعت کی غالب اکثریت کے اذہان میں شہد کے نام سے زہر ٹپکانے کا بندوبست کر لیا گیا۔ بفضل تعالیٰ راقم نے اس

سازش کو طشت از بام کیا اور اپنے حلقہ احباب جس میں حکیم محمد موسیٰ صاحب مرحوم اور علامہ محمود احمد رضوی صاحب مرحوم سید محمد فاروق القادری صاحب، علامہ اقبال احمد فاروقی صاحب اور سید ارشاد احمد عارف صاحب سرفہرست تھے۔ ہم سب کی کاوشوں اور مسلسل جدوجہد نے "مرکز معارف اولیاء" کو غلاظتوں سے پاک کیا اور ایک سنی بریلوی مسلک کے افسر اوقاف حاجی محمد ارشد صاحب قریشی کو مرکز معارف اولیاء کا ڈائریکٹر مقرر کیا گیا جو کہ راقم کے حلقہ احباب میں سے تھے۔

ایک روز ڈائریکٹر "مرکز معارف اولیاء" راقم کے پاس آئے اور بتایا کہ حضور داتا صاحب پر ایک مستند و جامع تذکرہ شائع کرنا مطلوب ہے۔ باہم مشورہ کے بعد طے پایا کہ اس کام کے لیے اہل ترین شخص حکیم محمد موسیٰ ہی ہیں اور ڈائریکٹر صاحب نے اگلے دن ۵۵۔ ریلوے روڈ مطب پر حکیم صاحب سے ملاقات کی اور مدعا بیان کیا۔ خلاف توقع حکیم صاحب نے کام کرنے سے معذرت کر لی۔ اس پر ڈائرکٹر صاحب راقم کو سفارشی بنا کر حکیم صاحب کے پاس لے گئے۔ راقم نے حکیم صاحب کی خدمت میں بھرپور سفارش کی اور پرزور اصرار کیا۔ لیکن حکیم صاحب نے خاموشی اختیار کیے رکھی اور جواب کے لیے کچھ وقت مانگا۔ اگلے ہی دن جب حکیم صاحب سے راقم کی ملاقات ہوئی تو آپ نے متبسم لہجہ میں بتایا کہ "میاں صاحب! گزشتہ روز آپ کی شدید خواہش و اصرار کے پیش نظر بندہ آپ کو انکار نہ کر سکا اور خاموش رہا۔ بات دراصل یہ ہے کہ میں کسی سرکاری ادارے کے لیے کام کرنا پسند نہیں کرتا۔ اگرچہ ڈائریکٹر صاحب مجھے بہت سی ترغیبات کے علاوہ یک صد روپیہ فی صفحہ اجرت دینے کی پیش کش بھی کر چکے ہیں لیکن میں نے کبھی تحقیق و تحریر کا کام کسی اجرت اور شہرت کے لیے یا بطور کاروبار نہیں کیا بلکہ ہمیشہ

جذبہ خدمت کے تحت بلامعاوضہ فی سبیل اللہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ نجدی فکر و نظر کو بے اثر کرنے کے لیے جو ذمہ داری .فیضان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر ہے اس میں میری ہمہ وقت مصروفیات مجھے اجازت نہیں دیتیں کہ میں مزید کوئی اہم ذمہ داری قبول کروں۔ اگرچہ حضرت داتا صاحب پر تذکرہ لکھنا میرے لیے شرف و سعادت سے کم نہیں۔ اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ میں کیا جواب دوں۔ اس پر راقم نے حکیم صاحب کے خیال کو سراہا اور بعد ازاں ڈائریکٹر صاحب کو حکیم صاحب کی طرف سے معذرت کی اطلاع کر دی۔

○ حکیم صاحب مرحوم کا حضرت داتا گنج بخش پر پہلا مضمون ۱۹۶۴ء میں نقوش (آپ بیتی نمبر) میں حضرت مخدوم علی ہجویری کے عنوان سے شائع ہوا اور پھر حضرت داتا صاحب پر آپ کی تحقیق کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا۔ ۱۹۷۳ء میں ابوالحسنات سید محمد احمد قادری صاحب مرحوم کے اردو ترجمہ کشف المحجوب کے ساتھ حکیم صاحب کی مستند تحقیق ایک جامع اور مبسوط دیباچہ کی صورت میں ایک اشاعتی ادارہ المعارف لاہور نے شائع کیا۔ حکیم صاحب کی اس کاوش کی علم و ادب تحقیق و تدقیق اور تصوف کے حلقوں میں بہت پذیرائی ہوئی۔ آج بھی زمانہ آپ کی تحقیق کو سند مانتا ہے۔ آپ کی علمی کاوشوں کا آغاز ۱۹۵۷ء میں ہوا اور پھر دم آخر تک آپ کے سینکڑوں مقالات و مضامین، پیش لفظ، تقاریظ، آراء اور تبصرے شائع ہوئے۔ آپ کی تالیفات کی تعداد پانچ ہے۔

○ حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کی درگاہ کی توسیع کے سلسلہ میں "دربار کمپلیکس" کی تکمیل ۱۹۹۹ء کی تقریبات میں محکمہ اوقاف پنجاب کی جانب سے مختلف افراد کو دربار شریف کی خدمت کے اعتراف میں انعام و

اکرام، سندات اور تمغے دینے کا فیصلہ کیا گیا اور اس سلسلہ میں حکیم صاحب مرحوم کو بھی ان کے داتا صاحب پر اعلیٰ تحقیقی کام کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو بھی ان افراد کی فہرست میں شامل کر لیا گیا۔ لیکن جب اس وقت کے وزیر اوقاف کی جانب سے دو افراد پر مشتمل وفد نے حکیم صاحب کے مطب پر ان کو وزیر اوقاف کی عنایات کا پیغام پہنچایا تو حکیم صاحب نے انتہائی روکھے انداز میں تمغہ کے حصول اور حکومتی سرپرستی میں منعقد تقریبات میں شرکت کرنے سے انکار کر دیا۔ اس لیے کہ آپ سرکار اور سرکاری کاموں سے دور رہنے میں ہی عافیت جانتے تھے اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ نااہل صاحبان اقتدار اور حکام سے میل جول اور ان کی پرفریب عطاؤں سے دل پر سیاہ دھبہ لگنے کا خدشہ ہوتا ہے۔

○ اسی طرح کا ایک واقعہ اس سے پہلے بھی ہو گزرا تھا کہ مرحوم سید ریاست علی قادری صدر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی نے حکیم صاحب کو ان کی سینوں کے لیے علمی، دینی و ملی خدمات مرکزی مجلس رضا اور یوم رضا کے حوالے سے اعلیٰ خدمات کے اعتراف میں طلائی تمغہ دینے کا اعلان کیا۔ حکیم صاحب نے اسے قبول کرنے کا عندیہ بھی دیا۔ اس سلسلہ میں تقریب کا اشتہار جب مشتہر کیا گیا تو اس تقریب میں اس وقت کے وزیر اعلیٰ پنجاب کو صدر محفل بنایا گیا۔ اس پر حکیم صاحب نے اس تقریب کا بائیکاٹ کیا۔ حکیم صاحب مرحوم کی غیر حاضری میں علامہ اقبال احمد فاروقی صاحب نگران مرکزی مجلس رضا نے حکیم صاحب کی تقریب میں غیر موجودگی کی وجہ سے لاعلمی کے سبب حکیم صاحب کے لیے وزیر اعلیٰ کے ہاتھوں تمغہ وصول کر لیا۔ بعد ازاں حکیم صاحب نے فاروقی صاحب کو بتایا کہ ”میں نے تقریب کا بائیکاٹ اور تمغہ اس لیے مسترد کیا ہے کہ جس محفل میں حاکم شہر موجود

ہوں وہاں موسیٰ نہیں جاتا اور ان کے ہاتھ سے تمغہ لینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے فی الفور اس تمغہ کو واپس بھیج دیں۔ اس پر فاروقی صاحب نے یہ تمغہ مولانا سید ریاست علی قادری صاحب کو لوٹا دیا۔

○ حضرت داتا گنج بخش کے مزار کے تقدس و احترام کے پیش نظر مزار شریف کے گرد ایک چبوترہ بنایا گیا اور پھر چبوترے کو ہشت پہلو شکل دے کر عمارت تعمیر کی گئی۔ ہر پہلو کو پہلے چوبی جالیوں سے آراستہ کیا گیا۔ ماضی قریب میں چوبی جالیوں کی جگہ سنگ مرمر کی جالیاں نصب کر دی گئیں۔ جہاں جہاں ضرورت تھی مزار شریف کی زیارت کے لیے چوکھٹیں بنا دی گئیں۔ محکمہ اوقاف کی تحویل سے قبل گنبد کے اندر داخل ہونے کی سعادت اہل ترین مخصوص افراد کو ہی ملتی تھی۔ ۱۹۶۰ء میں محکمہ اوقاف کے نام سے بزرگان دین کے مزارات اور مساجد کو جب اصلاح و فلاح کے بہانے ہوس اقتدار کے ماروں نے فتح کر لیا تو ان مقدس مقامات پر ہر وہ بد عنوانی اور بے حرمتی کا ارتکاب ہونے لگا جو کہ سرکاری محکموں کے اہلکار عام طور پر روا رکھتے ہیں۔ حکیم صاحب مرحوم مزارات اولیاء اور مساجد پر سرکاری قبضے و غلبے کو بے جا مداخلت قرار دیتے تھے۔ حکیم صاحب نے کئی بار راقم سے اس دکھ کا اظہار فرمایا کہ حضرت داتا صاحب کے مزار پر گنبد کے اندرونی حصہ میں جہاں صدیوں سے پاکیزہ، پرہیزگار اور عبادت گزار اہل اور خصوصی افراد کو ہی داخل ہونے کی سعادت نصیب ہوتی تھی۔ اب حکام اور ان کے سیاسی حاشیہ بردار ایسے ایسے افراد جس میں بچے اور بعض اوقات عورتوں کو بھی گنبد کے اندر داخل کر دیا جاتا ہے جو طہارت و پرہیزگاری سے عاری، احترام و تقدس سے ناآشنا اور بے حیائی کے حلیوں اور ملبوسات میں ملبوس ہوتے ہیں۔ یہ صریحاً مزار شریف کی بے حرمتی ہے۔ اس کا تدارک ہونا چاہیے۔ اکثر اس

بے حرمتی و تقدس کی پائمالی کی طرف راقم کی توجہ دلاتے۔ اس بے حرمتی کو روکنے کے لیے راقم نے کئی بار کلام و قلم سے محکمہ اوقاف کے ارباب اختیار کی توجہ مبذول کرائی لیکن محکمانہ مجبوریاں اور ہم خیال افسروں کی بے حسی اور بزدلی ہمیشہ آڑے آتی رہیں اور یہ بے حرمتی ابھی تک جاری ہے۔

۱۹۹۲ء میں راقم اور پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب نے باہم رفاقت میں عمرہ سے حج کی ادائیگی تک کا وقت ایک ماہ مسجد نبوی اور روضۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بہاروں میں گزارا اور دو ماہ خانہ خدا کے نظاروں میں گزارے۔ اس دوران کا آنکھوں دیکھا حال راقم نے گوش گزار کیا کہ وہاں کی حکومت نے خانہ خدا کا در ایسے ایسے لوگوں پر کھول دیا جو اس کے قطعاً اہل نہ تھے۔ مسلم ممالک کے صاحبان اقتدار اور ان کے حاشیہ برداروں' وزیروں' مشیروں اور امیروں کو اللہ کے اس عظیم گھر میں داخل کیا جاتا رہا جن کے بارے میں دنیا جانتی ہے کہ وہ شراب خوری' زناکاری اور قماربازی کے عادی ہیں۔ چونکہ حکومتی بالادست طبقہ سے ان کا تعلق ہوتا ہے اس لیے سعودی عرب کے مطلق العنان بادشاہ جو خود کو خادم حرمین شریفین کہلواتے ہیں' ایسے فاسق' فاجر افراد کو بھی پورے اعزاز کے ساتھ بیت اللہ شریف میں داخل کر دیتے ہیں جو خانہ خدا کی تعظیم و تکریم' احترام و تقدس کے پیش نظر اس کے قطعاً اہل نہیں ہوتے۔

پاکستان میں محکمہ اوقاف کے ملازمین اور صاحبان اختیار کی کیا اوقات کہ کسی صاحب اقتدار اور اس کے خوشامدیوں کو ایک صوفی کامل حضرت داتا گنج بخش کے ابدی گھر مزار شریف کے تقدس و احترام کے پیش نظر گنبد کے اندر داخل ہونے سے روک سکیں۔ حکیم صاحب راقم کی بیان کردہ صورت حال سے گہری سوچ میں گم ہوگئے اور راقم کو یوں لگا جیسے حکیم

صاحب کے دکھ میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔ کچھ توقف کے بعد حکیم صاحب دکھ بھرے لہجے میں گویا ہوئے "میاں صاحب آپ ہر بے حرمتی کے خلاف کوششیں جاری رکھیں"۔

اس مضمون کی وساطت سے راقم ہر اہل درد اور اہل اقتدار سے جملہ عقیدت مندان گنج بخش کی جانب سے درخواست کرتا ہے کہ مزارات اولیاء کے احترام و تقدس پر خصوصی توجہ دی جائے۔ خصوصاً حضرت داتا صاحب کے مزار کے گنبد میں حکومتی اور سیاسی افراد کا موقع بہ موقع داخل ہونے کی رسم جو چل نکلی ہے' اسے فی الفور ختم کیا جائے اور عرس و غسل مبارک کی تقریبات کی ادائیگی کا شرف کا اعزاز صاحب مزار کے کسی بھی سچے عقیدت مند' خوب سیرت اور صاحب طریقت افراد کو بخشا جائے نہ کہ صاحبان اقتدار' ان کے وزیروں مشیروں کو ہی جو آئے دن اپنا رنگ ڈھنگ بدلتے رہتے ہیں اس کا اہل ٹھہرایا جائے۔ اس سے صاحب مزار راضی ہوتے ہیں اور نہ عقیدت مند۔

○ حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا والدہ ماجدہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مزار مبارک واقع ابواء شریف نجدی فکر و نظر کی حامل موجودہ سعودی حکومت نے قبر دشمنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جب شہید کر دیا تو حکیم صاحب کو سخت صدمہ ہوا۔ آپ نے اس واقعہ کی مذمت کی اور احتجاج کیا۔ ایک کتابچہ حضرت آمنہ مطبوعہ اوورسیز ہاؤسنگ سوسائٹی بلاک نمبر ۲ شہید ملت روڈ کراچی نے شائع کیا جس میں آپ کا مضمون شامل اشاعت ہے۔ اس مضمون سے ایک اقتباس پیش خدمت ہے۔

"ضرورت اس امر کی ہے کہ متحد ہو کر منظم طریقے سے احتجاج کیا جائے۔ وہابیوں نے قبر دشمنی کا سبق غالباً کفار ہند سے لیا ہے۔ تاریخ اس

بات کی گواہ ہے کہ مسلمانوں کے اکابرین کی قبروں کی بے حرمتی ہندوؤں نے کی یا اس کے بعد وہابیوں نے' احقر کو کراچی کے ایک خارجی نے ایک بڑے اہل حدیث عالم کے حوالے سے یہ بات کہی تھی "جب تک مزارات پر بلڈوزر نہیں پھرتے توحید کا جھنڈا سربلند نہیں ہو سکتا" اللہ تعالیٰ ان ضالین کے فتنے اور شر سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ ہم اس روح فرسا و اندوہناک سانحہ کی شدید مذمت کرتے ہیں۔ (۱۵ مارچ ۱۹۹۶ء)

○ مسلک اہل سنت و جماعت کی ترویج و اشاعت کے لیے آپ کی انفرادی خدمات اداروں' تنظیموں اور جماعتوں کی خدمات پر بھاری ہیں۔ سنی کانفرنس ملتان ۱۹۷۸ء میں آپ نہ صرف خود شریک ہوئے بلکہ دامے' درمے' سخنے' قدمے ہر قسم کی امداد و تعاون بھی کیا۔ آپ نے ریل کا ایک ڈبہ لاہور سے ملتان کے لیے بک کیا جس میں احباب کی خاصی تعداد کو لے کر ملتان شریف پہنچے۔ راقم بھی آپ کے ہمراہ "سنی کانفرنس ملتان" میں شریک ہوا۔ سنی کانفرنس ملتان پاکستان کی تاریخ میں سینوں کا ایک ایسا اجتماع تھا جس کی مثال اب تک دیکھنے میں نہیں آئی۔ انسانوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا جسے قاسم باغ قلعہ کہنہ کا میدان بھی اپنی وسعت کے باوجود سمیٹ نہ سکا۔ حکیم صاحب کی تحریک پر پاکستان سنی رائٹرز گلڈ کے قیام کی قرارداد منظور کی گئی اور آپ ہی کی سرپرستی اور راجہ رشید محمود صاحب کی محنتوں سے اس کا وجود ۵۵ ریلوے روڈ پر قائم ہوا۔ پاکستان سنی رائٹرز گلڈ کے پہلے صدر مولانا عبدالحکیم شرف قادری صاحب اور جنرل سیکرٹری راجہ رشید محمود صاحب منتخب ہوئے اور بہت کام کیا۔ جب مولوی اور غیر مولوی کی سوچ و فکر اور طور طریقہ میں ٹکراؤ انتہا کو پہنچا تو نتیجہ میں دونوں حضرات اپنے عہدوں سے مستعفی ہوگئے۔ حکیم صاحب قبلہ نے سرپرست کی حیثیت سے نئے انتخابات

کا اعلان فرمایا اور اسی غرض سے دارالعلوم حزب الاحناف میں ۱۹۸۲ء کو گلڈ کے اراکین کا اجتماع ہوا جس میں حکیم صاحب نے راقم کا نام پاکستان سنی رائٹرز گلڈ کی صدارت اور پروفیسر غلام سرور رانا صاحب کا نام جنرل سیکرٹری اور حاجی منیر قریشی صاحب کا نام خازن کے لیے پیش کیا۔ جملہ حاضرین نے متفقہ طور پر آپ کی تائید کی اور راقم پاکستان سنی رائٹرز گلڈ کے صدر کی حیثیت سے دو سال تک اپنی استطاعت کے مطابق خدمت بجا لاتا رہا جس کی تفصیلات کا یہ مضمون متحمل نہیں ہو سکتا۔ لیکن اتنا کہہ دینا ضروری خیال کرتا ہوں کہ جب حکیم صاحب نے دیکھا کہ پاکستان سنی رائٹرز گلڈ کے چند ایک معزز اور معروف اراکین نے جب سنی رائٹرز گلڈ کے اغراض و مقاصد اور حلف نامہ کو پس پشت ڈال کر واضح خلاف ورزیوں کا ارتکاب کرنا شروع کر دیا اور جواب طلبی پر جو رویہ اختیار کیا' اس کے پیش نظر آپس کی محاذ آرائی کی بجائے حکیم صاحب نے گلڈ پر سے سرپرستی کا ہاتھ اٹھا لیا۔ اس کے بعد چند علماء نے اس کو دوبارہ زندہ کرنے کے لیے خالد حبیب الٰہی صاحب ایڈووکیٹ کو صدر اور علامہ عالم فقری صاحب کو جنرل سیکرٹری نامزد کیا۔ حکیم صاحب کی عدم سرپرستی کے بعد سنی رائٹرز گلڈ کو کوئی دوسری مخلص سرپرستی میسر نہ آ سکی جو کہ حکیم صاحب کا متبادل ہوتی۔ لہٰذا افسوس پھر یہ مردہ زندہ نہ ہو سکا۔

○ ۱۹۶۳ء سے مجلس رضا کے روح رواں حکیم محمد موسیٰ مرحوم تھے۔ ۱۹۹۱ء میں حکیم صاحب کی سرپرستی میں ماہنامہ "جہان رضا" کا اجرا ہوا اور اول روز سے ہی پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی صاحب اپنی علمی، قلمی اور مالی توانائیوں سے ماہنامہ "جہان رضا" کو آباد رکھے ہوئے ہیں۔ ماہنامہ جہان رضا میں وہ سب کچھ ہوتا ہے جس کا ایک علمی ذوق رکھنے والے قاری کو انتظار

ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جہان رضا کو ہمیشہ آباد و شاد رکھے اور ہم سب کو اس کی تن، من، دھن سے زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

○ علم و تحقیق میں سرگرداں دنیا کے کونے کونے سے علم و تحقیق کے پیاسے، محقق عصر جناب حکیم محمد موسیٰ مرحوم سے مستفید و مستفیض ہونے کے لیے بے قرار آتے اور فیض یاب ہو کر مطمئن لوٹ جاتے۔ انہی میں سے ایک امریکی ریسرچ سکالر آرتھر فرینک ہیولر نے ۱۹۹۳ء میں ہارورڈ یونیورسٹی میں پی۔ ایچ ڈی کا ایک مقالہ "پنجاب میں نقشبندی اتھارٹی ۱۷۴۷ء-۱۸۵۷ء" پیش کیا جس کے ابتدائیہ میں حکیم محمد موسیٰ کو خراج تحسین پیش کیا گیا۔

"تصوف سے متعلق کون کون سی کتب لکھی گئی ہیں اور کہاں کہاں موجود ہیں، پاکستان میں میری اس تحقیقی مشکلات کا حل ایک ہستی حکیم محمد موسیٰ کے پاس تھا جو درحقیقت کتابیات سے متعلق معلومات کا خزینہ ہیں۔ حکیم صاحب نے اس تحقیق میں میری سب سے زیادہ رہنمائی فرمائی۔ لوگوں کی اکثریت حکیم صاحب کو ایک صوفی طبیب کے طور پر جانتی مانتی ہے۔ ہفتہ میں ایک بار میں حکیم صاحب کے پاس جاتا ہوں۔ فاضل سکالرز، مصنفین اور مریضوں بھرے ہوئے مطب میں حکیم صاحب اپنی کرسی پر بیٹھے صدر محفل نظر آتے ہیں۔ علمی گفتگو اور مریضوں کے لیے نسخہ جات لکھنے کا عمل برابر جاری رکھتے ہوئے مجھے شہر لاہور کے اردگرد کتب کے حصول کے لیے دس مقامات کی نشاندہی کر دیتے۔ جب میں یہ کام مکمل کر کے ان کو رپورٹ دیتا تو ایسا ہی ایک اور کام مجھے سونپ دیتے...... حکیم صاحب کی مہربانی سے تلاش و جستجو میں ایسے ایسے مقامات پر پہنچا جہاں دوسری صورت میں نہ جاتا۔ جیسے قرآنی مدارس، مساجد اور یہاں تک کہ کپڑے کی دکان پر بھی...... اسی طرح

میں پاکستانی تہذیب اور مذہب کے متعلق بہت کچھ جان گیا۔ آپ نہ صرف جسمانی مریضوں کو شفابخش ادویات فراہم کرتے بلکہ علم و تحقیق کے حصول کے لیے بھی مجرب نسخے تجویز فرماتے جس سے دائمی صحت یابی ہو جاتی"۔

○ سید محمد فاروق القادری ایم۔ اے گولڈ میڈلسٹ پنجاب یونیورسٹی ایک معروف سکالر ہیں۔ کئی علمی و دینی کتابوں کے مصنف اور مترجم ہیں۔ اپنی ایک تصنیف "فاضل بریلوی اور امور بدعت" کے پیش لفظ میں حکیم صاحب کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"برصغیر کے مسلمانوں میں اعتقادی و عملی لحاظ سے جو گمراہی اور خامی پائی جاتی ہے، اس کے ذمہ دار فاضل بریلوی ہیں"۔ یہ بات دیوبندی طفل مکتب سے لے کر ذمہ دار اور نامور علمائے دیوبند کی زبان پر تھی۔ بچپن میں ذہن ہر چیز کا اثر قبول کر لیتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ مجھے کئی برس تک فاضل بریلوی کی کتابیں پڑھنے یا ان کے بارے میں کچھ جاننے کا خیال نہ آیا بلکہ اغیار کے اسی پراپیگنڈے کی وجہ سے طبیعت میں ان کے نام سے ایک قسم کی اجنبیت اور بیگانگی رہی۔ یہاں تک کہ مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد میں اعلیٰ تعلیم کی خاطر پنجاب یونیورسٹی میں ایم۔ اے کی کلاس میں باقاعدہ طالب علم کی حیثیت سے شامل ہوا...... یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران مجھے جدید دنیا کے علماء اور سکالرز سے ملنے اور وسیع کتب خانے دیکھنے کا موقع ملا۔ اسی دوران حکیم صاحب ایسی جامع الصفات شخصیت کی رفاقت بھی میسر آگئی...... حکیم صاحب نے مجھے مشورہ دیا کہ میں ایم۔ اے میں اپنا مقالہ "مکاتب دیوبند و بریلی کے اختلاف" کے موضوع پر لکھوں۔ چنانچہ میں نے اسی عنوان پر اپنا تحقیقی مقالہ لکھا......

اس تحقیقاتی مقالے کے دوران مجھے فاضل بریلوی اور ان کے مخالفین کو تفصیل سے پڑھنے کا موقع ملا۔ برصغیر کی اس مظلوم اور کشتہ تاریخ، عبقری شخصیت، فاضل بریلوی کو جونہی میں نے خود ان کی سینکڑوں تصانیف

کی روشنی میں پڑھنا شروع کیا' مجھے فاضل بریلوی کے خلاف شرک و بدعت کے الزامات بے سروپا افسانے معلوم ہوئے اور یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آگئی کہ فاضل بریلوی اپنے علمی قد و قامت میں اپنے تمام معاصرین اور مخالفین سے کہیں بلند و بالا ہیں۔ وہ علم کا ایک ایسا سمندر ہیں جس کا کوئی کنارہ نہیں۔ مسائل کی جو تحقیق و تدقیق اور باریک بینی اور لطافت ہمیں ان کے ہاں ملتی ہے' وہ دور دور تک نہیں نظر آتی۔ مختلف اور متنوع علوم و فنون میں حیرت انگیز ماہرانہ صلاحیت جس طرح ان کی ذات میں جمع ہوگئی تھی وہ محض فضل ایزدی ہے...... فاضل بریلوی ہر علم میں تجدیدی مقام و مرتبہ رکھتے ہیں......

فاضل بریلوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے متعلق جن عبارات پر گرفت کی تھی وہ اس قدر صحیح' جائز اور درست تھی کہ اس کا جواب آج تک ہوسکا نہ ہوسکتا ہے...... فاضل بریلوی کا مسلک کتاب و سنت پر مبنی اور دلائل شریعہ کی روشنی میں بالکل بے غبار ہے۔ وہ ایک سچے عاشق رسول' متبع سنت' بالغ نظر عالم دین اور نامور فقیہ تھے"۔

پیارے دوست گوہر سادات سید محمد فاروق قادری صاحب کو اللہ

وفات تک قائم رہا۔

○ حکیم صاحب مرحوم بیک وقت غنی بھی تھے اور فقیر بھی۔ آپ ظاہری اور پوشیدہ طور پر علمی، تحقیقی، مالی اور اخلاقی امداد و تعاون ضرورت مندوں کو بہم پہنچاتے تھے۔ حکیم صاحب ضرورت مندوں کے لیے تو غنی تھے لیکن اپنی ذات کے حوالے سے فقیر تھے۔ تمام زندگی رزق حلال کمایا اور حلال طریقہ سے خرچ کیا۔ اپنی ذات پر کسی کا خرچ برداشت نہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اپنے کفن دفن کی ضروریات اور قبر تک اپنی زندگی میں ہی تیار کروا چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ابدی گھر میں اپنی خصوصی رحمتوں کا نزول فرمائے۔ اور ہم سب کو آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ابوالعاصم میاں محمد سلیم حماد سجادہ نشین درگاہ حضرت داتا گنج بخش لاہور

۶/ اکتوبر ۱۹۴۴ء کو زیر سایہ دربار گوہر بار حضرت داتا گنج بخش لاہور پیدا ہوئے۔ والد گرامی الحاج میاں احمد دین رحمۃ اللہ علیہ درگاہ حضرت داتا گنج بخش کے سجادہ نشین تھے۔ دینی تعلیم جامعہ گنج بخش لاہور اور پنجاب یونیورسٹی لاہور سے گریجوایشن کی۔ آپ نے حضرت داتا گنج بخش کی درگاہ کی روحانی محافل اور صوفیانہ ماحول میں تربیت پائی اور روحانی اقدار کو اپنایا۔ آپ کی زندگی کا اکثر عرصہ اہل علم اور اہل عرفان کی مجالس میں گزرا۔ ایسے حضرات کی مجالس سے آپ نے بہت فائدہ اٹھایا۔ روحانی تشنگی اور ذوق علمی کے پیش نظر حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی مجالس میں آنے جانے لگے اور حکیم صاحب کے اشاعتی اور علمی امور سے وابستہ ہو کر بڑا کام کیا۔ مرکزی مجلس رضا کے مختلف امور کو سرانجام دیا۔ حضرت داتا گنج بخش کے بارے میں آپ کی چند تصانیف طبع ہو چکی ہیں اور اس موضوع پر وسیع پیمانے پر تحقیقاتی کام کر رہے ہیں۔ حکیم صاحب کی مجلس رضا کی روحانی تحریریں اکثر آپ کے تعاون سے سامنے آئیں۔ جب حکیم صاحب نے ایک ہزار سنی اہل قلم کی رائٹرز گلڈ بنائی تو آپ اس کے صدر مقرر ہوئے۔ حکیم صاحب نے تادمِ رحلت آپ کو اعزاز اور احترام کی نظروں میں جگہ دی۔

پتا: صاحبزادہ محمد سلیم حماد، سجادہ نشین داتا گنج بخش، ۱۳۔ داتا بازار، لاہور

حضرت حکیم اہلِ سنت

ماہنامہ 'جہانِ رضا' کے دریچوں سے

محققانہ ریاضت کے خاموش سکالر جناب جلال الدین احمد ڈیروی ''جہان رضا'' کے صفحات کے جھروکوں سے رضویت کی روشنیاں کشید کر کے حکیم صاحب کی عظمت کو ہدیہ تحسین پیش کرتے ہیں۔

حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمتہ اللہ علیہ قدیم وضع کے سادہ مگر پروقار انسان تھے' ظاہری نمود و نمائش سے پرہیز کرتے تھے' ٹھیٹ پنجابی زبان میں گفتگو فرماتے تھے' ان کے دروازے پر کوئی دربان نہیں ہوتا تھا' ہر شخص کو کسی وقت بھی ان سے ملاقات کرنے کی عام اجازت تھی۔ ہر ایک سے اس کی ذہنی صلاحیت کے مطابق بات چیت کرتے اور پہلی ہی ملاقات میں وہ انسان کا دل موہ لیتے تھے۔ وہ لوگوں کی مشکلات حل کرنے کے لئے ہمہ وقت کمربستہ رہتے تھے' وہ انسان شناس تھے' پہلی نظر میں آنے والے شخص کی خوبیوں اور خامیوں کا ادراک کر کے اس کی صحیح رہنمائی کرتے تھے۔ انہیں انسان کی پوشیدہ صلاحیتوں کو ابھارنے کے فن پر پورا عبور حاصل تھا۔ ان کی نظر جیب پر نہیں بلکہ ہر فرد کے دل و دماغ پر جمی رہتی تھی۔ انہوں نے کبھی اپنا بینک بیلنس بڑھانے کے متعلق نہیں سوچا بلکہ جو کچھ کمایا وہ انسانوں کو صحیح انسان بنانے پر خرچ کیا۔ وہ علم دوست انسان تھے اور علم سے پیار کرنے والوں سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ انہوں نے پڑھے لکھے لوگوں کو قلم کی قوت سے آگاہ کیا اور ان میں لکھنے کی عادت پیدا کی۔ انہیں اللہ

تعالیٰ نے دین اسلام کا صحیح فہم عطا فرمایا تھا اور وہ عمر بھر دوسروں کو دامن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں پناہ لینے کی تلقین کرتے رہے۔

مصور پاکستان حضرت علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی نور اللہ مرقدہ کے متعلق فرمایا تھا کہ "مولانا ایک دفعہ جو رائے قائم کر لیتے تھے، اس پر مضبوطی سے قائم رہتے تھے۔"

(یٰسین اختر مصباحی، مولانا: امام احمد رضا اور ردبدعات و منکرات، المجمع الاسلامی مبارکپور ۱۹۸۵ء ص ۳۶)

بالکل اسی طرح حضرت حکیم اہل سنت رحمتہ اللہ علیہ نے یہ رائے قائم کرلی تھی کہ اسلام کی جو تعبیر فاضل بریلوی قدس سرہ نے فرمائی ہے وہی صحیح ہے۔ وہ عمر بھر نہ صرف خود مسلک اعلیٰ حضرت پر عمل پیرا رہے بلکہ ان کی یہ شدید خواہش تھی کہ تمام مسلمان اسی چشمہ فیض سے مستفید ہوں۔ انہوں نے اپنی زندگی بھر کی کمائی اس مقصد کو حاصل کرنے پر خرچ کی اور اپنے زیر اثر لوگوں کو بھی اسی مبارک کام پر لگایا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ بعض ساتھیوں نے ان سے بے وفائی کی۔ ان کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی لیکن انہوں نے ہمت نہیں ہاری اور ایک نئے عزم کے ساتھ اپنے مشن کو جاری رکھا۔ ہمارا موضوع سخن ان کے سفر کا یہی نیا دور ہے۔

یہ ۱۹۶۸ء کی بات ہے کہ حضرت قبلہ حکیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان قدس سرہ کو متعارف کروانے کی تحریک شروع کی، اس وقت نہ تو فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کی تصانیف دستیاب تھیں اور نہ ہی دیگر سنی علماء و مشائخ کی دینی و ملی خدمات کے متعلق کتب موجود تھیں۔ انہوں نے دنیا بھر میں بکھرے ہوئے مواد کو اکٹھا کیا، جدید طرز

پر لکھنے والے باصلاحیت اہل قلم حضرات کو تلاش کیا، انہیں یہ جمع شدہ مواد مہیا کیا اور لکھنے پر آمادہ کیا۔ پھر اسے چھاپنے کے لئے ۱۹۶۸ء میں "مرکزی مجلس رضا لاہور" کی بنیاد رکھی۔ جذبہ صادق دیکھ کر مخیر حضرات نے مجلس کی دل کھول کر مدد کی اور یہ مفید کام جو بظاہر ناممکن نہیں تو بے حد مشکل ضرور نظر آرہا تھا، نہایت تیز رفتاری کے ساتھ شروع ہوا۔ جس کے باعث روشنی پھیلتی گئی، اس کار خیر کا جہاں اپنوں نے بھرپور خیر مقدم کیا وہاں مخالفین حیرت زدہ اور پریشان دکھائی دینے لگے۔ ایک عرصہ دراز تک یہ فیض جاری رہا لیکن حضرت قبلہ حکیم صاحب کی طویل بیماری کے دوران ایک ناخوشگوار واقعہ رونما ہونے کی وجہ سے "مرکزی مجلس رضا" کے پہلے دور کی شاندار خدمات کا اختتام ہوگیا۔

حضرت حکیم اہل سنت رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے مشن کو جاری رکھتے ہوئے بعض قابل اعتماد ساتھیوں کو مختلف تنظیمیں قائم کرنے کی ہدایت کردی، اس طرح کئی تنظیمیں وجود میں آئیں جنہوں نے دیگر فلاح و بہبود کے امور میں سرگرمی سے حصہ لینے کے علاوہ نشرو اشاعت کے میدان میں بڑا نام پیدا کیا اور بہت مفید لٹریچر قارئین کو پہنچایا۔ اس طرح "مرکزی مجلس رضا لاہور" اگرچہ وقتی طور پر اپنا کام جاری نہ رکھ سکی لیکن اس کی جگہ نئی تنظیموں نے لے لی اور تحریک زور شور سے اپنی منزل کی جانب بڑھ رہی تھی۔ اس دوران بعض دردمند سنی رہنما برابر حضرت حکیم اہل سنت رحمتہ اللہ علیہ پر زور دے رہے تھے کہ وہ "مرکزی مجلس رضا لاہور" سے اپنی علیحدگی کا فیصلہ واپس لے لیں تاکہ اہل سنت کی اس عظیم اشاعتی مجلس میں جان پیدا ہو جائے اور نئی تنظیموں کے شانہ بشانہ یہ مجلس حسب سابق اپنا قابل فخر اور لائق تقلید کردار ادا کرتی رہے۔ بالآخر انہوں نے دوستوں کی

درخواست کو قبول کیا اور کچھ عرصہ تعطل میں رہنے کے بعد "مرکزی مجلس رضا لاہور" نے محترم پیرزادہ اقبال احمد فاروقی کی زیر نگرانی دوبارہ کام کا آغاز کیا۔

اس نئے دور کے آغاز ہی میں "مرکزی مجلس رضا لاہور" نے "جہان رضا" کے نام سے ایک ماہنامہ جاری کرنے کا فیصلہ کیا جس کا پہلا شمارہ مئی ۱۹۹۱ء میں سامنے آیا۔ عام طور پر سنی رسائل بڑی آب و تاب سے منظر عام پر آتے ہیں لیکن اپنوں کی غفلت' بے نیازی اور لاتعلقی کے باعث بہت جلد ہی دم توڑ دیتے ہیں۔ تاہم حضرت حکیم اہل سنت مرحوم کی زیر سرپرستی ماہنامہ "جہان رضا" کے فاضل مدیر جناب پیرزادہ اقبال احمد فاروقی نے شب و روز محنت کر کے اسے اہل سنت و جماعت کا محبوب ترجمان بنا دیا۔ چونکہ اس میں تحقیقی مقالے شائع ہوتے ہیں' غیروں کے علاوہ اپنوں کے غلط اقدامات پر بھی گرفت کی جاتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ چونکہ اس کا بنیادی مقصد مظلوم مفکر اسلام' امام اہل سنت حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی نور اللہ مرقدہ اور ان کے رفقائے کار کی دینی و ملی خدمات سے عالم اسلام بلکہ پوری دنیا کو مثبت انداز میں روشناس کروانا ہے۔ اس لئے ہر پڑھا لکھا شخص اس کا دلچسپی اور سنجیدگی سے مطالعہ کرتا ہے اور اس کی افادیت کا دل سے اقرار کرتا ہے۔ جس کا ثبوت وہ ان گنت خطوط ہیں جو قارئین کی جانب سے اس کے ایڈیٹر کو موصول ہوتے ہیں۔ بطور نمونہ ان خطوط کے چند اقتباسات آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

☆ ماہنامہ "جہان رضا" کا اجرا بھی پرورش لوح و قلم کا بہت اہم ذریعہ ہے' اس کے مسلسل جامع اور تحقیقی مقالات سے دل و دماغ معطر ہوتے رہتے ہیں (مولانا مبارک حسین مصباحی ایڈیٹر ماہنامہ "اشرفیہ" مبارک

پورا اعظم گڑھ انڈیا' ماہنامہ جہان رضا لاہور مارچ ۱۹۹۳ء ص ۲۲)

☆ ماہنامہ "جہان رضا" کے شمارے میرے مطالعہ میں آتے رہے ہیں اگرچہ ماہنامہ چند صفحات پر مشتمل ہوتا ہے۔ (اب صفحات میں اضافہ ہوگیا ہے۔ مرتب غفرلہ) مگر علوم و فنون کا ایک سمندر ہے جو اپنے دامن میں بے پناہ موتی لے کر اہل ذوق تک پہنچتا ہے۔ مقالات بحمداللہ معیاری اور معلومات افزا ہوتے ہیں۔ (ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم ایم اے پی ایچ ڈی شعبہ تقابل ادیان جامعہ ہمدرد نگر دہلی' ماہنامہ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۲ء ص ۲۹)

☆ جو خاص بات مجھے سب سے زیادہ پسند آئی ہے وہ آپ حضرات کی یک رنگی ہے' آپ اپنوں یا بے گانوں میں امتیاز نہیں کرتے' کسی میں غلطی دیکھتے ہیں تو برملا ٹوکتے ہیں' اچھائی دیکھتے ہیں تو بے پناہ تعریف کرتے ہیں۔(محمد ارشد قادری گوجرانوالہ' ایضاً ص ۱۲)

☆ "جہان رضا" افکار رضا اور پیغام رضا کو عالمی پیمانے پر پھیلانے میں ہمہ تن مصروف ہے جس سے دنیا کو امام احمد رضا کے عقائد و نظریات کو سمجھنے میں بڑی سہولت ہو رہی ہے۔ یونیورسٹیوں اور دانش گاہوں میں امام احمد رضا کا چرچا خوب ہونے لگا ہے۔ ان کی شخصیت سے متعلق جو شکوک و شبہات پائے جا رہے تھے' دور ہو رہے ہیں۔ تاریکیاں چھٹ رہی ہیں اور تحقیقی خیالات پرورش پا رہے ہیں۔ (چاند علی اصغری برکاتی' شانتی نگر بھیونڈی انڈیا' ماہنامہ جہان رضا لاہور اکتوبر' نومبر ۱۹۹۸ء ص ۹)

☆ یوں تو میں حیثیت سے بڑھ کر تعریف کا قائل نہیں لیکن اس (ماہنامہ جہان رضا) کے حسن ترتیب' معیاری انداز اشاعت اور عصری مذاق سے ہم آہنگ تحریروں کی شمولیت کو دیکھنے کے بعد دل اس کے اعلیٰ معیار کی شہادت' ذہن و دماغ تحسین اور جبین شوق سجدہ شکر ادا کرتی ہے۔ بلاشبہ

"مرکزی مجلس رضا" کا یہ آرگن اس کے ہمہ جہت علمی کارناموں میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے اور ساتھ ہی جدید فکروں کے واسطے جذب و کشش کی قوت بھی (اخلاق احمد رضوی' رضا اکیڈمی منڈی کشور خاں' ماما رام بہار انڈیا' ایضاً ص۳٦)

☆ "جہان رضا" گویا خوان فکر رضا ہے جہاں ہر قسم کے اذواق و اشواق کی چیزیں مہیا ہوتی ہیں' مقالے معیاری' مضامین پر مغز' تراکیب و تعبیرات دلکش' دھلے دھلے جملے' اجلے اجلے مفہوم' پھر دردمند قلم سے فکر انگیز اداریئے' کہیں علم و حکمت کے موتی تو کہیں پندونصائح کا حسین انداز' کہیں جید علماء کی بزم طرب تو کہیں احتساب و مواخذہ اور مردمومن کی للکار و جھڑک' خطوط و خبرنامہ ایسا کہ رضویت کے سارے دردمند پرزے گلے مل رہے ہوں یا ہم نے انٹرنیٹ لگا لیا ہے' زمین کے فاصلے سمٹ گئے ہیں' تمام افق سامنے ہے' کس کس ادا کی داد دی جائے؟ (مولانا غلام جابر شمس مصباحی کالی کٹ کیرالا انڈیا' ماہنامہ جہان رضا لاہور جون ۱۹۹۱ء ص۷)

ماہنامہ "جہان رضا" کے ذریعہ لوگوں کو معلوم ہوا کہ "مرکزی مجلس رضا لاہور" نے حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمتہ اللہ علیہ کی سرپرستی اور محترم پیرزادہ اقبال احمد فاروقی کی نگرانی میں دوبارہ کام کا آغاز کردیا ہے تو عظمت مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محافظوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی' مجلس کے سابق اراکین' کارکنوں اور خیر خواہوں نے بذریعہ خطوط اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ ان خطوط میں لوگوں نے لکھا کہ:

☆ شکر ہے! حکیم صاحب کی زیر نگاہ مجلس (رضا) نے آپ (پیرزادہ اقبال احمد فاروقی) کی نگرانی میں دوبارہ کام شروع کردیا ہے۔ (ڈاکٹر محمد مسعود احمد' ماہنامہ جہان رضا لاہور جون ۱۹۹۱ء ص۱۹)

☆ مجلس رضا کے دوبارہ کام شروع کرنے پر دلی مبارک باد قبول فرمائیں۔ (صوفی محمد اقبال قادری' ایضاً ص ۱)

☆ لوگوں کو مجلس کی رفاقت اور شراکت سکیم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہئے۔ (محمد یوسف حضوری' ماہنامہ جہان رضا لاہور جولائی ۱۹۹۱ء ص ۱۵)

☆ مرکزی مجلس رضا کے تعطل کے بعد از سر نو کام کو دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی اور بے ساختہ ہاتھ دعا کے لئے اٹھ گئے۔ "یا اللہ! مرکزی مجلس رضا کو اہل سنت کی خدمت کے لئے عزم و ہمت عطا فرما اور اس کے کاموں کو حاسدوں کے حسد سے محفوظ رکھ۔ (السید زاہد سراج القادری' ماہنامہ جہان رضا لاہور جنوری ۱۹۹۲ء ص ۱۹)

جناب پیر زادہ اقبال احمد فاروقی نے ماہنامہ "جہان رضا" کی افادیت اور مجلس رضا کے آغاز نو پر عاشقان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

☆ مرکزی مجلس رضا کی علمی اور اشاعتی خدمات کو روشناس کرانے کے لئے ماہنامہ "جہان رضا" نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ ہمارے لئے یہ ایک ایسے رابطے کا ذریعہ بنا جس سے ملک کے گوشے گوشے میں "مرکزی مجلس رضا" کے معاونین اور شائقین نے ہماری آواز کو سنا اور اپنی خواہش کے مطابق کتابیں طلب کیں۔ "جہان رضا" نے جہاں اپنے صفحات کے دامن میں امام اہل سنت فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کے احوال و مقامات پر بلند پایہ مضامین سمیٹ کر قارئین تک پہنچائے ہیں وہاں ان حضرات کی آراء ' تجاویز اور خبروں کو بھی لوگوں تک پہنچایا ہے۔ "جہان رضا" اپنی تنگ دامانی کے باوجود دور دور تک پہنچتا ہے۔ ملک بہ ملک سفر کرتا ہے اور دنیا کے گوشے گوشے میں اپنے شائقین تک اپنی آواز پہنچاتا ہے۔ پاکستان سے باہر

ہندوستان، انگلستان، ہالینڈ، ماریشس، جنوبی افریقہ، ہانگ کانگ، بنکاک، متحدہ عرب امارات، سری لنکا اور امریکہ، کینیڈا میں بسنے والے کئی حضرات نے "جہان رضا" کو حاصل کرنے کے لئے خط لکھے ہیں۔ الحمد للہ ہمارے عملہ نے بھی بیرونی ڈاک کے اخراجات کی پروا کئے بغیر ہر خط کے جواب میں "مرکزی مجلس رضا" کی مطبوعات پہنچانے میں کوتاہی نہیں کی۔ (ماہنامہ جہان رضا لاہور جنوری ۱۹۹۲ء ص ۱-۲)

☆ مرکزی مجلس رضا کو دوبارہ اشاعتی کام کا آغاز کئے آٹھ ماہ کا عرصہ ہو رہا ہے، اس مختصر سے عرصے کے دوران مجلس کو اس کے معاونین نے اپنے مالی تعاون سے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل بنا دیا ہے۔ مجلس کی مطبوعات کے قارئین کا حلقہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا ہے۔ امام اہل سنت کے کئی رسالے چھپ کر تقسیم کئے جاچکے ہیں اور قارئین نے اس عظیم الشان اشاعتی ادارہ کی دوبارہ کارکردگی پر نہ صرف اطمینان کا اظہار کیا ہے بلکہ تحسین و مسرت کے جذبات سے نوازا ہے۔ ہم ان کرم فرماؤں کا بے پناہ شکریہ ادا کرتے ہیں، ان لوگوں نے ہمارے سفر پر ہمارا ساتھ دیا، حوصلہ بڑھایا اور تیز رفتاری سے کام کرنے کا مشورہ دیا۔ (ایضاً ص ۱)

مجلس رضا نے قیدیوں کے لئے اعلیٰ حضرت کا ترجمہ قرآن "کنز الایمان" ہدیہ دینے کی اپیل کی۔ الحمد للہ اس اپیل پر اچھا اثر ہوا۔ حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ لاہور کی جامع مسجد کے خطیب علامہ محمد مقصود احمد صاحب قادری مدظلہ العالی نے اس سلسلے میں زبردست تعاون کیا۔ حضرت ابوالحسن سید عثمان بن علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ کے دربار گوہر بار کے زائرین نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور آٹھ سو سے زائد جلدیں جیل کے افسران کے حوالے کردیں۔ جو قیدیوں میں تقسیم کردی گئیں۔ (ایضاً ص ۲)

اسی طرح اویس کمپنی ناشران "کنزالایمان" اردو بازار لاہور نے دو ہزار پانچ سو جلدیں مختلف جیلوں میں مقید قیدیوں کو بطور عطیہ دینے کا اعلان کیا۔ (ماہنامہ جہان رضا لاہور ستمبر ۱۹۹۲ء ص ۳۰)

حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمتہ اللہ علیہ اپنی ذات کی تشہیر کرنے کے حق میں نہیں تھے بلکہ ان کی تمام تر توجہ اپنے مشن کو آگے بڑھانے پر مرکوز رہی۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت کے مختلف حلقوں میں مقبول ترین شخصیت ہونے کے باوجود ان کی ذاتی زندگی پر بہت کم لکھا گیا ہے، راقم کی اطلاع کے مطابق ان کی وفات سے قبل پروفیسر محمد صدیق صاحب کی کتاب "احوال و آثار حکیم محمد موسیٰ امرتسری" اور سید محمد عبداللہ قادری کی تصنیف "حکیم محمد موسیٰ امرتسری" صرف دو کتابیں شائع ہوئی تھیں۔ بکھرا ہوا مواد بھی اگرچہ موجود ہے لیکن ہمارے ہاں اس قسم کے مواد کو اکٹھا کرنے کا رواج نہ ہونے کے برابر ہے اور نہ ہی اس جانب توجہ دی جاتی ہے کہ کسی محسن ملت کے متعلق مختلف لوگوں کے اذہان میں محفوظ یادوں کو قرطاس پر منتقل کیا جائے جبکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس نقصان دہ عادت کو ترک کر کے تصنیف و تالیف کے سلسلہ میں وہی پالیسی اپنائی جائے جسے مقبول عام بنانے کے لئے حضرت قبلہ حکیم صاحب زندگی کی آخری سانس تک کوشش فرماتے رہے۔

سنی رسائل میں ماہنامہ "جہان رضا" کے مدیر کو یہ فخر حاصل ہے کہ انہوں نے حکیم اہل سنت حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمتہ اللہ علیہ کی حیات ہی میں ان کے متعلق ایک خاص نمبر شائع کر کے سبقت حاصل کرلی۔ ۲۷ صفحات پر مشتمل "جہان رضا" کے اس خاص نمبر میں معروف اہل قلم کے مضامین شائع ہوئے ہیں جن میں حضرت قبلہ حکیم صاحب کی زندگی کے

مختلف پہلوؤں اور ان کی عظیم خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے محترم محمد عالم مختار حق رقمطراز ہیں:

""حکیم اہل سنت جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ کی علمی و اعتقادی خدمات کے اعتراف کے طور پر آپ نے موقر جریدہ "جہان رضا" کا شمارہ برائے اگست ۱۹۹۷ء مخصوص کر کے اہل سنت و جماعت کی طرف سے نہ صرف یہ کہ فرض کفایہ ادا کیا ہے بلکہ حکیم صاحب پر نمبر چھاپ کر اولیت کا اعزاز بھی آپ نے حاصل کیا ہے اور یہ فضیلت ایسی ہے جس میں آپ کا کوئی سہیم و شریک نہیں .... آپ کا یہ اقدام ان شاء اللہ العزیز بارش کا پہلا قطرہ ثابت ہوگا اور امید ہے کہ دیگر مسلکی جرائد بھی آپ کی تقلید کرتے ہوئے اپنے اپنے انداز میں حکیم صاحب کی مختلف النوع علمی جہات کو اجاگر کر کے انہیں خراج عقیدت پیش کریں گے۔" (ماہنامہ جہان رضا لاہور ستمبر، اکتوبر ۱۹۹۷ء ص ۸۔۹)

اس خاص نمبر کے علاوہ "جہان رضا" میں حضرت حکیم صاحب مرحوم و مغفور کے متعلق کئی اور تحقیقی مقالے بھی شائع ہوئے۔ "جہان رضا" میں حضرت قبلہ حکیم صاحب کے متعلق مختلف نوعیت کی باتیں چھپتی رہیں جنہیں ایک خاص ترتیب سے یکجا کرنا بے حد ضروری ہے تاکہ یہ ضائع ہونے سے بچ جائیں۔ ان میں سے چند ہدیہ قارئین ہیں:

☆ محترم (پیرزادہ اقبال احمد) فاروقی صاحب! میری ذاتی خواہش ہے اور کوشش بھی کہ محترم حکیم محمد موسیٰ صاحب کا انٹرویو (ماہنامہ) "السعید" (ملتان) کے لئے کیا جائے، اگر اس سلسلے میں آپ میری دستگیری فرمائیں تو احسان عظیم ہوگا۔ میرے لئے حضرت قبلہ حکیم صاحب کی ذات گرامی اس لئے بھی نہایت ہی قابل احترام اور واجب التعظیم ہے کہ وہ حضرت قبلہ

میاں علی محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے بہت ہی پیارے مرید بلکہ "مراد" ہیں۔ (ولی محمد واجد ایڈیٹر ماہنامہ "السعید" ملتان' ماہنامہ جہان رضا لاہور ستمبر' اکتوبر ۱۹۹۹ء ص ۲۷)

☆ ایک دفعہ راقم الحروف حکیم اہل سنت جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے امام رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے لکھے ہوئے شہرہ آفاق "سلام" پر لکھی جانے والی مختلف تضامین کا تذکرہ کیا اور پنجابی تضمین کی طرف توجہ دلائی۔ (غلام مصطفیٰ مجددی ایم اے' ماہنامہ جہان رضا لاہور ستمبر' اکتوبر ۱۹۹۶ء ص ۲۷)

☆ دین کے معاملے میں سخت زبان استعمال کرنا کبھی ناگزیر تھا لیکن میرا کچھ ایسا خیال ہے کہ نرم لہجے میں گفتگو قلوب پر اچھا اور دیرپا اثر ڈالتی ہے۔ ہمارے صوفیہ اور بزرگان دین کا یہی طریقہ رہا ہے۔ لاہور میں جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری صاحب اسی خوبی سے متصف ہیں۔ (ڈاکٹر مختار الدین احمد' ماہنامہ جہان رضا لاہور اکتوبر' نومبر ۱۹۹۸ء ص ۱۹)

☆ قبلہ حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری کے سینے میں اتحاد اہل سنت کے سلسلہ میں بڑا درد ہے۔ (قاری الحاج محمد شریف نوری گولڑوی' ماہنامہ جہان رضا لاہور جنوری' فروری ۱۹۹۶ء ص ۱۱)

☆ ہم کو چاہئے کہ ہم انا پرستی' شخص پرستی اور کسی بھی قسم کی گروہ بندی یا قادریہ' چشتیہ' نقشبندیہ' سہروردیہ' رضویہ' اشرفیہ یا کسی اور دیگر کو الگ نہ سمجھیں۔ یہ تمام حضرات ہمارے ہی سنی بھائی ہیں جس کی مثال حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری قبلہ ہیں جو ایک چشتی ہوتے ہوئے بھی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قادری علیہ الرحمتہ پر کام کر رہے ہیں۔ (قاضی کلیم احمد مہاراشٹر انڈیا' ماہنامہ جہان رضا لاہور جنوری' فروری ۱۹۹۹ء ص ۱۳۔۱۴)

☆ بانی "مرکزی مجلس رضا لاہور" حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری مدظلہ العالی روحانی سلسلہ میں چشتی نظامی ہیں' اعتقادی طور پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے علمی نسبت کی وجہ سے رضوی بریلوی ہیں' وظائف و معمولات پر عمل کی وجہ سے قادری ہیں' حضرت مولانا ضیا الدین مدنی (قطب مدینہ) رحمتہ اللہ علیہ سے محبت کی وجہ سے ضیائی ہیں' علم نوازی کی وجہ سے علماء و طلبہ کے محسن ہیں' علمی' تحقیقی اور کتابی جستجو کی وجہ سے علمی محقق ہیں' علم و فن کی وجہ سے اعلیٰ طبیب ہیں اور بودوباش کی وجہ سے درویش بے گلیم ہیں۔ (ماہنامہ جہان رضا لاہور اگست ۱۹۹۲ء ص ۴۳)

☆ خود غرضی اور نفسا نفسی کے اس دور میں جہاں لاگ لپٹ کے بغیر کوئی کسی کا کام نہیں کرتا' اخلاص کم یاب ہے' ایثار عام نہیں' مطلب برآری اور خود پرستی کے ان اندھیروں میں حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری مدظلہ العالی نے اخلاص اور ایثار کا فانوس روشن کیا ہوا ہے۔ وہ مجلس رضا کے ذریعے سرکار اعلیٰ حضرت کی خدمات جلیلہ پر یکے بعد دیگرے رسائل شائع کرتے چلے گئے' نہ صلہ' نہ ستائش کی طلب' مقصد سامنے یہ رکھا کہ جو لوگ اعلیٰ حضرت کو صرف اس حیثیت سے جانتے ہیں کہ وہ ہند میں فاتحہ اور ختم کو رواج دینے والے تھے اور ان کی ساری زندگی دسویں اور چالیسویں کے جھگڑوں میں گزر گئی یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ ایک نعت گو شاعر تھے' ایسے لوگوں کی آنکھوں سے ناواقفیت کے پردے اٹھا دیئے جائیں اور اعلیٰ حضرت کا علمی جلال اور ان کی صحیح شخصیت پیش کی جائے تاکہ کوئی شخص اہل سنت کے صحیح مسلک کو محض اعلیٰ حضرت سے ناواقفیت کی بناء پر چھوڑنے نہ پائے۔ (علامہ غلام رسول سعیدی' ماہنامہ جہان رضا لاہور جون ۱۹۹۱ء ص ۱۱)

☆ اس (ماہنامہ جہان رضا) کے ذریعہ دنیائے اہل سنت میں عاشق

رسول امام اہل سنت احمد رضا پر تحقیق و تشریح کا کام سامنے آیا ہے۔ یہ درحقیقت حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری کے خلوص کا ثمرہ ہے۔ (خواجہ سید معزالدین احمد اشرفی حیدر آباد دکن' (ماہنامہ جہان رضا لاہور اکتوبر' نومبر ۱۹۹۳ء ص ۳)

☆ محسن اہل سنت، مخدومی حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی نے اہل سنت میں لکھنے لکھانے اور تحقیق کرنے کی جو روح پھونکی ہے' وہ امام اہل سنت کا ہی فیض ہے۔ اللہ کریم ان کے علم و فضل میں برکت عطا فرمائے۔ سنی لٹریچر کی اہمیت کو انہوں نے خوب سمجھا اور سمجھایا۔ (خلیل احمد رانا' ماہنامہ جہان رضا لاہور ستمبر' اکتوبر ۱۹۹۷ء ص ۱۲)

☆ "جہان رضا" کا "اعترافیہ" نظر نواز ہوا جو یقیناً اعترافات کی دنیا میں ایک انوکھا' منفرد اور نہایت خوش آئند اضافہ ہے۔ حضرت حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ کی دینی و علمی خدمات کے پیش نظر اہل بصیرت اس چیز کی ضرورت کو بڑی شدت سے محسوس کرتے رہے ہیں کہ ایسی بے لوث' علم پرور شخصیت جس نے اپنی زندگی کے شب و روز مسلک حقہ اور خصوصاً فکر رضا کے فروغ کے لئے مسلسل وقف کر رکھے ہیں' باقاعدہ ایک مہذب علمی سلسلہ اعترافات جاری رہنا چاہئے تاکہ موجودہ اور آئندہ آنے والی نئی نسلیں اپنے محسنوں کی مخلصانہ علمی و تحقیقی خدمات سے نہ صرف آگاہ ہوں بلکہ ان کے خرمن علم و فن سے خوشہ چینی کرتے ہوئے اپنے مستقبل کو انوار علوم و فنون سے منور اور روشن کر سکیں۔ (محمد شہزاد مجددی سیفی' ایضاً ص ۱۱)

☆ حضرت حکیم اہل سنت محمد موسیٰ امرتسری رحمتہ اللہ علیہ نے ۱۹۶۸ء میں "مرکزی مجلس رضا لاہور" قائم کی اور اس کے ذریعے امام اہل

سنت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی نور اللہ مرقدہ کو دنیا بھر میں متعارف کروایا' اس مجلس کے متعلق بھی ماہنامہ "جہان رضا" میں بہت کچھ شائع ہوا جس سے اہل علم اور محققین حضرات مستفید ہوسکتے ہیں۔ اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

☆ مرکزی مجلس رضا کا آغاز آج سے تقریباً چوبیس سال پہلے لاہور میں ہوا تھا۔ مجلس کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ اہل سنت و جماعت کا اعتقادی اور نظریاتی لٹریچر شائع کیا جائے۔ خصوصاً اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کے اعتقادی اور نظریاتی افکار کو لوگوں تک پہنچایا جائے اور بدعقیدہ اہل قلم کے اس پروپیگنڈہ کا جواب دیا جائے جو اہل سنت و جماعت کے اعتقاد اور نظریات کو "بریلوی اعتقادات" کا نام دے کر عوام کو گمراہ کر رہے تھے۔ "مرکزی مجلس رضا" کے ان مقاصد کی تکمیل کی ذمہ داری لاہور کے چند علماء کرام نے سنبھالی جن میں بانی مجلس حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی پیش پیش تھے۔ انہوں نے مجلس کے انتظامی معاملات کو منظم کیا' علماء اہل سنت کا ایک بورڈ قائم کیا جو قابل اشاعت مسودات کو تیار کرتا تھا اور اسے طباعت کے لئے پیش کرتا تھا۔ پھر حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری اپنی مختصر سی ٹیم کے ساتھ زیور طبع سے آراستہ کر کے عوام تک پہنچانے میں مصروف رہتے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب "مرکزی مجلس رضا" بے سروسامانی کے عالم میں ایک عظیم الشان کام کو آگے بڑھانے میں مصروف تھی۔ وسائل کی کمی' عام لوگوں کی بے حسی اور علمی اور اعتقادی تحریروں کے مطالعہ سے دوری کے باوجود حکیم موصوف اپنے کام میں شب و روز مصروف رہتے۔ وہ لاہور کے ایک بلند پایہ طبیب ہونے کی وجہ سے اپنے مریضوں کے درمیان بڑی مصروف اور شہرت کی زندگی گزار رہے تھے مگر انہوں نے مجلس رضا کے اشاعتی امور کو اپنی توجہ

کا مرکز بنالیا' شب و روز کی طبی مصروفیات کی پروا کئے بغیر اپنے سفر پر رواں دواں ہوئے۔ میں نے کئی بار دیکھا کہ وہ مجلس رضا کا مطبوعہ لٹریچر لوگوں تک پہنچانے کے لئے سارا سارا دن لفافے بناتے' ان پر پتے لکھتے' خود حوالہ ڈاک کرتے۔ وہ عوام اہل سنت کے علاوہ ان اہل علم کو اعلیٰ حضرت کی کتابیں پہنچاتے جو اعلیٰ حضرت کا نام لینا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ "یوم رضا" کے اشتہارات لاہور کے درودیوار پر چسپاں کرنے کے لئے ساری ساری رات شہر کے گلی کوچوں میں بذات خود سیڑھی اٹھائے پھرتے۔ ان کی اس دیوانہ وار لگن نے علماء اہل سنت کو بیداری بخشی' علماء کرام آگے بڑھے اور اس قافلہ علم و اعتقاد میں شریک ہوتے گئے۔ پھر اپنی تحریروں کو سامنے لاتے گئے' اس طرح اعلیٰ حضرت کے نام لیوا برصغیر کے گوشے گوشے سے اٹھ کر "مرکزی مجلس رضا" کے کارواں کا حصہ بنتے گئے۔ بایں ہمہ حکیم صاحب ایک دن کے لئے بھی "مرکزی مجلس رضا" کی صف اول میں نہ کھڑے ہوئے' نہ صدر نشین ہوئے۔ انہوں نے ہمیشہ علماء کرام اور اہل علم کو صف اول میں جگہ دی۔ صدر نشین کیا اور خود اعلیٰ حضرت کے کوچہ علم و فضل کے خادم کی حیثیت سے اہل علم کی خدمت میں دست بستہ کھڑے رہتے۔ "یوم رضا" کی شاندار اور باوقار تقریب پر علماء کرام صدر نشین ہوتے مگر حکیم صاحب جلسہ گاہ کے دروازے پر کھڑے آنے والوں کا استقبال کرتے اور انہیں خوش آمدید کہتے۔ (پیرزادہ اقبال احمد فاروقی' (ماہنامہ جہان رضا لاہور جولائی ۱۹۹۱ء ص ۱-۲)

☆ پہلا یوم رضا جو کہ ۱۹۶۸ء میں ہوا۔ اس میں مولوی ابراہیم علی چشتی' م' ش اور مولانا عبدالستار خان نیازی صاحب جیسے سب شریک تھے۔ غالباً مولانا غلام علی اوکاڑوی صاحب اور مولانا محمد شفیع اوکاڑوی بھی مجلس کے

اس پہلے جلسہ میں شریک تھے۔ اس سے پہلے "یوم رضا" کے جلسہ کے لیے لاہور کے عوامی اور علمی حلقوں میں اعلیٰ حضرت کے بارے میں کہنے کے لئے مواد کی کمی تھی ۔ مولانا عبدالستار نیازی صاحب کو میں نے اعلیٰ حضرت کی کتاب "حرمت سجدہ تعظیمی" اور "مقال العرفا" پڑھنے کے لئے دیں...... مولانا مقتدا خان شیروانی نے مجھے اعلیٰ حضرت کی کتاب "المحجۃ الموتمنہ" بھیج دی۔ یہ کتاب ہمارے لئے بڑی مفید ثابت ہوئی۔ اس وقت تک پورے پاکستان میں یہ کتاب نہیں تھی۔ اس کے بعد مولانا شیروانی نے مولانا سلیمان اشرف صاحب کی کتاب "النور" بھیج دی ...... تو ہم نے ان دو کتابوں میں سے اعلیٰ حضرت کے دو قومی نظریئے کے بارے میں نظریات کو پیش کیا۔ اس طرح پہلی مرتبہ مرکزی مجلس رضائے اعلیٰ حضرت کی تحریروں نے ان کے دو قومی نظریئے سے اتفاق کو منظر عام پر لایا۔ (انٹرویو حکیم اہل سنت حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری، ماہنامہ جہان رضا لاہور مئی ۱۹۹۳ء ص ۱۵-۱۶)

☆ "یوم رضا" پر حکیم محمد موسیٰ امرتسری بانی مجلس رضا، اپنی جیب سے بھی بہت سی رقم شامل کرتے تھے۔ ۱۹۸۴ء میں "یوم رضا" کے موقع پر حکیم صاحب نے پانچ سو روپیہ بابت یوم رضا دیا جس کا اندراج "مجلس رضا" کے رسید بک نمبر ۴۸، رسید نمبر ۱۷ تاریخ ۱۴ نومبر ۱۹۸۴ء میں ملتا ہے مگر جو اخراجات مختلف انداز میں ہوتے وہ حکیم صاحب اپنی جیب سے دیتے تھے۔

جناب مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری صاحب صدر مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور۔ سید محمد عبداللہ قادری کے نام اپنے ایک خط میں حکیم محمد موسیٰ امرتسری صاحب کا ذکر یوں فرماتے ہیں:

"اخلاق کا یہ عالم ہے کہ ہر ماہ سینکڑوں روپے اپنی گرہ سے "مرکزی مجلس رضا" پر خرچ کرتے ہیں، مجلس کی ایک پائی بھی اپنی ذات پر خرچ کرنے کے

رواداد نہیں۔ آج سے کچھ عرصہ پہلے انہوں نے وصیت کی تھی کہ میری وفات پر بھی "مرکزی مجلس رضا" کے فنڈ سے کچھ خرچ نہ کیا جائے بلکہ اگر تجہیز و تکفین کے لئے ضرورت پڑے تو میری کتابیں فروخت کر کے کام چلایا جائے۔ غرض یہ کہ مجلس کے فنڈ سے اپنی ذات کو حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح بالکل الگ تھلگ رکھا اور ایک پیسہ بھی اپنی ذات پر خرچ نہیں کیا۔ (ماہنامہ جہان رضا لاہور اگست ۱۹۹۸ء ص ۱۵)

☆ مجلس رضا کفر والحاد کے خلاف ایک جنگ ہے۔ (مظہر اقبال ملک' ماہنامہ جہان رضا لاہور جولائی ۱۹۹۱ء ص ۱۵)

☆ پاکستان میں "مرکزی مجلس رضا" اپنی اشاعتی سرگرمیوں سے دنیا بھر کے اہل علم و فضل کو دعوت فکر دے رہی ہے۔ فاضل بریلوی پر ہزاروں نہیں' لاکھوں کتابیں شائع کر کے مفت تقسیم کرچکی ہے۔ (بریگیڈیئر احتشام الحسن رضوی' ماہنامہ جہان رضا لاہور ستمبر' اکتوبر ۱۹۹۷ء ص ۱۹)

☆ حضرت مفتی تقدس علی خان رحمتہ اللہ علیہ "مرکزی مجلس رضا" لاہور کے مہمان معاونین میں سے تھے۔ وہ بایں علم و تقویٰ اہل علم و فضیلت کے ممتاز رہنما تھے۔ وہ لاہور آتے تو بانی "مرکزی مجلس رضا" جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ کے مطب میں خود تشریف لاتے۔ حکیم صاحب کی خدمات کا اعتراف کرتے' ان کی حوصلہ افزائی فرماتے اور ان کے مطب میں کافی وقت بیٹھتے' انہوں نے "مرکزی مجلس رضا" کے اشاعتی مقاصد کی تکمیل کے لئے ہمیشہ مالی تعاون کیا...... وہ حکیم صاحب کی بڑی قدر کرتے' ان کے کام کے قدر دان تھے' ان کی خدمات سے متاثر ہو کر بریلی شریف جاتے تو اعلیٰ حضرت کے مزار گوہر بار پر کھڑے ہو کر "مرکزی مجلس رضا" کی خدمات کا اظہار فرماتے۔ دعا کرتے اور خانوادہ اعلیٰ حضرت کے تمام افراد کو وہ کتابیں

نذر کرتے جو حکیم صاحب کی نگرانی میں چھپا کرتی تھیں۔ (پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ماہنامہ جہان رضا لاہور اکتوبر ۱۹۹۲ ص ۱۵)

☆ اغیار نے تاریخ کو مسخ کر کے جس طرح حقائق کو پامال کیا ہے اس کے سبب سکول اور کالج کے طلبہ میں اعلیٰ حضرت اور مسلک بریلوی کے بارے میں مختلف قسم کی غلط فہمیاں پیدا ہو رہی تھیں۔ اس کے دفاع کے لئے ایسے پاکیزہ، شائستہ اور دیدہ زیب لٹریچر کی ضرورت تھی جس سے نئی نسل کے ذہنوں کو اپیل کر کے شکوک کا غبار صاف ہو اور غلط فہمیوں کی دھند چھٹ سکے اور بھٹکے ہوئے اذہان جادہ استقامت پر آسکیں۔ اس صاف اور بے داغ مقصد کی خاطر حکیم صاحب موصوف نے "مرکزی مجلس رضا" کی طرف سے ایک قلیل عرصے میں اہل خرد کے لئے کثیر تعداد پر مشتمل لٹریچر مہیا کر دیا۔ اس عظیم کام کے لئے حکیم صاحب نہ اسباب و وسائل پر اعتماد کرتے ہیں اور نہ تلاش۔ وہ جب بھی کسی کتاب یا رسالہ کی اشاعت کا ارادہ کرتے ہیں، وسائل خود ہی انہیں تلاش کرتے ہیں۔ (علامہ غلام رسول سعیدی، ماہنامہ جہان رضا لاہور جون ۱۹۹۱ء ص ۱۱)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اکابر اہل سنت اور ان کے معتقدین نے تحریک پاکستان میں بھرپور کردار ادا کیا تھا اور مخالفین اہل سنت بقول حضرت حکیم صاحب انگریز اور ہندوؤں کے کاسہ لیس تھے تو اہل سنت مشکلات کے بھنور میں کیسے پھنسے جبکہ مخالفین نے قیام پاکستان کی مخالفت کی تھی لیکن جب پاکستان وجود میں آیا تو کسی نے ان سے اپنے سابق و نامناسب رویے کے متعلق نہ تو کوئی باز پرس کی اور نہ ہی ان پر کوئی دور زوال آیا۔ دیگر وجوہات کے علاوہ اس کی ایک بنیادی وجہ یہ تھی کہ مخالفین نے قلم کی قوت کا بھرپور فائدہ اٹھایا اور باہمی اختلافات کو پس پشت ڈال کر اپنے مسلکی

مفادات کا تحفظ کرتے رہے جبکہ اہل سنت نے تحریری میدان میں قدم رکھنے اور اپنے اکابرین کی دینی و ملی خدمات کو اجاگر کرنے سے گریز کیا اور ان کے رہنما بتدریج اتحاد و اتفاق کی نعمت سے محروم ہوتے گئے۔

حضرت حکیم محمد موسیٰ رحمتہ اللہ علیہ نے امام اہل سنت حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی نوراللہ مرقدہ کو متعارف کروانے کی تحریک شروع کی تو اس کا واحد مقصد یہ تھا کہ فاضل بریلوی اور ان کے ہم مسلک علماء و مشائخ کے متعلق پھیلائی گئی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو اور سنی قائدین ان کے پیغام و اتحاد پر لبیک کہتے ہوئے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں۔ وہ نہ تو بدعقیدہ لوگوں سے رابطہ رکھیں اور نہ ہی مسلکی مفادات کو پامال ہوتا دیکھ کر منہ دوسری طرف پھیریں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت قبلہ حکیم صاحب کی زیر نگرانی شائع ہونے والے لٹریچر میں اس بات پر زور دیا گیا کہ اہل سنت اپنے اکابر کے بے نظیر کارناموں کو منظر عام پر لائیں اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی انفرادیت قائم رکھیں۔ باہمی انتشار و افتراق سے بچیں' مسلکی مفاد کو ذاتی مفاد پر ترجیح دیں' حکومت اور مخالفین اہل سنت کے ہاتھ مضبوط کرنے سے پرہیز کریں اور کسی قیمت پر فاضل بریلوی کی تعلیمات سے روگردانی نہ کریں۔

ماہنامہ "جہان رضا" چونکہ حضرت قبلہ حکیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی زیر نگرانی چھپتا تھا' اس لئے اس میں جو مواد شائع ہوتا تھا وہ ان مقرر کردہ اہداف کو پیش نظر رکھ کر منتخب کیا جاتا تھا اور اب بھی اسی پالیسی پر عمل ہو رہا ہے۔ اس کے فاضل مدیر اور دیگر اہل قلم جہاں مخالفین اہل سنت کی کمزوریوں' زیادتیوں اور سادہ لوح سینوں کو اپنے دھارے میں شامل کرنے کے حربوں کا تفصیل سے ذکر کرتے ہیں وہاں بلا امتیاز تمام سنی رہنماؤں کو غلط

اقدامات اٹھانے پر ٹوکتے اور اپنی اصلاح کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ان تحریروں سے ہزاروں پڑھے لکھے سنی متاثر ہوئے انہوں نے خود بھی کام کرنا شروع کردیا اور دوسروں کو بھی سرگرم عمل ہونے کی تلقین کی۔ اہل سنت کے حرکت میں آ جانے کے باعث مخالفین کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی' وہ حیران و پریشان ہیں کہ یہ کیا ہورہا ہے۔ کیونکہ ان کی سالہا سال کی محنت ضائع ہوتی نظر آرہی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ سنی پہلے والے سنی نہیں رہے' اب وہ بیدار ہوچکے ہیں' کام کر رہے ہیں لیکن ابھی تک وہ مقصد حاصل نہیں ہوا ہے جس کے لئے حضرت قبلہ حکیم صاحب نے یہ تحریک شروع کی تھی' کام میں مشغول اہل سنت کے اپنے رہنما ابھی تک باہمی انتشار و افتراق کا شکار ہیں' بٹے ہوئے ہیں۔ اتحاد و اتفاق کی افادیت تسلیم کرنے کے باوجود اکٹھے نہیں ہورہے۔ ان میں بعض بدعقیدہ مولویوں کی محفلوں میں بیٹھنے' ان کے پیچھے نمازیں برباد کرنے سے باز نہیں آتے۔ زکوٰۃ خوری اور وعظ فروشی کا شغل ترک کرنے کے لیے آمادہ نہیں' حکام وقت کی نوازشوں سے نوازے جانے کو معیوب نہیں سمجھتے۔ تاہم ان پر سنی عوام کی ایک کثیر تعداد کا دباؤ بڑھ رہا ہے اور حضرت حکیم اہل سنت کی تحریک کے واضح اثرات سامنے آنے شروع ہوگئے ہیں' اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ یہ تحریک نہ صرف جاری رہے بلکہ اس میں مزید تیزی پیدا کی جائے اور اب تک اس موضوع پر جو کچھ شائع ہوا ہے' اسے مناسب ترتیب کے ساتھ پمفلٹوں کی شکل میں چھاپ کر وسیع پیمانے پر عوام تک پہنچایا جائے۔ اس سلسلہ میں ماہنامہ "جہان رضا" میں جو زور دار اور پراثر تحریریں شائع ہوئیں' ان میں سے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں جنہیں پڑھ کر قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ

حضرت حکیم اہل سنت اور ان کے رفقائے کار نے اس میں میدان میں کس قدر مفید کام کیا ہے۔

بدعقیدہ گروہوں کی سرگرمیاں

☆ نماز ظہر کے بعد کعبتہ اللہ میں کئی علمی مجمعے لگتے' "نجدی مطوعے" عربی میں تقریریں کرتے اور بڑے متکبرانہ انداز میں اونچی اونچی کرسیوں پر چوکڑی مارے وعظ کرتے' ایک پاکستانی نجدی "مکی صاحب" کہلا کر اردو میں شرک و بدعت پر تقریر کرتے' ان کے اردگرد عام طور پر پاکستان کے وہابی اور دیوبندی بیٹھتے اور سرہلا ہلا کر کہتے' دیکھا کعبتہ اللہ میں ہم توحید کا وعظ سن رہے ہیں! "مکی بیچارہ" نجدیوں کا حق نمک ادا کرنے کے لئے اولیاء اللہ کے خلاف بڑا شور مچاتا ہم نے ایسے کئی بے روح اور گستاخ مجمع باز دیکھے۔ ہمیں محسوس ہوتا کہ زمانہ جاہلیت کے بت کدوں کے محافظ آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور ان کے عاشقوں کی عزت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کررہے ہیں۔ (پیرزادہ اقبال احمد فاروقی' ماہنامہ جہان رضا لاہور جون' جولائی ۱۹۹۳ء ص ۱۰)

☆ وہابی دن دہاڑے سنی مساجد پر قبضہ کررہے ہیں آج ۳۲ وہابی اشاعتی ادارے علاقائی زبانوں میں اشاعت میں مشغول ہیں۔ ماہنامہ اور ہفت روزہ وہابی رسالے شائع ہورہے ہیں جبکہ ہمارا "علاقائی زبان میں" سنی مجلہ ایک بھی نہیں' تنظیموں کے یونٹ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ تنظیم سازی کے سلسلے میں سندھ کے ایسے دور دراز پسماندہ علاقوں میں بھی جانا ہوا جہاں اہل سنت صرف نام کے تھے' نہ کوئی جذبہ' نہ لٹریچر' نہ مکتبہ' نہ مدرسہ' نہ

لائبریری اور نہ کوئی تنظیم۔ رہیں مساجد اکثریت پر تبلیغی وہابیت کا قبضہ تھا اور ہے، سندھ اور بلوچستان کے اکابر علماء اور مشائخ اہل سنت کی بھی خدارا خبر لیجئے جو کہ ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ انہیں بھی جھنجھوڑیں، سندھ، بلوچستان میں بعض ایسے پیر صاحبان بھی ہیں جن کے آباؤ اجداد کے لاکھوں مرید ہیں لیکن اب وہ خود سنی نہیں رہے بلکہ وہابی بن چکے ہیں مگر وہابی ہونے کا اعلان نہیں کرتے، یہ بھی سینوں سے نذرانہ بٹورنے کا طریقہ ہے......

☆ رافضی اور شیعہ ایرانی انقلاب کی شہ پر قصبوں اور دیہات میں سادہ لوح اور ان پڑھ سینوں کو علی، علی کے نعروں سے اپنا ہم نوا بنا رہے ہیں۔ آج پاکستان کے گوشے گوشے میں شیعوں کے امام باڑے، گھوڑے، تعزیے اور ماتمی مجلسیں قائم کر کے ناخواندہ سینوں کو یا حسین، یا حسین کے مقدس نام پر سینہ کوبی سکھا رہے ہیں۔ وہ محرم کا چاند نظر آنے سے دو ہفتے پہلے "اتحاد بین المسلمین" اور امن قائم کرنے والی کمیٹیاں بناتے ہیں اور سنی علماء کو سرکار کی سرپرستی میں بٹھا کر عشرہ محرم گزار لیتے ہیں۔ دوسری طرف سعودی عرب کا برسراقتدار نجدی طبقہ پاکستان کے وہابیوں کو اپنے تیل کی دولت کی زکوٰۃ سے مالا مال کر رہا ہے۔ پاکستان کے زکاتی اور خیراتی وہابی مولوی ہر شہر، ہر قصبہ، حتیٰ کہ دور دراز دیہات میں اپنے مدارس اور مساجد تعمیر کرنے میں مصروف ہیں۔ اس طبقہ کی بد زبانی، انبیاء و اولیاء سے گستاخانہ رویہ اور اولیائے کرام کے مزارات کو بتوں سے تشبیہ دینا کسی وضاحت کا محتاج نہیں، یہ شرک اور بدعت کا نعرہ لگا کر اپنے مذموم مقاصد کو عوام میں پھیلا رہے ہیں اور سعودی عرب کو رپورٹیں دے کر حق نمک حلال کر رہے ہیں۔

دیوبندی طبقہ نظریاتی اور اعتقادی طور پر وہابیوں کے عقیدے کا ایک

ہراول دستہ ہے جو مختلف انداز میں ملک کی دینی اور سیاسی فضا پر چھا رہا ہے
ان کے مدرسے' ان کی مسجدیں' ان کے ادارے ملک کے گوشے گوشے میں
قائم ہو رہے ہیں۔ وہ عوام کو اپنی اعتقادی گرفت میں لینے کے لئے مختلف
حربے استعمال کرتے ہیں' تبلیغی جماعت کو "اللہ والوں کی جماعت" بنا کر شب
و روز سفر اور گشتی اجتماعی میں لگا دیا ہے' دوسری طرف "سپاہ صحابہ" کے
نوجوانوں کو کلاشنکوف سے مسلح کر کے قتل و غارت کے لئے تیار کر لیا ہے۔
اس طرح یہ طبقہ مستقبل کی ایک ایسی سیاسی اور مذہبی قوت بن رہا ہے جس
کے نتائج بڑے ہی خطرناک ہوں گے۔ اس طبقے کے حلیف طبقے مختلف رنگوں
اور مختلف انداز میں سینوں کے اعتقاد کو مسخ کر رہے ہیں۔(قاری احمد حسن
نوری مدیر المصطفےٰ گوجرانوالہ' ماہنامہ جہان رضا لاہور' جون ۱۹۹۴ء ص ۶۵)

☆ "شیعہ" اور "وہابی" فرقے اگرچہ ایران اور سعودی عرب کی
حکومتوں کی خیرات پر پل رہے ہیں مگر وہ پاکستان میں مختلف انداز سے دندنا
رہے ہیں' ان کے ہراول دستے "سپاہ فقہ جعفریہ" کی شکل میں یا "سپاہ صحابہ"
کے نام پر قتل و غارت گری پر اتر آئے ہیں۔ دیوبندیوں کے مدارس ملکی
سینوں کے مالی تعاون سے اپنے مستقبل کی فوج تیار کر رہے ہیں۔ شیعوں کے
"امام باڑے" زکوٰۃ اور خمس بچا کر اپنے خونخوار چھاپہ ماروں کو تربیت دے
رہے ہیں' وہابیوں کی عسکری تربیت گاہیں "جہاد" کا نام لے کر "مشرکین
وطن" کی ہٹ لسٹیں تیار کر رہی ہیں' ان خطرناک حالات کو محسوس کرتے
ہوئے بھی "سنی خفتہ در بطحا" کی تصویر بنے ہوئے ہیں۔ آج ملک جس فرقہ
وارانہ آگ کی طرف بڑھ رہا ہے' اس کے نتائج کا اندازہ صرف وہی لوگ
کرسکتے ہیں جن کی نگاہیں اسلامی تاریخ کے ان ادوار کو دیکھنے کا شعور رکھتی
ہیں۔ جن میں شیعوں اور خارجیوں نے اسلام کی وحدت کو پارہ پارہ کر کے

رکھ دیا تھا' ان دینی فتنوں نے مسلمانوں کی عظیم الشان سلطنتوں کو تہہ و بالا کردیا تھا۔ ابھی کل کی بات ہے کہ ایران جو سنی بزرگان دین کا گہوارہ تھا' جو سنی عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سرزمین تھا' آج شیعوں کی "جمہوریہ" ہے۔ سرزمین عرب جو عاشقان رسول کی وادی تھی' آج "نجدیوں" کی ملکیت ہے' عراق و شام جو امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ اور غوث اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی وراثت تھی آج وہاں بے مذہب اور لادین حکمران مسلط ہیں۔ مصر اور فلسطین ہمارے اہل اللہ کی سرزمین تھی' آج امریکہ کے پالتو یہودیوں کی نو آبادیات میں گھرے ہوئے ہیں یا مسلمان ممالک ان کے میزائلوں کی زد میں ہیں۔

آج پاکستان میں بھی یہی فرقے اپنی مکروہ تاریخ کو دہرانے کی تیاریاں کر رہے ہیں' ان فرقوں کا تحریک پاکستان میں کوئی حصہ نہیں ہے' آج یہی فرقے ان لوگوں کو للکار رہے ہیں جنہوں نے پاکستان بنانے میں مجاہدانہ کردار ادا کیا تھا' جنہوں نے قربانیاں دے کر اس خطے کو حاصل کیا تھا۔ (صاحبزادہ اقبال احمد فاروقی' ماہنامہ جہان رضا لاہور اکتوبر ۱۹۹۴ء ص ۱۔۲)

☆ جناب خلیل احمد رانا صاحب نے اطلاع دی ہے کہ دیوبندیوں کی ایک تنظیم نے قاضی فضل احمد لدھیانوی کی کتاب "کلمہ فضل رحمانی" شائع کر کے یہ تاثر دیا ہے 'گویا وہ دیوبندی تھے' چنانچہ دن دہاڑے اہل سنت کی کتب پر ڈاکہ زنی دیکھ کر وہ بے چین ہوگئے ہیں اور قاضی فضل احمد لدھیانوی کے احوال و آثار کو تلاش کرنے میں مصروف ہوگئے ہیں۔ یہ وہی قاضی فضل احمد لدھیانوی ہیں جو اعلیٰ حضرت کے عقیدت مند ہیں' جو "انوار آفتاب صداقت" کے مصنف ہیں جو رد وہابیہ میں لاجواب کتاب ہے اور اس پر اعلیٰ حضرت کی بے مثال تقریظ موجود ہے۔ اس کتاب کو بھی منظرعام پر

لانے کی اشد ضرورت ہے۔ (سید صابر حسین شاہ بخاری' ماہنامہ جہان رضا لاہور جون' جولائی ۱۹۹۸ء ص ۱۳۔ ۱۴)

☆ دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی حاجی سید عابد حسین علیہ الرحمہ کے بارے میں ایک مضمون چھپا جو بے حد پراثر ہے' قبضہ گروپ (شیطانی گروہ) سے یہ سب کچھ بعید نہیں ہے اور نہ تھا۔ اب بھی سینوں کی بنائی ہوئی مساجد پر ان ظالموں کا قبضہ ہوتا جا رہا ہے۔ منڈی بہاء الدین کی بڑے مینار والی مسجد' ہمارے ملکوال میں مسجد بزم توحید' غوث زمان امیر حزب اللہ حضرت پیر سید محمد فضل شاہ صاحب جلال پوری رحمتہ اللہ علیہ کی تعمیر کردہ ہے مگر اب قبضہ ان ظالموں کا ہے اور بھی بہت سی مساجد پر یہ خبیث گروہ قابض ہے اور سنی سن ہو چکے ہیں۔ (صاحبزادہ محمد الیاس قادری' ماہنامہ جہان رضا لاہور اگست ۱۹۹۸ء ص ۱۹)

بدعقیدہ گروہوں کی کمزوریوں کی نشاندہی

☆ میں امریکہ میں ایک عرصہ تک رہا ہوں' میں نے ''تبلیغی جماعت'' والوں کو وہاں بھی مسلمانوں کو ہی کلمہ پڑھاتے دیکھا ہے' کوئی غیر مسلم ان کی تبلیغی کوششوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکا۔ (محمد سلیم جیلانی' جام شورو سندھ' (ماہنامہ جہان رضا لاہور جولائی ۱۹۹۵ء ص ۳۰)

☆ سینوں کی خانقاہوں سے ملحق مساجد میں اوقاف کی جانب سے مخالف مسلک کے وہابی امام و خطیب متعین کئے جاتے ہیں جو انہی خانقاہوں کے نذرانوں پر پلتے ہیں اور انہی پر شرک و بدعت کے فتوے جڑتے ہیں۔ (پروفیسر فیاض احمد خان کاوش' (ماہنامہ جہان رضا لاہور نومبر ۱۹۹۴ء ص ۷)

میرے حلقہ میں سنی' شیعہ' اسماعیلی' نور بخشی حتیٰ کہ دیوبندی اور وہابی تک تعویذات لیتے ہیں مگر "نور بخشی" سلسلہ کے لوگ میری آمد کے منتظر رہتے ہیں۔ یہاں کے وہابی' دیوبندی مولوی میری مخالفت کرتے ہیں مگر بعض وہابی مولوی بھی مصیبت کے وقت تعویذ حاصل کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ (مولانا زاہد حسین نور بخشی سکردو' گلگت' (ماہنامہ جہان رضا لاہور مئی ۱۹۹۷ء ص ۲۱)

☆ جن دنوں میں حج پر گیا تو میرے علاقہ کے ایک وہابی مولوی کعبتہ اللہ میں مل گئے' مجھے ایک رئیس مکہ کے گھر لے گئے جس کا جواں سال بیٹا ایک عرصہ سے کسی مصیبت میں گرفتار تھا۔ اس شخص نے میرے تعارف کے بعد اس رئیس مکہ کو مجھے عملیات کا ماہر بتایا۔ رئیس نے عملیات کے لئے درخواست کی' غالباً وہ وہابی نہیں تھا' میں نے تعویذات دیئے تو اس کا بیٹا ٹھیک ہوگیا' اس نے مجھے بیس ہزار ریال نذرانہ پیش کیا۔ میں نے اس کے کان میں کہا مجھے تو "رجال الغیب" یہاں بھی پورا خرچہ دیتے ہیں' یہ ریال میری ضرورت کے نہیں' کسی "پاکستانی وہابی مولوی" کو چندہ دے دیں' ان بے چاروں نے وہاں جاکر "شرک" کی جڑیں کاٹنی ہوتی ہیں' اس نے وہابیوں پر لعنت بھیجی اور مجھے نہایت محبت سے الوداع کیا۔ (مولانا زاہد حسین نور بخشی سکردو گلگت' (ایضاً ص ۲۱)

☆ کتاب (القول البلیغ) میں نے پوری پڑھی ہے' ۳۵۱ صفحات کی اس کتاب میں دیوبندیوں کی کفریہ عبارات پر تو کوئی گفتگو نہیں ہے لیکن تمام علماء دیوبند کو از سید احمد بریلوی تا مولوی انعام الحسن (سربراہ تبلیغی جماعت) دجال' مفتری' جاہل' کذاب' کفر صریح کا مرتکب وغیرہ قرار دیا ہے اور ان علمائے دیوبند کے ساتھ ساتھ ان کی "تبلیغی جماعت" کو "شیطانی جماعت" قرار دیا

ہے۔ سعودی عرب میں خود نجدی گروہ کے ایک مفتی کی طرف سے یہ پہلی کتاب منظر عام پر آئی ہے جس سے یہ تاثر عام ہوگا کہ علمائے دیوبند اب تک کس قدر کذب و خیانت سے کام لیتے رہے ہیں۔ "القول البلیغ" لکھنے والا کتاب کی طباعت سے قبل ہی فوت ہوگیا تھا' یوں اس کی کتاب میں کسی تبدیلی کی گنجائش بھی نہ رہی ورنہ دیوبندی ٹولہ اس مفتی پر دباؤ ڈال کر تردید کی کوشش کرتا' یوں بھی آپ نے مشاہدہ کیا ہوگا کہ بالخصوص مدینہ منورہ میں خود محمد زکریا کاندھلوی کی مخالفت اب سعودی مفتی بھی کر رہے ہیں۔ محمد منظور نعمانی نے محمد ابن عبدالوہاب نجدی سے اپنی اور علمائے دیوبند کی مطابقت ثابت کرنے کے لئے ایک کتاب لکھی تھی لیکن "القول البلیغ" کی طباعت سے اس کا جھوٹ بھی کھل گیا' یوں دیوبندی طبقہ حقائق کو مسخ کر کے خود ہی رسوا ہوا۔ اگر دیوبندی ملاں اس کتاب "القول البلیغ" کی تردید کریں گے تو بھی اور نہ کریں تو بھی۔ یعنی ہر دو طرح اپنے عقائد کو اسلام کے مطابق ثابت نہیں کرسکیں گے۔ حق اور اہل حق کی مخالفت کا یہی انجام ہونا تھا۔ (علامہ کوکب نورانی کراچی' (ماہنامہ جہان رضا لاہور جولائی ۱۹۹۵ء ص ۲۴)

☆ حضرت پیر عبدالغفار شاہ کاشمیری رحمتہ اللہ علیہ اعتقادی طور پر ایک پختہ خیال اور خوش عقیدہ حنفی تھے ...... آپ کی وفات کے بعد پہلے عرس پر آپ کے عزیز انور شاہ کاشمیری (شیخ الحدیث دیوبند وڈھابیل) شریک ہوئے تو تقریر کے لئے اٹھے' چونکہ شاہ صاحب دیوبندی مکتب فکر کے بڑے قریب تھے اور لاہور کے عوام کا خیال تھا کہ آپ "یارسول اللہ" کہنے کے منکر ہیں' نعرہ رسالت بلند کیا' شاہ صاحب نے اس نعرہ کا انداز سمجھ کر فرمایا: "لاہور والو! میرا عقیدہ نہ پرکھو' میں اس سرزمین سے تعلق رکھتا ہوں جہاں

کی قبریں بھی یارسول اللہ کہتی ہیں۔" اس تقریر سے "موحدین لاہور" کو بڑی مایوسی ہوئی اور "دیوبند کے نوری وجود" کا یہ خطاب بڑا حیران کن تھا۔ مولوی عبدالواحد (وہابی) خطیب مسجد چینیاں والی لاہور نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ "پیر عبدالغفار کی موت سے جو بدعت ختم ہوگئی تھی، انور شاہ کاشمیری کے طرز عمل نے اسے پھر زندہ کر دیا ہے۔ (پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، (ماہنامہ جہان رضا لاہور مئی، جون ۱۹۹۵ء ص ۴۵-۴۶)

سنی قائدین اور عام سینوں کی حالت زار

☆ ہماری سیاسی قیادت بڑی شکست خوردگی کا شکار ہے، انہیں شکایت ہے کہ ہمارے علماء کرام کی ایک خاصی تعداد ہمیں "چوب خشک صحرا" سمجھ کر اسلام آباد اور سیون کلب روڈ کے طواف میں مصروف ہوگئی ہے۔ اب ہم اپنی قوت بحال رکھنے کے لئے اضطراری کیفیت سے گزر رہے ہیں اور اپنے آپ کو زندہ رکھنے کی کوشش کررہے ہیں۔ سینوں کی عظیم قیادت "جمعیت علماء پاکستان" (نورانی گروپ) "بریلویہ" کے رسوائے زمانہ مصنف احسان الٰہی ظہیر کے معنوی فرزند عبدالقدیر خاموش کو ساتھ لئے پھرتی ہے۔ مفتی محمود (جنہوں نے پاکستان بنانے کے "گناہ" میں حصہ نہیں لیا تھا) کے فرزند ارجمند مولانا فضل الرحمان کو اونچی کرسی پر بٹھانے میں مصروف ہے۔ پھر نواب زادہ نصراللہ خان، غلام مصطفیٰ کھر، حنیف رامے اور پیپلز پارٹی کے بے دین اور اسلام ناآشنا لیڈروں کے علاوہ رافضی اور بدعقیدہ مولویوں اور سیاستدانوں کو دعوتیں دینے میں مصروف ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا نام آج تک نہ کسی سیاسی تختی پر لکھا دیکھا گیا ہے اور نہ کسی دینی درس گاہ کی پہلی

جماعت میں نظر آئے ہیں۔ جمعیت علمائے پاکستان (نورانی گروپ) سے دو قدم آگے سینوں کے ایک بطل جلیل مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی اپنی "جمعیت علماء پاکستان" کے ایوان کو مولانا سمیع الحق دیوبندی اور سجاد نقوی جیسے رافضی لیڈروں کو اپنی محفل کے گلدستے بنائے بیٹھے ہیں' جن لوگوں کو نیازی صاحب عقیدہ کی پروا کئے بغیر اپنے حلقے میں بٹھا رہے ہیں' ان کی دینی اور سیاسی حیثیت کا یہ عالم ہے کہ:

؎ نہ کہیں جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا!

سیاسی اور دینی میدان میں ہمارے ایک علامہ زبان و بیان کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر "ترنگا" اٹھائے "پاکستان عوامی تحریک" کے علمبردار بنے تو انہوں نے سنی' دیوبندی' وہابی اور رافضی کی تمیز اٹھا کر:

ہندو مسلم سکھ عیسائی

آپس میں ہیں بھائی بھائی!

کا نعرہ مستانہ بلند کیا تو پاکستان کے سنی نوجوان بڑی خوش فہمی سے ان کے خیموں میں جا پہنچے۔ ان کا خیال تھا کہ "ادارہ منہاج القرآن" سے امام فخرالدین رازی اور علامہ جلال الدین سیوطی کے علم و فضل کی نہریں جاری ہو جائیں گی۔ مگر فلسفہ رہ گیا' تلقین غزالی نہ رہی!

یہ سارے بزرگ بڑے قد آور سیاست دان اور مقتدر علمائے وقت ہیں' ان کا اپنا اپنا مقام ہے۔ ان کا ماضی ہے' ان کا تحریک پاکستان میں ایک کردار ہے' ان کا علمی اور اعتقادی دنیا میں ایک نام ہے' یہ اپنے مقام سے نیچے آتے نظر آرہے ہیں لیکن جن دیوبندیوں' وہابیوں اور رافضیوں کو چند سیاسی معاہدوں میں اپنے ساتھ ملا رہے ہیں وہ ملک کی دینی اور سیاسی زندگی میں کیا مقام رکھتے ہیں؟ انہیں ان کے ساتھ مل کر بڑی ترقی ملی' وہ ایک

طرف قائد اہل سنت الشاہ احمد نورانی کے دفاتر میں کلانچیں بھرتے دکھائی دیتے ہیں اور اسی قماش کا ایک دوسرا طبقہ (دیوبندی اور رافضی) ایوان وزارت امور مذہبیہ اسلام آباد کے باغوں میں پھول توڑتا نظر آتا ہے:

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو!

☆ (پیرزادہ اقبال احمد فاروقی' ماہنامہ جہان رضا لاہور نومبر ۱۹۹۲ء ص ۳-۴۷)

☆ یہ جوان سال سجادہ نشین اور پیران عصر کبھی اپنے قدموں پر کھڑے ہونے کی ہمت نہیں کرتے' یہ ہمیشہ ملک کے دنیا داروں اور اب بد کردار سیاستدانوں کی "بیساکھیوں" کے سہارے کھڑے ہوتے ہیں' یہ اگر "مشائخ کانفرنس" بھی بلاتے ہیں تو "نواز شریف کی نوازشوں سے" یا "زرداریوں کی زرپاشیوں سے" مگر اپنی خانقاہوں سے باہر نکل کر ان زراندوزوں کے دروازوں پر کھڑے ہو کر پہلے ان کے اقتدار کی درازی کی دعائیں کرتے ہیں۔ پھر انہی کے خرچے سے فائیو سٹارز ہوٹلوں میں "روحانی کانفرنس" منعقد کرتے ہیں' آج یہ حضرات کئی طبقوں میں بٹ گئے ہیں اور ہر طبقہ ملک کے "زرداریوں کی زر پاشیوں' نواز شریفوں کی نوازشوں" کے سہارے مشائخ کانفرنسیں کرتا ہے' یہی وجہ ہے کہ ہر "مشائخ کانفرنس" کے بعد جب یہ لوگ دعا کر کے واپس گھر آتے ہیں تو

پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی!

کا سماں ہوتا ہے۔ ہم ذاتی طور پر پاکستان کے ایسے گدی نشینوں اور سجادہ نشینوں کے نام جانتے ہیں کہ وہ ملک کے کس کس سیاسی قوت کے اشارہ ابرو سے کام کرتے ہیں' ہمارے پاس ان بزرگ زادوں کی لسٹیں موجود ہیں جو اپنے سادہ لوح مریدوں میں بیٹھ کر اپنی دھاک جماتے ہیں کہ "زرداری" میرا

جوئی، رواداری اور اتحاد بین المسلمین" کے نعروں سے متاثر ہو کر ایسی محفلوں میں جا بیٹھتے ہیں جہاں سرکار کے ڈر سے بولنا مشکل ہوتا ہے اور میزبان افسروں کی باتیں برداشت کرنا بھی بڑے دل گردے کا کام ہوتا ہے۔ دوسری طرف ایسے "صلح جو" علماء کرام کے کردار سے سنی عوام کی اعتقادی حیثیت بری طرح متاثر ہوتی ہے، علماء کرام کو اپنے اس کردار کا سختی سے محاسبہ کرنا چاہئے۔ (پیرزادہ اقبال احمد فاروقی' (ماہنامہ جہان رضا لاہور اپریل تا جولائی ۱۹۹۲ء ص ۷)

☆ راسخ العقیدہ قانون دان بھی محسوس کرتے ہیں کہ اس وقت کے اکثر علمائے اہل سنت عوام کو اعتقادی قیادت دینے کے فرائض سے پہلو تہی کر رہے ہیں۔ یہ علماء خود اپنے عقیدہ پر سختی سے عمل نہیں کرتے اور معمولی سی ترغیب و تحریص پر بد عقیدہ علماء کی مجالس میں جا پہنچتے ہیں۔ اس "رواداری" کے زعم میں ان کی تقریریں سنتے ہیں، بعض اوقات ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں اور اگر نماز کا وقت آجائے تو ان بد عقیدہ مولویوں کے پیچھے نمازیں خراب کرنے سے بھی نہیں شرماتے۔ حالانکہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کی زندگی اور ان کی تحریریں ایسے "مذبذب" حضرات کو اہل سنت کی مجلس میں کوئی اہمیت نہیں دیتیں۔ سنی علماء کرام کا یہ رویہ پاکستانی عوام کے اعتماد کو کمزور کر رہا ہے اور وہ اپنی سادہ لوحی میں کبھی "تبلیغی جماعت" کے "بستر بندوں" کے ساتھ ہو لیتے ہیں اور کبھی "یا علی' یا علی ' حق علی" کا ورد کرتے ہوئے رافضیوں کی مجالس میں جا پہنچتے ہیں اور افضلیت "مولا علی" کے ذکر میں تمام صحابہ کرام کو نظر انداز کرتے جانے والوں کے حصہ دار بن جاتے ہیں، کبھی دیوبندیوں کی مساجد میں صف در صف کھڑے ہوتے ہیں اور "اتحاد بین المسلمین" کی پلیٹیں صاف کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ (پیرزادہ اقبال احمد

فاروقی، ماہنامہ جہان رضا لاہور مارچ ۱۹۹۲ء ص ۱)

☆ "اہل سنت و جماعت" دہشت گردی کی راہوں سے ہٹ کر کام کر رہی ہے تاہم وہ اس دور کے ایک بدترین سانحہ سے دوچار ہے۔ یہ حضرات باہمی انتشار و افتراق کا شکار ہو چکے ہیں۔ "اہل سنت و جماعت" کے قد آور علماء، معروف مشائخ، قابل احترام رہنما اور بلند اقدار زعماء بھی اس مرض میں مبتلا ہیں۔ اس بیماری کے لئے نہ کوئی دوا نظر آتی ہے نہ کوئی طبیب۔ "جماعت اہل سنت" کے دو دھڑے ہیں۔ "جمعیت علماء پاکستان" کے دو گروپ ہیں۔ "سنی طلباء" کے دو لشکر ہیں "جمعیت مشائخ" کے دو حلقے ہیں حتیٰ کہ "نعت خوانوں" کے دو ٹولے ہیں "قاریوں" کے دو طبقے ہیں "وعظ فروشوں" کے دو قافلے ہیں "زکوٰۃ خوروں" کے دو گروہ ہیں۔ حکومت کے "مدحت سراؤں" کے دو کارواں ہیں۔ ملک کی اتنی بڑی اکثریت دوئی کا شکار ہو کر رہ گئی ہے..... اور نمبر دو بن گئی ہے۔

"مرکزی مجلس رضا" راہوں پر بھٹکے ہوئے ان قافلوں کو دعوت اتحاد دیتی ہے اور استدعا کرتی ہے کہ یہ سارے بزرگ وقت کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے "جان واحد" بن کر آگے بڑھیں اور دنیا کے مختلف حصوں میں کھلتے ہوئے دروازوں تک پہنچیں اور انہیں دینی اور روحانی قیادت بہم پہنچائیں۔ (اداریہ ماہنامہ جہان رضا، ماہنامہ جہان رضا لاہور فروری ۱۹۹۲ ص ۴)

☆ آج پاکستان کے عوام کو اعتقادی اور نظریاتی تربیت کی بڑی ضرورت ہے۔ آج علماء اہل سنت کو آگے بڑھ کر عوام کو دینی قیادت مہیا کرنی چاہیے۔ آج علماء اہل سنت کو اپنے روایتی تساہل کو چھوڑ کر نوجوان نسل کی اعتقادی پرورش کے لئے آگے بڑھنا چاہیے۔ آج کی نوجوان نسل کو بے دینی

اور فحاشی کے طوفانوں کا ہی سامنا نہیں، وہ اعتقادی فتنوں کی بھی زد میں ہے۔ آج کا عام مسلمان اعتقادیات کی غذا سے محروم ہوتا جارہا ہے، آج کا مسلمان اپنی اعتقادی عمارت کو بداعتقادی کے سیلابوں میں گھرا پاتا ہے، آج علماء اہل سنت کا اولین فرض ہے کہ وعظ فروشی، زکوٰۃ اندوزی اور شاہان وقت کی مدح سرائی کے مکروہ کاروبار کو چھوڑ کر عوام کی اعتقادی رہنمائی کریں۔ پاکستان کا ہر دردمند سنی یہ محسوس کررہا ہے کہ سواد اعظم اہل سنت و جماعت کی رہنمائی سے غفلت برتی جارہی ہے۔ یہ صرف غفلت ہی نہیں، مجرمانہ غفلت ہے جسے علماء اہل سنت کو ترک کرنے کے لئے ہمت کرنا چاہئے۔ ہزاروں لاعلم سنی غیر محسوس طریقے سے رافضی اور شیعہ بنائے جارہے ہیں، لاکھوں سنی گھرانے دیو بندیت کی زد میں ہیں، لاکھوں اہل سنت "تبلیغی جماعت" کے قافلوں کے بستر اٹھائے عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے گانہ ہوتے جارہے ہیں۔ ملک میں پھیلائی جانے والی مختلف خرافات کے نتیجے میں جو نوجوانِ اسلام سے ہی دور ہوتے جارہے ہیں وہ اس دور کا ایک علیحدہ بڑا المیہ ہے۔ اندریں حالات علماء اہل سنت کا فرض ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور ان گرتی ہوئی اعتقادی دیواروں کو سہارا دینے میں اپنا کردار ادا کریں۔ (اداریہ ماہنامہ جہان رضا، ماہنامہ جہان رضا لاہور جولائی ۱۹۹۱ء ص ۴)

اہل سنت ایک طویل عرصہ تک تصنیف و تالیف کے شعبہ سے لاتعلق رہے، انہوں نے اپنے اکابرین کی ہمہ گیر دینی و ملی خدمات کو منظر عام پر لانے سے گریز کیا۔ اس افسوسناک صورتحال سے مخالفین نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے جو جی میں آیا لکھا اور شائع کرکے عوام تک پہنچایا۔ ان لوگوں نے خوف خدا سے بے نیاز ہو کر سنی قائدین خاص کر امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کو بدنام کرنے کے لئے من گھڑت اور بے بنیاد

متعلق چند اقتباسات پیش خدمت ہیں جنہیں پڑھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت حکیم اہل سنت رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے رفقائے کار صرف ماہنامہ "جہان رضا" کے ذریعے کس قدر مفید مواد سامنے لائے ہیں۔

ترجمہ قرآن ــــ کنزالایمان

☆ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ نے ایک ہزار کے لگ بھگ تصانیف ارقام فرمائیں اور جس مسئلے پر قلم اٹھایا' الم نشرح کر کے چھوڑا۔ ان تصانیف کا سرتاج اردو ترجمہ قرآن پاک کنزالایمان ہے جس کی نظیر نہیں ہے اور اس ترجمہ کا مرتبہ اسی کو معلوم ہوتا ہے جس کی اعلیٰ درجہ کی تفاسیر پر نظر ہے۔ اس ترجمہ مبارک میں مفسرین کا اتباع کیا گیا ہے اور جن مشکلات اور ان کے حل مفسرین نے صفحات میں جا کر بمشکل بیان فرمائے ہیں' اس محسن اہل سنت نے اس ترجمہ کو چند الفاظ میں کھول کر رکھ دیا ہے۔ (علامہ عطا محمد بندیالوی' ماہنامہ جہان رضا لاہور جون ۱۹۹۴ء ص ۵۳

☆ امام احمد رضا فاضل بریلوی کا ترجمہ قرآن بڑا محتاط' مثالی' بامحاورہ اور سلیس ہے۔ (ڈاکٹر جمیل احمد چیئرمین شعبہ عربی کراچی یونیورسٹی' ماہنامہ جہان رضا لاہور اپریل ۱۹۹۳ء ص ۱۰)

☆ امام احمد رضا فاضل بریلوی کا ترجمہ قرآن حکیم (کنزالایمان) آپ کی علمی جلالت' قادر الکلامی' فہم و فراست' حکمت و دانائی' رموز قرآنی سے آگاہی' اثبات عظمت و الوہیت کبریائی' خشیت و رضائے الٰہی' عشق و محبت محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم' پاس ادب اور لحاظ عظمت انبیاء علیہم السلام کا مظہر و شاہکار ہے۔ (محمد اشفاق چغتائی' ماہنامہ جہان رضا لاہور اپریل ۱۹۹۴ء ص ۳)

"فتاویٰ رضویہ"

☆ علم فقہ میں آپ کی فقاہت علمی کا لوہا اپنے بیگانے سب مانتے ہیں' علوم فقہ میں بارہ جلدوں پر مشتمل "فتاویٰ رضویہ" پر اندرون ملک و بیرون ملک علماء کے علاوہ حضرت علامہ اقبال نے بھی آپ کو خراج تحسین پیش کیا۔ آپ نے فقہ کی دو سو سے زائد کتب تصنیف فرمائیں۔ جن میں آپ ذہانت' فطانت اور جودت طبع کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ (جسٹس میاں نذیر اختر صاحب' ماہنامہ جہان رضا لاہور اکتوبر ۱۹۹۱ء ص ۱۲)

☆ "فتاویٰ رضویہ" جو بارہ جلدوں میں موجود ہے' اگر آج اسے جدید تصانیف کے طور طریقوں کے مطابق جمع کیا جائے جیسے کہ آج کل کے مصنفین' مولفین اور اہل قلم کی کتابیں چھپتی ہیں تو میں کہتا ہوں کہ کم سے کم ۵۰ سے ۷۵ کے درمیان جلدیں ان کے فتاویٰ سے تیار ہوسکتی ہیں اور اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ فتاویٰ عام ہوں۔ آج "اسلامی نظریاتی کونسل" کو یہ دشواری درپیش ہے کہ مسائل کیسے حل ہوں اور جو واقعی یہ چاہتا ہے کہ پاکستان کو اسلامی قوانین کی بنیاد پر ایک اسلامی مملکت میں ڈھال دیا جائے تو اس کے لئے تنہا "فتاویٰ رضویہ" ہی کافی ہے۔ (مولانا کوثر نیازی' ماہنامہ جہان رضا لاہور جولائی ۱۹۹۱ء' ۱۰)

☆ میرے نزدیک ان (امام احمد رضا) کے فتاویٰ کی اہمیت اس لئے نہیں ہے کہ وہ کثیر در کثیر فقہی جزئیات کے مجموعے ہیں بلکہ ان کا خاص امتیاز یہ ہے کہ ان میں تحقیق کا وہ اسلوب و معیار نظر آتا ہے جس کی جھلکیاں ہمیں صرف قدیم فقہاء میں نظر آتی ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ قرآنی نصوص اور سنن نبویہ کی تشریح و تعبیر اور ان سے احکام کے استنباط کے لئے قدیم فقہاء جملہ علوم وسائل سے کام لیتے تھے اور یہ خصوصیت مولانا کے فتاویٰ

میں موجود ہے۔ (حکیم محمد سعید رئیس ہمدرد فاؤنڈیشن کراچی' ماہنامہ جہان رضا لاہور اکتوبر ۱۹۹۲ء ص ۵)

☆ میرے ایک دوست کہیں سفر پر جا رہے تھے' ان کے پاس "فتاویٰ رضویہ" کی ایک جلد موجود تھی' میں نے جلدی جلدی میں ایک عربی فتویٰ مطالعہ کیا۔ عبارت کی روانی اور کتاب و سنت و اقوال سلف سے دلائل کے انبار دیکھ کر میں حیران و ششدر رہ گیا اور اس ایک ہی فتویٰ کے مطالعے کے بعد میں نے یہ رائے قائم کرلی کہ یہ شخص کوئی بڑا عالم اور اپنے وقت کا زبردست فقیہ ہے۔ (شیخ عبدالفتاح ابوغدہ پروفیسر کلیتہ الشریعہ محمد بن سعود یونیورسٹی ریاض سعودی عرب' ماہنامہ جہان رضا لاہور ستمبر ۱۹۹۸ء ص ۵۳-۵۴)

☆ ہندوستان کے دور آخر میں مولانا احمد رضا خان جیسا طباع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔ ان کے فتاویٰ کے مطالعے سے یہ رائے قائم کی جو ان کی ذہانت' فطانت' جودت طبع' کمال فقاہت اور علوم دینیہ میں تبحر علمی کے شاہد و عادل ہیں۔ مولانا ایک دفعہ جو رائے قائم کرلیتے ہیں' اس پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں' یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت غور و فکر کے بعد کرتے ہیں۔ اسی لئے انہیں اپنے شرعی فیصلوں اور فتاویٰ میں کبھی کسی تبدیلی یا رجوع کی ضرورت نہیں پڑتی۔ (مصور پاکستان علامہ محمد اقبال' ماہنامہ جہان رضا لاہور جون' جولائی ۱۹۹۸ء ص ۵۰)

☆ اگر ہندوستان میں مولانا احمد رضا خان پیدا نہ ہوتے تو حنفیت کا نام و نشان ختم ہو چکا ہوتا۔ (مولانا سید زکریا شاہ بنوری والد مولانا محمد یوسف بنوری دیوبندی' ماہنامہ جہان رضا لاہور مئی ۱۹۹۴ء ۵۱)

نعت گوئی

☆ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کا مجموعہ کلام "حدائق بخشش" اردو نعت کا عظیم کلاسیک ہے' افکار میں معنوی بلندی' مضامین میں تنوع' فن پر مکمل گرفت' اسلوب میں تمکنت اور وقار' تاریخی' تہذیبی اور عصری شعور سبھی دھارے اس دریائے بے کنار کا حصہ بنے نظر آتے ہیں۔ (پروفیسر منیر الحق کعبی' ماہنامہ جہان رضا لاہور جولائی ۱۹۹۹ء ص ۴۹)

☆ علمائے دین میں نعت نگار کی حیثیت سے سب سے ممتاز نام مولانا احمد رضا بریلوی کا ہے' ان کی شاعری کا محور خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی و سیرت ہے۔ مولانا صاحب' صاحب شریعت بھی تھے اور صاحب طریقت بھی' صرف نعت و سلام و منقبت کہتے تھے اور بڑی دردمندی اور دلسوزی سے کہتے تھے' سادہ' بے تکلف اور برجستہ و شگفتہ بیان ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ (ڈاکٹر فرمان فتح پوری' ماہنامہ جہان رضا لاہور ۱۹۹۱ء ص ۱۲)

☆ احمد رضا خان بریلوی کے کلام سے پہلا تاثر جو پڑھنے والے پر قائم ہوتا ہے وہ مولانا کی بے پناہ وابستگی رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے' ان کے کلام سے ان کے بے کراں علم کا اظہار ہوتا ہے۔ مولانا کا اپنے کلام میں انفرادیت کا دعویٰ ان کے کلام کی خصوصیات سے ناواقف حضرات کو شاعرانہ تعلی معلوم ہوتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ مولانا کے فرمودات بالکل برحق ہیں۔ (نیاز فتح پوری' ماہنامہ جہان رضا لاہور اپریل ۱۹۹۵ء ص ۱۳)

ایک عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم

☆ آپ (امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ) نے اپنی تحریر کے ہر ایک حرف اور تقریر کے ہر ایک جملے سے مسلمانان عالم کے دلوں میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جوت جگائی' ان کا مشہور زمانہ سلام مشرق و مغرب' شمال و جنوب جدھر سے سنئے یہ ہی آواز آ رہی ہے:

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم رسالت پہ لاکھوں سلام

(جسٹس (ر) نعیم الدین سابق چیف الیکشن کمشنر پاکستان' ماہنامہ جہان رضا لاہور اپریل ١٩٩٣ء ص ٧-٨)

☆ اعلیٰ حضرت کے افکار کی قوت ان کے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں پنہاں ہے' ان کی سوچ کا مرکزی نکتہ بھی یہی ہے کہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر ذکر الٰہی ہمیں منزل مقصود تک نہیں پہنچا سکتا۔ ایسا ذکر' ذکر حق نہیں بلکہ سقر کی کنجی ہے' عشق محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے "محمد احمد رضا" المختار کو "عبدالمصطفیٰ" بنا دیا اور ان کی نگاہ میں وہ نورانیت پیدا کردی کہ آیت مبارکہ (ووجدک ضالا فھدیٰ) پڑھتے ہی انہوں نے اس کا مفہوم حقیقی ان لفظوں میں بیان فرما دیا کہ "اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی" جبکہ دیگر مترجمین اور مفسرین نے لفظ "ضالا" کا ترجمہ گمراہ' بھٹکا' راہ بھولا ہوا اور بے خبر کیا' بھلا آفتاب ہدایت کو گمراہی و بے خبری سے کیا واسطہ۔ ایسے مترجمین کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے: چہ بے خبرز مقام محمد عربی است۔ (جسٹس میاں نذیر اختر' ماہنامہ جہان رضا لاہور اکتوبر ١٩٩١ء ص ١٠-١١)

☆ عاشق رسول کہلانے والے تو بہت ہیں مگر صدیوں میں' میں نے تو
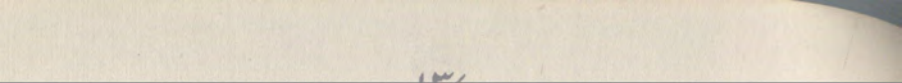
فکری تغلب سے نجات مل سکے اور مذہب سے تعلق قائم ہو۔ امام احمد رضا نے "دو قومی نظریہ" کی علمی تشریح و تعبیر پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنا وسیع حلقہ عقیدت پیدا کیا اور ان کے اس عظیم حلقہ ارادت نے تحریک پاکستان کے دوران قائداعظم کی بھرپور مدد کی۔ گویا اس طرح بالواسطہ آپ نے تحریک پاکستان کو تقویت بخشی۔ (ڈاکٹر محمد شمس الدین شعبہ ابلاغ عامہ جامعہ کراچی' ماہنامہ جہان رضا لاہور اپریل ۱۹۹۳ء ص ۱۱)

☆ گاندھی کی آندھی نے جو خاک اڑائی تھی' اس میں بڑوں بڑوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور بینائی زائل ہوگئی مگر علامہ اقبال اور قائداعظم کے علاوہ تیسری بڑی شخصیت جو اس شور و غوغا اور ہلڑ بازی سے قطعاً متاثر نہ ہوئی۔ حضرت احمد رضا خان بریلوی تھے۔ آپ نے ان دنوں بھی اس بات پر زور دیا کہ ہمیں اپنی دونوں آنکھیں کھلی رکھنی چاہئیں۔ انگریز اور ہندو دونوں ہمارے دشمن ہیں۔ کانگریسی مسلمانوں نے صرف اپنی ایک آنکھ کھلی رکھی تھی' وہ صرف انگریز کو اپنا دشمن سمجھتے تھے' ان دنوں چونکہ سارے پریس پر ہندوؤں کا قبضہ تھا اس لئے حضرت احمد خان بریلوی اور آپ کے ہم خیال لوگوں کے خلاف سخت پروپیگنڈا کیا گیا اور بدنام کرنے کی مہم چلائی گئی لیکن تاریخ نے انہی حضرات کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اب باطل پروپیگنڈے کا طلسم ٹوٹ رہا ہے اور حق کھل کر سامنے آرہا ہے۔ (میاں عبدالرشید کالم نگار "نور بصیرت" نوائے وقت' ماہنامہ جہان رضا لاہور اگست' ستمبر ۱۹۹۴ء ص ۱۱)

☆ تحریک آزادی ہند کی سیاسی فضا عجائبات سے پر تھی' ایک عجیب بات یہ دیکھنے میں آئی کہ وہ لوگ جو خود کو موحد اور مسلمان کہتے تھے' ان کی ہمدردیاں کفار و مشرکین ہند کے ساتھ تھیں اور جن مسلمانوں کو یہ لوگ کافر و مشرک اور بدعتی تصور کرتے تھے وہ ہمیشہ کفار و مشرکین ہند سے الگ رہے'

اس گروہ قدسیہ کے سرتاج و سردار امام احمد رضا تھے۔ فطری طور پر مسلمان کو مسلمان کا خیر خواہ ہونا چاہئے اور کافر و مشرک کو کافر و مشرک کا خیر خواہ مگر ہندوستان کی سرزمین پر یہ عجوبہ بھی دیکھا گیا کہ اسلام کے دعویداروں نے ہنود کا ساتھ دیا' جو ان سے روٹھے وہ ہمیشہ کے لئے چھوٹے بلکہ مردود اور مغضوب رہے۔ گویا کفار و مشرکین کی امداد و اعانت اسلام کا نشان بنی۔ (معاذ اللہ' معاذ اللہ) (پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد' ماہنامہ جہان رضا لاہور اپریل ۱۹۹۵ء ص ۱۸)

☆ بھرچونڈی شریف کے شیخ ثانی حضرت حافظ محمد عبداللہ علیہ الرحمہ اور شیخ المشائخ حضرت ابوالنصر سید سردار شاہ قادری نے تحریک ہجرت کے موقع پر "اعلیٰ حضرت" سے فتوے منگوا کر پورے سندھ میں ان کی نشر و اشاعت کی کہ ہندوستان اور سندھ دارالحرب نہیں ہے' اس طرح ان بزرگوں نے تحریک ہجرت کو اپنے گڑھ (سندھ) میں ناکام کر کے لاکھوں مسلمانوں کو "نقصان مایہ و شماتت ہمسایہ" سے بچایا۔ (پیر سید محمد فاروق القادری' ماہنامہ جہان رضا لاہور نومبر ۱۹۹۴ء ص ۱۰)

☆ سیاست میں ہم دو قومی نظریے کو علامہ اقبال او قائداعظم محمد علی جناح سے منسوب کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہندو اور مسلمان کے ایک قوم ہونے کی مخالفت و تردید جس شدومد سے امام احمد رضا خان نے کی وہ کسی اور نے نہیں کی۔ یہ دونوں حضرات بھی اس معاملے میں ان کے مقتدی ہیں' ان کے رہنما نہیں۔

تحریک ترک موالات' تحریک ہجرت' تحریک خلافت اور ایک اور بحث کہ ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب' ان سارے موضوعات پر جو امام رضا خان کا نقطہ نظر تھا' ہرچند کہ آج بھی اس پر گرد اڑائی جارہی ہے

لیکن علمی سیاست کے تقاضوں سے جس قدر ہم آہنگ اور دینی اقدار کی ترجمانی سے جس قدر نزدیک اور حقیقت پر مبنی ان کا موقف ہے کسی اور کا نہیں۔ تحریک ترک موالات میں جب قائدین کانگریس نے یہ صدا دی کہ انگریز کے ساتھ ہر قسم کا تعلق ختم کردو تو انہوں نے کہا کہ صرف انگریز سے ہی کیوں، ہندو سے کیوں نہیں؟ ہر مشرک اور کافر کے بارے میں موالات کا وہی حکم ہے جو انگریز کے بارے میں ہے، پھر ہندو کے ساتھ مل کر انگریز کے خلاف یہ تحریک چلانا گاندھی کی آندھی میں گرفتار ہونے کے مترادف ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اس سلسلے میں جس سیاسی بصیرت کا مظاہرہ کیا وہ حقیقتاً مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے عین مطابق تھا اور اس سے بچانے کے لئے جو نقطہ نظر آپ نے اختیار کیا، اس کے لئے کسی اور کی ہمت نہیں پڑی۔ (مولانا کوثر نیازی، ماہنامہ جہان رضا لاہور جولائی ۱۹۹۱ء ص ۹)

چند اعتراضات کے جوابات

اس احقر نے جناب مولانا احمد رضا خان بریلوی کی چند کتابیں پڑھیں تو میری آنکھیں خیرہ ہو کر رہ گئیں کہ واقعی یہ کتابیں مولانا بریلوی صاحب مرحوم کی ہیں جن کے متعلق کل تک یہ سنا تھا کہ وہ صرف اہل بدعت کے ترجمان ہیں اور ان کے مشاغل صرف چند مسائل تک محدود ہیں مگر آج پتہ چلا کہ نہیں۔ ہرگز نہیں، یہ اہل بدعت کے نقیب نہیں بلکہ یہ تو عالم اسلام کے اسکالر اور شاہکار نظر آتے ہیں، جس قدر مولانا مرحوم کی تحریروں میں گہرائی پائی جاتی ہے۔ اس قدر گہرائی تو میرے استاد مکرم جناب مولانا شبلی صاحب اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی اور حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی اور حضرت مولانا شیخ التفسیر علامہ شبیر احمد عثمانی کی

کتابوں کے اندر بھی نہیں۔ (مولانا سید سلیمان ندویؒ' ماہنامہ جہان رضا لاہور نومبر ۱۹۹۲ء ص ۲۲)

☆ دیوبندی مکتب فکر کے ایک مشہور عالم دین مفتی محمد شفیع دیوبندی کہتے ہیں کہ جب مولانا احمد رضا خان کی وفات ہوئی تو مولانا اشرف علی تھانوی کو کسی نے آکر اطلاع دی تو انہوں نے بے اختیار ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے' جب وہ دعا کر چکے تو حاضرین مجلس میں سے کسی نے پوچھا کہ وہ تو آپ کو عمر بھر کافر کہتے رہے اور آپ ان کے لئے دعا کر رہے ہیں۔ تو کہا "یہی بات سمجھنے کی ہے کہ مولانا احمد رضا خان نے ہم پر کفر کے فتوے اس لئے لگائے کہ ان کی نظر میں ہم نے توہین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارتکاب کیا تھا۔ اگر وہ یہ سمجھتے کہ ہم نے توہین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور پھر یہ سمجھتے ہوئے بھی ہم پر کفر کے فتوے نہ لگاتے تو وہ خود کافر ہو جاتے۔" (مولانا کوثر نیازی' ماہنامہ جہان رضا لاہور جولائی ۱۹۹۱ء ص ۱۰-۱۱)

☆ عام طور پر یہ کہا گیا ہے کہ (اعلیٰ حضرت) کفر کا فتویٰ لگانے میں جلد بازی سے کام لیتے تھے لیکن میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے کسی ایسی بات پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا جس پر کہ ان کے مخالفین اور معترضین کفر کا فتویٰ نہ دے چکے ہوں' کوئی شخص قیامت تک ایسی کوئی بات ثابت نہیں کر سکتا کہ کسی ایسی بات پر اعلیٰ حضرت نے کفر کا فتوی لگایا ہو جو مخالفین کے نزدیک بھی کفر نہ ہو' آپ کو معلوم ہو گا۔ "اشد العذاب" جو ایک رسالہ ہے مولوی مرتضیٰ حسن صاحب دیوبندی دربھنگی کا۔ انہوں نے اس میں اعتراف کیا ہے کہ اگر مولانا احمد رضا خان صاحب نے جن باتوں پر کفر کا فتویٰ دیا اگر وہ کفر کا فتویٰ نہ لگاتے تو خود کافر ہو جاتے۔ تو یہ ایک بڑا تعصب ہے کہ اعلیٰ حضرت پر اس قسم کا الزام عائد کیا

جاتا ہے۔ خدا کی قسم' اعلیٰ حضرت جیسا محقق اور اعلیٰ حضرت جیسا محتاط عالم میری نظر سے نہیں گزرا اور نہ ہمارے علم کے گوشوں میں ان کا کوئی تصور ہے' اعلیٰ حضرت کی احتیاط کا تو یہ عالم تھا کہ امام الطائفہ کی تکفیر اور اکفار میں بھی کف اللسان فرمایا اور یہ کمال احتیاط کا اور کمال حزم کا تقاضا تھا۔ (حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمتہ اللہ علیہ' ماہنامہ جہان رضا لاہور مئی ۱۹۹۴ء ص ۷-۸)

☆ میں نے (امام احمد رضا کی) کتاب "الدولتہ المکیہ" کا مطالعہ کیا اور محظوظ ہوا اور اس قدر مسرور ہوا کہ جس کے بیان سے زبان و قلم دونوں عاجز ہیں' میں نے تحقیق و تدقیق میں اس رسالے کو خوب سے خوب تر پایا اور مجھے یقین ہوگیا کہ شنید دید کی مانند نہیں۔ جو کچھ حضرت مولف علام کے خلاف مخالفین نے پروپیگنڈہ کیا تھا کہ مولف عُلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر سمجھتے ہیں' یہ الزام سراسر جھوٹ ہے جو مخالفین کے حسد و بغاوت کی پیداوار ہے بلکہ ان کے جہل اور کند ذہنی کی دلیل ہے۔ (شیخ ہدایت اللہ بن محمود السندی البکری' ماہنامہ جہان رضا لاہور اگست' ستمبر ۱۹۹۴ء ص ۱۵)

☆ مولوی عبدالغفور صاحب (نوشہرہ تحصیل جام پور ضلع ڈیرہ غازی خان) اگرچہ مسلک دیوبند سے تعلق رکھتے تھے مگر اس کے باوجود انہوں نے وقت کے امام اعظم' مفتی اسلام' مرجع خلائق امام احمد رضا محدث بریلوی سے مختلف مسائل میں استفسار فرمایا۔ یہاں صرف ایک فتویٰ ملاحظہ کیجئے:

مسئلہ: ایک مرزائی قادیانی کا سوال ہے کہ ابن ماجہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہر صدی کے بعد مجدد ضرور آئے گا" مرزا صاحب مجدد وقت ہے' عالی جاہ اس قوم نے لوگوں کو بہت خراب کیا

ہے' ثبوت کے لئے کوئی رسالہ وغیرہ ارسال فرمائیں تاکہ گمراہی سے بچیں۔

الجواب: (از امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ) مجدد کا کم از کم مسلمان ہونا تو ضروری ہے اور قادیانی کافر و مرتد تھا' ایسا کہ تمام علماء حرمین شریفین نے بالاتفاق تحریر فرمایا کہ "من شک فی کفرہ و عذابہ فقد کفر" جو اس کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر' لیڈر بننے والوں کی ایک ناپاک پارٹی قائم ہوئی ہے جو گاندھی مشرک کو رہبر' دین کا امام و پیشوا مانتے ہیں۔ نہ گاندھی امام ہو سکتا ہے نہ قادیانی مجدد۔ "السوء العقاب و قہرالدیان" و "حسام الحرمین" مطبع اہل سنت بریلی سے منگائیں' واللہ اعلم۔ (ماہنامہ جہان رضا لاہور اکتوبر' نومبر ۱۹۹۸ء ص ۶۳)

☆ مجھے معلوم ہے کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ (امام احمد رضا) انگریزوں کے حامی تھے لیکن انگریز سے آپ کو اتنی نفرت تھی کہ اپنے ایک فتوے میں انگریز کی کچہری میں جانا حرام قرار دے دیا۔ اور جب مقدمہ قائم ہوا تو وہ کبھی انگریز کی کچہری میں نہ گئے' اس لئے کہ انگریز کی کچہری میں جانا ان کے نزدیک حکم الٰہی کے قوانین کے خلاف تھا۔ جس نے خط لکھا اور لفافے ٹکٹ جس پر ملکہ اور انگریز بادشاہ کی تصویر تھی ہمیشہ الٹا لگایا تاکہ اس کا سر نیچا نظر آئے اور جس نے اپنی وفات سے دو گھنٹے قبل یہ وصیت کی کہ اس گھر میں جہاں کاغذ کے انبار ہیں' جتنے ڈاک میں آئے ہوئے وہ خطوط اور لفافے ہیں جن پر ملکہ یا بادشاہ کی تصویر ثبت ہو یا جتنے روپے اور سکے ہوں' جن پر ان کی تصویر ہو' وہ سب نکال دیئے جائیں تاکہ فرشتہ ہائے رحمت کو آنے میں دشواری نہ ہو۔ ان کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ انگریزوں کے حامی تھے' یہ ایسی بات ہے کہ کوئی منصف المزاج اس کو قبول نہیں کر سکتا۔ (مولانا کوثر نیازی' ماہنامہ جہان رضا لاہور جولائی ۱۹۹۱ء ص ۹-۱۰)

تحریک پاکستان ایک ایسا موضوع ہے جس پر اہل سنت کے نقطہ نظر سے بہت کام کرنے کی ضرورت ہے' اس لئے کہ تحریک پاکستان کے دوران سنی علماء و مشائخ اور ان کے معتقدین نے بے شمار قربانیاں دیں' کانگریسی مولویوں کو لگام دینا مسلم لیگی رہنماؤں کے بس کی بات نہیں تھی کیونکہ اول الذکر قرآن و حدیث کے حوالے دے دے کر مشرکین ہند کے رہنماؤں کے مطالبات کو اسلام کے عین مطابق بتایا کرتے تھے' یہ سنی بزرگ تھے جنہوں نے علمی انداز میں ان لوگوں کا مقابلہ کیا۔ ان کا ہر موڑ پر پیچھا کیا۔ مسٹر گاندھی کے ایماء پر قوم پرست مولویوں نے مسلم لیگ اور قیام پاکستان کے متعلق جو غلط فہمیاں پھیلائیں' ان کا نہ صرف مدلل ازالہ فرمایا بلکہ کتاب و سنت کی روشنی میں ان کی جدوجہد و کارروائیوں کو خلاف اسلام ثابت کیا' ان محترم سنی قائدین نے نیشنلسٹ مولویوں کے گاندھیوی فلسفہ متحدہ قومیت کا موثر زد فرمایا اور دو قومی نظریہ کا پرچار کیا۔

نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ نہ تو حکومت نے سنی قائدین کی ان شاندار خدمات کو اجاگر کرنے کی جانب توجہ کی اور نہ ہی ان کے نام لیواؤں نے' یہ محسن اہل سنت حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمتہ اللہ علیہ ہی تھے جنہوں نے اہل قلم کو زیر بحث موضوع پر لکھنے پر آمادہ کیا اور زندگی ہی میں کافی قیمتی مواد شائع شدہ شکل میں ہمیں دے گئے۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ کام ماہنامہ "کنزالایمان" لاہور نے حضرت قبلہ حکیم صاحب کی رہنمائی میں کیا لیکن ماہنامہ "جہان رضا" لاہور نے بھی انہیں مایوس نہیں کیا اور تحریک پاکستان کے موضوع پر کافی تحقیقی مواد شائع کیا۔ جس سے چند اقتباسات ہدیہ قارئین ہیں:۔

مخالفین پاکستان کی سرگزشت

☆ مجلس احرار کے جلسے بڑے پر رونق ہوتے تھے' ان کے مقرر شعلہ بیان تھے...... میں نے سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کی قیادت میں احراری مقررین کی تقریریں سنیں...... یہ لوگ پاکستان کے خلاف تقریریں کرتے تھے' قائداعظم کو برا بھلا کہتے اور ہندوؤں کی ہمنوائی میں دھواں دھار تقریریں کرتے۔ وہ مسلمانوں کے جذبہ ایمانی اور تحریک آزادی وطن سے بے خبر تھے' وہ محراب و منبر میں کھڑے ہو کر بھی گاندھی اور نہرو کی تعریف کرتے اور مسلمانوں کو علیحدہ مملکت حاصل کرنے سے ڈراتے تھے...... میں نے لکھنؤ میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی وہ تقریر سنی جس میں انہوں نے جمعیت علماء ہند کے جھنڈے کے نیچے پاکستان کی مخالفت کا عہد لیا' میں نے رام تلائی سیالکوٹ میں ان کی وہ تقریر بھی سنی جس میں وہ پاکستان کے لفظ پر لطیفے سناتے رہے۔ (پیرزادہ اقبال احمد فاروقی' ماہنامہ جہان رضا لاہور جولائی ۱۹۹۴ء ص ۲۸۔۲۹)

☆ تحریک پاکستان کے دوران دیوبند کے ایک زبردست عالم (اور علمائے دیوبند کی نمائندہ جماعت جمعیت علمائے ہند کے صدر) مولانا حسین احمد مدنی ہندو کانگریس کے کیمپ سے وابستہ تھے' وہ تشکیل پاکستان کے خلاف تقریریں کرتے اور ہندوؤں کی حمایت میں بیان بازی کرتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو "ننگ اسلاف" لکھا کرتے تھے' کانگریسی ہندو اس مسلمان عالم دین کے "ننگ اسلاف" کے لقب کے معنی سے ناواقف تھے' انہوں نے دہلی میں "حضرت مدنی" کی زیر صدارت ایک کانفرنس منعقد کی تو بہت بڑا اشتہار چھپا جس میں موٹے حروف میں لکھا تھا "ننگ اسلاف مولانا حسین احمد مدنی" خطاب کریں گے۔ (پیرزادہ اقبال احمد فاروقی' ماہنامہ جہان رضا لاہور جون

۱۹۹۹ء ص ۸)

☆ دارالعلوم (دیوبند) کے ارباب اہتمام اور انگریزی سرکار کے درمیان دوستانہ تعلقات کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ہندو گورنر یوپی کو دارالعلوم میں مدعو کیا گیا اور اس کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا گیا جس پر حکومت وقت کا شکریہ ادا کیا گیا کہ اس پر حکومت ہند نے دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حافظ محمد احمد کو "شمس العلماء" کا خطاب عطا فرما کر علماء کی عزت افزائی فرمائی۔ (پروفیسر ڈاکٹر غلام جعفر یونیورسٹی آف بلوچستان' ماہنامہ جہان رضا لاہور جون' جولائی ۱۹۹۸ء ص ۵۸)

سنی علماء و مشائخ کا مجاہدانہ کردار

☆ حافظ شاہ غلام رسول القادری رحمتہ اللہ علیہ نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اس تحریک کے سلسلہ میں سنی کانفرنس کراچی منعقدہ ۱۲-۱۳ اکتوبر ۱۹۴۶ء کی صدارت آپ ہی نے فرمائی جس میں مولانا عبدالحامد بدایونی' مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی اور علامہ سید محمد اشرفی محدث کچھوچھوی (صدر آل انڈیا سنی کانفرنس) جیسے اکابر علماء نے تقریریں فرمائی تھیں۔ ان تمام تقاریر کو مولانا غلام رسول قادری کے صاحبزادے مولانا علم الدین قادری العلمی نے قلم بند کیا تھا جو اس وقت جمعیت سنی جامعہ قادریہ کراچی کے نائب ناظم تھے۔ یہ تمام تقاریر (ہفت روزہ) دبدبہ سکندری رام پور کی جلد نمبر ۸۴ شمارہ ۴۴-۴۵ مورخہ ۱۱ نومبر ۱۹۴۶ء ص ۳-۴-۵ پر شائع بھی ہوئیں ہیں۔ (پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری' ماہنامہ جہان رضا لاہور اگست' ستمبر ۱۹۹۴ء ص ۱۷-۱۸ حاشیہ)

☆ مولانا ظہور اللہ درس رحمتہ اللہ علیہ آل انڈیا مسلم لیگ کے رکن

رہے اور صوبہ سندھ میں مسلم لیگ کو مقبول بنانے میں اہم کردار ادا کیا' بعد میں آل انڈیا سنی کانفرنس میں شمولیت اختیار کرلی اور کراچی میں "بزم سنیہ" قائم کی۔ اس کے زیر اہتمام ۱۲ اکتوبر ۱۹۴۶ء میں عیدگاہ بندر روڈ پر عظیم الشان آل انڈیا سنی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں جنرل سیکرٹری کی حیثیت سے خطبہ بھی دیا' آپ نے ایک نظم بھی پڑھی جس کے آخری دو شعر ملاحظہ ہوں:۔

لب پہ ساقی کے ہے جاری نام پاکستان پاک
اب کوئی دم میں ملے گا جام پاکستان پاک
میں نے پاکستان کی وہ رٹ لگائی ہے ظہور
لوگ کہتے ہیں مجھے بدنام پاکستان پاک

(پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری' ماہنامہ جہان رضا لاہور اگست' ستمبر ۱۹۹۴ء ص ۲۵)

☆ لوہاری دروازہ (لاہور) کے باہر باغ میں مولانا محمد بخش صاحبؒ بی اے رحمتہ اللہ علیہ تقریر کرتے تھے' ان کا خطاب اکثر "جمعہ کی نماز سے پہلے ہوتا' بڑا مجمع ہوتا' مولانا مسلم "نظریہ پاکستان" پر بات کرتے' احرار کے خلاف بولتے' قائداعظم کی تعریف کرتے اور پاکستان کے قیام کے فوائد بتاتے۔ وہ انگریزی' اردو اور پنجابی زبان میں یکساں تقریر کرتے' خوش آواز تھے' خوش بیان تھے' تقریر میں انگریزی کے جملے روانی سے بول جاتے اور بڑی پرسوز آواز میں شعر کہتے۔ (پیرزادہ اقبال احمد فاروقی' ماہنامہ جہان رضا لاہور جولائی ۱۹۹۴ء ص ۲۷)

☆ ایک دفعہ مسجد وزیر خان میں کانگریسی اور احراری علماء نے ایک بہت بڑے سیاسی جلسے کا اہتمام کیا۔ حضرت مولانا ابو محمد سید دیدار علی شاہ

محدث الوری رحمتہ اللہ علیہ خطیب مسجد ہونے کی حیثیت سے مدعو تھے' آپ نے اسی سٹیج پر اس شدومد سے کانگریس اور احرار کے سیاسی خیالات پر تنقید کی کہ حاضرین جھوم اٹھے اور کانگریسی علماء وہ خیالات اپنے ساتھ ہی لے کر مسجد سے چلے گئے جو لاہور والوں تک پہنچانے کے لئے آئے تھے۔ (علامہ سید محمود احمد رضوی' ماہنامہ جہان رضا لاہور ۱۹۹۳ء ص ۴۵)

☆ حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رحمتہ اللہ علیہ نے برصغیر میں تحریک پاکستان میں زبردست حصہ لیا' نظریہ پاکستان کو ملک سے باہر بھی عام کیا۔ انگلینڈ' مصر' افریقی ممالک میں جہاں کانگریس کے وظیفہ خوار گماشتے پاکستان کے خلاف زہر پھیلا رہے تھے۔ آپ وہاں پہنچ کر "نظریہ پاکستان" کی تشریح کرتے ...... ان کی ان خدمات کے پیش نظر "قائداعظم" نے آپ کو عالم اسلام میں پاکستان کا ترجمان بنا کر بھیجا۔ (پیرزادہ اقبال احمد فاروقی' ماہنامہ جہان رضا لاہور فروری ۱۹۹۲ء ص ۲۰)

☆ میں نے حافظ پیر جماعت علی شاہ صاحب علی پوری رحمتہ اللہ علیہ کو پاکستان کے حق میں اور قائداعظم کی تعریف میں تقریر کرتے ہوئے بارہا سنا۔ وہ لچھے دار تقریر نہیں کرتے تھے' سیدھا سادہ بیان اور سیدھے سادے الفاظ مگر ان کی بات جو سن لیتا' عہد کر کے اٹھتا کہ وہ پاکستان بنائے گا اور قائداعظم کے جھنڈے کے سایہ میں ہندوؤں اور انگریزوں کے خلاف لڑے گا' ان کے جلسہ میں ہزاروں نہیں لاکھوں عقیدت مندوں کا مجمع ہوتا تھا۔ (پیرزادہ اقبال احمد فاروقی' ماہنامہ جہان رضا لاہور جولائی ۱۹۹۴ء ص ۲۸)

☆ ۱۹۴۶ء میں جب تحریک پاکستان فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو چکی تھی اور قیام پاکستان کی مخالف قوتیں اپنے لاؤ لشکر سمیت میدان میں اتری ہوئی تھیں تو اس وقت علماء کے جس گروہ کو قافلہ حق بننے اور دینی محاذ پر

مقدمتہ الجیش ہونے کا اعزاز حاصل ہوا' حضرت غزائی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمتہ اللہ علیہ اسی گروہ علماء کے نامور فرد' اسی قافلہ حق کے ممتاز مسافر اور اسی مقدمتہ الجیش کے جری سپاہی تھے' حضرت پیر سید جماعت علی شاہ' حضرت مولانا ابوالحسنات' حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی ایسے جید مشائخ اور پاکباز علماء کے دوش بدوش ہر شہر اور قریہ میں قیام پاکستان' دو قومی نظریے کے فروغ اور نظریہ پاکستان کے پرچار کے لئے گھومتے نظر آئے (صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی' ماہنامہ جہان رضا لاہور اپریل ۱۹۹۵ ص ۱۹-۲۰)

☆ علمائے اہل سنت بلا استثناء کانگریس کے مخالف تھے' اب موڑ انتہائی سخت آگیا' اس سلسلہ میں یہ بھی ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ گورنمنٹ کے درج فہرست مسلمانوں کی غالب اکثریت اہل سنت و جماعت کی تھی۔ اگر سارے علماء اہل سنت و مشائخ متحدہ طور پر اپنی پوری قوت سے (مسلم) لیگ کی مخالفت کرتے تو لیگ دم توڑ دیتی' اس کا فائدہ کانگریس کو پہنچتا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ آج جن صوبوں پر پاکستان اور بنگلہ دیش قائم ہے' سب کانگریس کے زیر حکومت ہوتے اور آج جس طرح مسلمان کانگریس کے حدود میں ہر میدان میں بری طرح دھکیل دیئے گئے ہیں۔ ان صوبوں میں بھی دھکیل دیئے جاتے' اس خطرناک پوزیشن کو سامنے رکھ کر بہت سے علمائے اہل سنت و مشائخ نے کھل کر مسلم لیگ کا ساتھ دیا جس میں "آل انڈیا سنی کانفرنس" کے عہدیدار پیش پیش تھے...... صدر الافاضل حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے اپنے موقف کا اعلان بانگ دہل ان لفظوں میں کردیا:۔

"علماء و مشائخ اہل سنت اسلامی حکومت کے قیام کی اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور یہ اپنا فرض

سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن کریم اور حدیث نبوی کی روشنی میں حنفی فقہی اصول کے مطابق ہو۔ (ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، شعبہ اسلامیات ہمدرد یونیورسٹی نئی دہلی، ماہنامہ جہان رضا لاہور جنوری، فروری ۱۹۹۵ء ص ۱۹-۲۰)

☆ فروری ۱۹۴۶ء میں صوبائی انتخاب ہونے والا ہے، اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے پچیسویں عرس مبارک منعقدہ ۲۳ تا ۲۵ صفر ۱۳۶۵ھ، ۲۸ تا ۳۰ جنوری ۱۹۴۶ء کے موقع پر علماء و مشائخ نے اہل سنت کی ذہن سازی اور مسلم لیگ کو زبردست طریقے سے کامیاب کرانے کے لئے اپنی تقاریر کا موضوع ہی مسئلہ پاکستان کو بنایا، سٹیج پر جو مقرر آتا ہے، بس اس کا موضوع الیکشن اور پاکستان ہے، حضرت صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی قوم سے خطاب فرمایا اور کانگریس کی مذمت کی۔ مسلم لیگ کی ضرورت اور پاکستان کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے آپ نے دوران تقریر فرمایا:۔

"کانگریس فتنہ عظیمہ ہے، وہ ہندوستان سے مسلمانوں کے استحصال کا ارادہ کرچکی ہے، اس کی بڑی سے بڑی آواز یہی ہے۔ یہی اس کا سوراج ہے، یہی اس کی آزادی ہے، ہم ہمیشہ سے مسلمانوں کو اس کے دام تزویر سے بچانے کی سعی کرتے رہے ہیں۔ علماء اہل سنت مسلمانوں کو اس کے جال میں پھنستا دیکھ کر صبر نہیں کرسکتے۔ اس لئے ہم پوری قوت سے اعلان کر رہے ہیں اور ہماری تمام سنی کانفرنسیں جو ملک کے گوشہ گوشہ میں ہر ہر صوبہ میں قائم ہیں، کانگریس کے مقابلے میں پوری جدوجہد کر رہی ہیں۔ چنانچہ پچھلے الیکشن (نومبر ۱۹۴۵ء) میں ان کانفرنسوں کی کوششیں بہت مفید ثابت ہوئیں۔ اس وقت (فروری ۱۹۴۶ء) میں ہونے والے صوبائی انتخاب کے لئے ہم پھر

یہی اعلان کرتے ہیں۔ (مولانا محمد ارشاد احمد رضوی مصباحی جامعہ اشرفیہ مبارک پور انڈیا' ماہنامہ جہان رضا لاہور ستمبر' اکتوبر ۱۹۹۷ء ص ۵۱-۵۲)

☆ حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی رحمتہ اللہ علیہ نے صف اول میں کھڑے ہو کر پاکستان کی حمایت کا اعلان کیا' صرف سیاسی نہیں' دینی اہمیت کے پیش نظر آپ نے نظریہ پاکستان کے وجود کو ضروری قرار دیا۔ اور اس کی تبلیغ سارے ملک میں کی۔ علمائے اہل سنت اور مشائخ کو حصول پاکستان کے لئے ۱۹۴۶ء میں "سنی کانفرنس بنارس" میں اکٹھا کیا اور تاریخی قرار داد پاس کر کے قائداعظم کو یقین دلایا کہ ان کی پاکستان کے لئے خدمات قابل قدر ہیں اور اعلان کیا کہ اگر خدانخواستہ قائداعظم کسی مقام پر سیاسی دباؤ میں آکر قیام پاکستان کے مطالبہ سے دستبردار بھی ہو جائیں تو برصغیر کے اہل سنت پاکستان کے قیام سے کبھی کنارہ کشی نہیں کریں گے۔ حضرت محدث کچھوچھوی کی سیاسی بصیرت اور خدمات کو قائداعظم بے حد قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور یہی وہ خدمات ہیں جو سنہری حروف میں لکھی جائیں گی۔ (پیرزادہ اقبال احمد فاروقی' ماہنامہ جہان رضا لاہور اگست' ستمبر ۱۹۹۴ء ص ۳۴)

حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمتہ اللہ علیہ کی سرپرستی میں شائع ہونے والے مرکزی مجلس رضا لاہور کے نقیب ماہنامہ "جہان رضا" لاہور سے ماخوذ اس مقالہ سے معلوم ہوا کہ حضرت قبلہ حکیم صاحب کی شروع کی ہوئی تحریک کے تین بنیادی نکات ہیں۔ اول اہل سنت کی قوت کا بھرپور فائدہ اٹھائیں' دوم بدعقیدہ گروہوں سے دور رہیں اور سوم یہ کہ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اپنی مشکلات اور مسائل کا حل تلاش کریں' ہماری جچی تلی رائے یہ ہے کہ اہل سنت کی بقا اور ترقی کا راز ان ہی نکات پر عمل کرنے میں پوشیدہ ہے۔

جلال الدین احمد ڈیروی ایک محنتی سکالر اور محقق ہیں۔ آپ نے اہلسنت کے علمی اور سیاسی کارناموں پر بڑے مقالات لکھے۔ ۱۹۸۰ء سے حکیم محمد موسیٰ امرتسری سے پہلی بار ملاقات ہوئی اور مرکزی مجلس رضا کے مطبوعہ لٹریچر کا بغور مطالعہ کیا۔ اس طرح آپ کا فاضل بریلوی اور افکار رضا سے علمی تعلق قائم ہوا۔ آپ ۲۴ اپریل ۱۹۴۷ء کو موضع رحمانی خیل ڈیرہ اسماعیل خان میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۶۵ء میں میٹرک کیا اور ۱۹۶۸ء میں پنجاب یونیورسٹی سے گریجوایشن کیا۔ فوج میں ملازم رہے اور ایک عرصہ تک مختلف مقامات پر دفاعی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ ملازمت کے دوران آپ نے مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا۔ آپ نے ''حکیم محمد موسیٰ اور تحریک پاکستان''۔ ''حکیم اہلسنت و تحریک بالاکوٹ''۔ ''قائد اہلسنت مولانا شاہ احمد نورانی'' جیسے موضوعات پر بلند پایہ مقالات لکھے۔ ان دنوں وہ اپنے وطن رحمانی خیل میں ریٹائرڈ زندگی بسر کر رہے ہیں مگر علمی تحقیقات میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔

پتا: رحمانی خیل، ڈیرہ اسماعیل خان (سرحد)

حکیمِ مُحمّد مُوسیٰ امرتسری

ایک شجرِ سایہ دار

پھولوں جیسی خوبصورت تحریروں کی راہوں پر چلنے والے نوجوان لکھاری سردار محمد اکرم بٹر کی روح افزا تحریر جس میں سچ کی طرح سادہ اور چاندنی کی طرح اجلے حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی خوبصورت یادوں کی کہکشاں سجی دکھائی دیتی ہے۔

یہ فروری ۱۹۸۲ء کی بات ہے کہ میں نے چند دوستوں کے تعاون سے کاہنہ نو میں انجمن طلبائے اسلام کی تنظیم سازی کرنے کا پروگرام بنایا اور پھر تھوڑے عرصہ میں انتہائی محنتی، وفادار اور مسلک اہل سنت کے جان نثار طلبہ نے مل کر انجمن طلبائے اسلام کو علاقہ کی سب سے مضبوط اور متحرک تنظیم بنا دیا۔ کارکنوں کی تربیت کے لیے "رضا دارالمطالعہ" کے نام سے ایک لائبریری قائم کی گئی جس کے لیے کتب کی تلاش میں سب ساتھیوں نے یکساں حصہ لیا۔

ہمارے ایک بہت ہی مخلص دوست اور بھائی حاجی محمد ارجمند مرحوم (جو عین شباب کی ابتدائی منزلوں میں ہی خالق حقیقی سے جا ملے تھے) کالج سے واپسی پر کتابوں کا ایک بنڈل لیتے آئے۔ پوچھنے پر پتا چلا کہ گوال منڈی میں کسی حکیم محمد موسیٰ امرتسری سے لائے ہیں۔ بتانے لگے کہ حکیم صاحب طلبہ کی سرپرستی بڑی محبت سے کرتے ہیں اور انہوں نے اپنی مرکزی مجلس رضا کی شائع شدہ کتابیں لائبریری کے لیے دینے کا مزید وعدہ فرمایا ہے تو جناب یہ تھا مختصر اور پہلا تعارف ان دیکھے اس عظیم ہستی کا جو اپنی دور کی یگانہ روزگار شخصیت میں سربر آوردہ تھی۔ چند روز بعد میں اپنے دوست حاجی

محمد ارجمند کے ساتھ حکیم صاحب کے مطب پر حاضر ہوا اور پھر یہ سلسلہ وقتاً فوقتاً جاری رہا۔ حتیٰ کہ محقق العصر حکیم اہل سنت ۲ شعبان المعظم ۱۴۲۰ھ بمطابق ۱۷ نومبر ۱۹۹۹ء بروز بدھ ساڑھے بارہ بجے دوپہر مسلک رضا کو قریہ قریہ نگر نگر پھیلانے کے بعد عالم فانی کو چھوڑ کر خلد نشین ہو گئے۔

حکیم اہل سنت کے خاندانی پس منظر اور علاقائی ماحول کے متعلق ممتاز دانشور سید سبط الحسن ضیغم لکھتے ہیں کہ "حکیم فقیر محمد چشتی مان جٹ تھے۔ ان کے والد صاحب بھی حکیم تھے۔ کپور تھلہ سے نقل مکانی کر کے امرتسر پہنچے۔ ان کے بزرگ جراحی کے فن میں یکتائے روزگار تھے۔ اس خاندانی پس منظر اور امرتسر کے عظیم ترین ماحول اور اساتذہ کے فیضان سے امرتسر کی فکری، ذہنی، تہذیبی، ثقافتی، علمی، ادبی اور سیاسی تربیت کی گود میں حکیم محمد موسیٰ پل کر جوان ہوئے"۔ (ماہنامہ مہر و ماہ یادگار موسیٰ)

اب ذرا حکیم صاحب سے پوچھتے ہیں کہ وہ کون تھے اور کہاں سے آئے تو دیکھئے کیا فرماتے ہیں: "میں محمد موسیٰ، ۲۷ اگست ۱۹۲۷ء بمطابق ۲۸ صفر ۱۳۴۶ھ کو امرتسر میں پیدا ہوا۔ والد ماجد کا اسم گرامی فخر الاطباء حکیم فقیر محمد چشتی نظامی امرتسری (متوفی ۱۳۷۱ھ مدفون بجوار حضرت شیخ میاں میر قادری لاہور) قرآن مجید ناظرہ استاذ القراء قاری کریم بخش مرحوم سے پڑھا۔ فارسی کتابیں کریما، پند نامہ، گلستان، بوستاں، سکندر نامہ، زلیخا جامی، احسن القواعد، اخلاق محسنی، بدائع منظوم، مالا بدمنہ اور عربی صرف کا رسالہ قانونچہ کھیوالی مفتی عبدالرحمٰن ہزاروی مدرس مدرسہ نعمانیہ امرتسر سے پڑھیں۔ پھر حضرت مولانا محمد عالم آسی سے استفادہ کیا۔ طب کی سب کتابیں والد ماجد سے پڑھیں اور عملی تربیت بھی انہی سے حاصل کی۔ محمد شفیع پاندہ سے لنڈے پڑھے تاکہ ہندوؤں سے حساب کتاب کرنے میں سہولت ہو۔ تقسیم ملک پر ہجرت کر کے

لاہور میں مقیم ہوگیا۔ تمام بزرگ اور افراد خانہ مذہباً" حنفی اور مشرباً صوفی ہیں۔ احقر کی بیعت حضرت میاں علی محمد خاں صاحب چشتی ہوشیارپوری رحمتہ اللہ علیہ سے ہے۔ حضرت مہر محمد صوبہ نقشبندی کے خلیفہ حاجی علم الدین نے سلسلہ کی اجازت مرحمت فرمائی۔

۱۳۹۳ھ میں مدینہ منورہ کی حاضری اور فریضہ حج کی ادائیگی کا شرف نصیب ہوا۔ مدینہ منورہ دو ماہ سترہ دن حاضری کی سعادت نصیب ہوئی اور شیخ العرب والعجم حضرت مولانا ضیاء الدین احمد قادری رضوی مدنی خلیفہ اعلیٰ حضرت بریلوی، قدس سرہ کی خدمت میں روزانہ حاضری نصیب ہوتی رہی۔ مدینہ پاک کی حاضری کے دوران حضرت مولانا ضیاء الدین احمد قادری، حضرت شیخ محمد حسین رمزی تمیمی اور شیخ الدلائل حضرت شیخ محمد ہاشم شقرون سے دلائل الخیرات اور قصیدہ بردہ شریف کی اجازتیں حاصل کیں۔ حضرت مولانا شیخ ضیاء الدین احمد قادری احقر پر غایت درجہ شفقت فرماتے ہیں اور ہمیشہ دعاؤں میں یاد فرماتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے ۱۳۹۵ھ میں احقر کو سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ اور دیگر سلاسل کی اجازت تحریر فرما کر بھجوائی۔ تصانیف نہ ہونے کے برابر ہیں:

۱۔ مولانا غلام محمد ترنم۔

۲۔ ذکر مغفور۔

۳۔ اذکار جمیل۔

مضامین بھی متعدد تحریر کئے اور بہت سی کتابوں کے مقدمے اور پیش لفظ تحریر کئے جن میں خاص طور پر ۱۔ مقدمہ کشف المحجوب شریف ۲۔ مقدمہ مکتوبات امام ربانی۔ ۳۔ پیش لفظ عباد الرحمٰن (تذکرہ مشائخ بھرچونڈی شریف) ۴۔ مقدمہ شرح قصیدہ غوثیہ لکھے ۱۳۸۸ھ بمطابق

۱۹۶۸ء میں مرکزی مجلس رضا لاہور قائم کی۔ اب میں اس ادارے کا صدر بھی ہوں۔ پیر غلام دستگیر نامی مرحوم و مغفور کے قائم کردہ "ادارہ دائرۃ الاصلاح" کے اشاعتی کام میں بھی نامی صاحب کا معاون رہا۔ افسوس کہ ان کے وصال کے بعد یہ اصلاحی ادارہ جاری نہ رہ سکا۔ (جہان رضا' اگست ۱۹۹۲ء)

یہ مختصر تعارف حکیم محمد موسیٰ نے اپنے دست مبارک سے اپنے ایک ساتھی سید شریف احمد شرافت نوشاہی کو تحریر کر کے دیا تھا۔ ویسے اب تو نوشاہی صاحب بھی اس جہان فانی کو چھوڑ چکے ہیں لیکن یہ دستاویز "ماہنامہ جہان رضا" نے شائع کر کے تاریخ کے حوالہ کر دی۔

محسن اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمتہ اللہ علیہ ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے۔ دور حاضر میں جب قحط الرجال کا دور دورہ ہے' آپ کی شخصیت ایک شجر سایہ دار کی حیثیت رکھتی تھی۔ منافقت' ریاکاری' جہالت اور بے اصولی کے لق و دق صحرا میں اگر گھنی چھاؤں نظر آتی تھی تو وہ صرف آپ کی ذات بابرکات تھی۔ متلاشیان علم و حکمت جب گوہر ہائے تابدار تلاش کرتے کرتے تھک جاتے تو اس سرپرست بوڑھے برگد کی راحت بخش اور ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھ کر اپنے دل و دماغ کو تروتازہ کر لیتے۔

آپ کی شخصیت کا یہ پہلو بہت نمایاں ہے کہ آپ نوجوان دانشور محققین اور طلبہ کی حوصلہ افزائی اور راہنمائی اس انداز سے فرماتے کہ وہ صرف آپ کے ہی ہو کر رہ جاتے۔ ملک بھر اور بیرون ملک کی جامعات میں مختلف علوم میں پی۔ ایچ۔ ڈی اور ایم فل کے بعد طلبہ کو ان کے موضوع کے لیے درکار ماخذ کتابوں کی نشاندہی اور رہنمائی کے لیے آپ ایک معتبر نام کے طور پر جانے جاتے تھے۔ آپ نے اپنی مجلس میں بیٹھنے والوں کو ڈاکٹر' مصنف اور اسکالر بنا دیا۔ حکیم صاحب دراصل ایک ایسے سنگ تراش تھے جو

پتھروں کو تراش تراش کر ہیرے تیار کرتا ہو۔ اور آج اگر دنیائے تصنیف و تحقیق پر نظر دوڑائی جائے تو کتنے ہی نامور محقق اور لکھاری آپ کی تربیت اور سرپرستی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ مثلاً محقق رضویت، مسعود ملت حضرت علامہ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کو ہی دیکھ لیا جائے۔ آپ اگر آج آسمان رضویت کے درخشندہ آفتاب ہیں تو اس کی وجہ صرف اور صرف حکیم محمد موسیٰ کی نظر کرم ہے۔ موصوف ڈاکٹر صاحب نے راقم الحروف کو ایک مکتوب میں اس تاریخی حقیقت کا یوں اعتراف کیا ہے کہ میں کئی سال سے لکھ رہا تھا لیکن میری تحریریں دیگر مضامین اور عنوانات کی حامل ہوتی تھیں اور اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق میں نے کبھی کچھ نہیں لکھا تھا لیکن ۱۹۷۰ء میں حکیم محمد موسیٰ صاحب نے میری توجہ اس طرف مبذول کرائی اور میں نے جہان رضویت پر تحقیق شروع کر دی اور آج جو کچھ بھی میں نے امام رضا پر لکھا ہے وہ حکیم صاحب کی نظر کرم اور راہنمائی کا نتیجہ ہے۔

یہ وہ حقائق ہیں جن سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔ دراصل حکیم صاحب نے اپنی ذات کو اشاعت رضویت کے لیے مکمل طور پر وقف کر دیا تھا۔ کیونکہ امام احمد رضا بریلوی کی کوہ قامت شخصیت اپنوں اور عزیزوں کی مہربانی سے تاریخ کے دھندلکوں میں گم ہو رہی تھی۔ اغیار کی مخالفت گو سمجھ میں آتی تھی کہ امام احمد رضا نے ان کی منافقت، بے ایمان، بد عقیدگی اور ملک و ملت کی دشمنی کے پردے چاک کئے تھے۔ ان کی مکروہ سازشوں کو عوام کے سامنے بے نقاب کیا تھا لیکن اپنوں نے بھی امام احمد رضا کے ساتھ کوئی اچھا اور قابل تعریف سلوک نہیں کیا تھا مثلاً اکثر مشائخ جن کا تعلق پاکستان سے تھا، وہ تو ویسے ہی اعلیٰ حضرت کو ایک مولوی سمجھ کر آپ کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے جبکہ علماء کرام کو اپنے اپنے مدارس اور دیگر مشاغل سے

فرصت کے نہ ہونے سے امام احمد رضا سے لگاؤ اور واسطہ نہ رہا اور پھر وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ احمد رضا ایک متنازعہ شخصیت ہے جس نے اہل دیوبند اور دیگر قوم پرست مولویوں کو کافر کہا ہے۔ اس لیے عام لوگ کفر کے فتوے لگانے والے مولوی کو پسند نہیں کرتے تھے اس لیے وہ اس طرح ان کے ساتھ اپنا واسطہ نہیں بنانا چاہتے تھے اور اب بھی بہت سے پیر خانے اور مولوی حضرات ایسے ہیں جو امام احمد کا صرف "سلام" اور نعت پڑھنے سننے کی حد تک ہی ان کی بات سنتے ہیں ورنہ ان کے علمی مقام سے بے خبر ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ المیہ بھی ہوا کہ تقسیم ملک کے بعد مکتبہ دیوبند اور غیر مقلد طبقہ سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے انڈیا اور پاکستان کے سرکاری اداروں میں تسلط حاصل کر کے اہل سنت کے اکابرین کو تاریخ کے صفحات سے مٹانے کی جدوجہد شروع کر دی اور اہل سنت اعراس، گیارھویں اور ختمات مبارکہ میں مشغول ہو کر ملکی سیاست سے دور چلے گئے جس سے امام احمد رضا اور ان کے خلفاء و تلامذہ کا کردار تحریک آزادی سے غائب کر دیا گیا۔ ان حالات میں حکیم محمد موسیٰ کی سوچ میں کس طرح انقلاب آیا۔ اسے سمجھنے کے لیے دیکھتے ہیں "ماہنامہ ساحل کراچی" بابت مارچ ۱۹۹۳ء جس میں ایک تاریخی انٹرویو دیتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں حکیم صاحب فرماتے ہیں کہ "مطالعہ میرا شروع سے شغف رہا ہے۔ میرے مطالعہ کے نتیجہ میں مجھے اس بات نے پریشان کیا کہ تحریک پاکستان کی تاریخ میں ان علماء نے کہ جنہوں نے کھل کر پاکستان کی مخالفت کی اور انگریزوں کی کاسہ لیسی کی، ان کا تذکرہ تو ہیرو کے طور پر ملتا ہے اور اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی کے جن کے حوالہ سے تاریخ میں انگریز دوستی یا تعلق کا کوئی حوالہ نہیں ملتا، بلکہ انگریزوں کے شدید مخالف نظر آتے ہیں، ان کا سرے سے کوئی تذکرہ ہی

نہیں ہے۔ ان سوالات کو دیوبندی سکالر پروفیسر محمد ایوب قادری جو کہ لاہور جب بھی تشریف لاتے، میرے ہاں قیام کرتے تھے، میں ان سے اکثر کہا کرتا تھا کہ یہ تاریخی بددیانتی کیوں برتی جا رہی ہے مگر کیونکہ ان کا دیوبندیت کی طرف زیادہ جھکاؤ تھا اس لیے وہ میرے سوال کا جواب گول کر جاتے جس سے مجھے اعلیٰ حضرت کے بارے میں پڑھنے کی جستجو پیدا ہوئی۔ یہ ۶۰ء کی بات ہے، میں نے اعلیٰ حضرت کی تصانیف جو اس وقت نایاب تھیں، تلاش کر کے پڑھیں اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ فاضل بریلوی حالیہ تاریخ کی ایک مظلوم شخصیت ہیں۔ لہٰذا میں نے اس پر کام کرنے کا ارادہ کیا"۔

آپ نے چونکہ خاندانی ورثے میں علم کی لگن اور کتب دوستی کا جذبہ پایا تھا، اس لیے چوک فرید امرتسر سے لے کر رام گلی پھر ۵۵ ریلوے روڈ کے مرکز تک یہ سفر بڑے اچھے انداز میں جاری رکھا۔ آپ کے والد گرامی کے پاس امرتسر میں کتب کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ جس میں ۲۵ ہزار کتابیں تھیں، ساحل کو انٹرویو دیتے ہوئے حکیم صاحب فرماتے ہیں کہ

"۴ ستمبر کو جب فسادات شروع ہوئے تو پہلے ہی دن بلوائیوں نے ایک بڑا حملہ کیا۔ ہمارا علاقہ چوک فرید جو کہ مسلمانوں کا سب سے سب مضبوط علاقہ تھا، اس علاقہ میں ایم۔ اے۔ او کالج تھا۔ شیخ صادق حسن اور دیگر مسلم لیگی بھی یہیں رہتے تھے۔ بلوائیوں نے کافی اسلحہ کے ساتھ جب ہمارے محلّہ پر حملہ کیا تو نوجوانوں نے بڑی ہمت کے ساتھ ان کے حملے کو تو ناکام بنا دیا۔ مگر جاتے ہوئے بلوائیوں نے ہمارا کتب خانہ اور دواخانہ جو کہ آبادی سے باہر بازار کے علاقہ میں تھے، آگ لگا دی۔ یہ آگ اتنی بڑی تھی کہ اس وقت لاہور تک اس کے شعلے دکھائی دیتے۔

ہمارا کتب خانہ چونکہ امرتسر میں سب سے بڑا کتب خانہ تھا اس میں

پچیس ہزار کتابیں تھیں تو اس وقت لوگ والد صاحب سے افسوس کرنے آئے تو آپ کے الفاظ یہ تھے کہ جب پاکستان بن جائے گا تو ہم یہ سمجھیں گے کہ ہماری قربانی قبول ہو گئی۔ (ماہنامہ ساحل' مارچ ۹۳ء)

حکیم صاحب کے مطب پر سجنے والی محافل و مجالس بڑی اہمیت کی حامل ہوتی تھیں کیونکہ ان مجالس کے شرکا اپنے دور کے دانشور' محقق' ادیب' عالم' مفسر' محدث اور ریسرچ سکالرز ہوتے تھے۔ سادہ سی شخصیت کے مالک حکیم محمد موسیٰ اس انگوٹھی میں نگینہ کی طرح چمک رہے ہوتے تھے۔

۱۹۶۸ء میں آپ نے قلزم علم و عرفاں' وارث ابوحنیفہ و جنید' جانشین امام ربانی' مجدد الف ثانی نام لیوائے شاہ جیلاں بوصیری وقت' سند المحدثین' فخر المدرسین' سیدی و سندی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کے انوار و تجلیات کو عام کرنے کے لیے مرکزی مجلس رضا لاہور کی بنیاد رکھی۔ ابتدا میں قاضی عبدالنبی کوکب جیسے عالم دین آپ کے معاون ہوئے۔ اس وقت کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ مجلس آئندہ چل کر عظیم جامعہ کی شکل اختیار کر لے گی۔ مرکزی مجلس رضا کے پروگرام میں دو امور کو خاص اہمیت دی گئی تھی۔

۱۔ اعلیٰ حضرت پر لٹریچر کی اشاعت

۲۔ عوام و خواص کو اعلیٰ حضرت کی ذات گرامی سے روشناس کروانے کے لیے جلسہ "یوم رضا" کا ہر سال باقاعدگی سے انعقاد۔

یہ جلسہ کئی سالوں سے مسلسل جامع مسجد نوری ریلوے اسٹیشن میں ہوتا رہا۔

مرکزی مجلس رضا کے قیام سے لوگوں میں امام احمد رضا پر بحث شروع ہو گئی۔ آپ کی ذات ستودہ صفات کے متعلق پھیلائے گئے شکوک و

شبہات آہستہ آہستہ دور ہونے لگے۔ اپنے اور غیر سبھی آپ کی شخصیت کے متعلق جاننے کی جستجو میں لگ گئے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اپنے دور، نہیں نہیں اپنی صدی کا مظلوم ترین احمد رضا تاریخ کے دھندلکوں سے ابھر کر لکھنے اور تحقیق کرنے والوں کے دلوں کی آواز بن گیا۔ مرکزی مجلس رضا نے حکیم محمد موسیٰ کی زیر نگرانی چند سالوں میں اتنا کام کر لیا جو شاید بڑے بڑے ادارے عشروں میں نہ کر سکتے۔ امام احمد رضا کی تصانیف ڈھونڈ کر لائبریریوں اور کتب خانوں سے حاصل کی جاتیں اور پھر انہیں منظم انداز میں جدید تقاضوں کے مطابق شائع کر کے مفت تقسیم کیا جاتا۔ عوام اہل سنت کی توجہ مجلس کی طرف مبذول ہوئی۔ تعاون بڑھتا گیا۔ امام احمد رضا کی شخصیت نکھر کر ایک یگانہ روزگار ہستی کے روپ میں سامنے آگئی۔

سالانہ یوم رضا تعلیمات رضا کی تشہیر کا ایک موثر انداز تھا۔ اس پروگرام میں بڑے بڑے محدثین، مشائخ، علماء، مدرسین، پروفیسر اور نامور لکھاری امام احمد رضا کے حضور سپاس عقیدت پیش کرنے کے لیے حاضر ہوتے۔ تنگی داماں سے میں ان سب مشاہیر کے نام نہیں لکھ سکتا۔ حالانکہ حکیم صاحب نے مکمل ریکارڈ رکھا تھا۔ "مقالات یوم رضا" شائع کئے جاتے۔ کام بڑھتا گیا۔ تعمیراتی منصوبے شروع ہوئے۔ چاہ میراں میں مسجد رضا۔ مدرسہ ضیاء الاسلام، رضا فری ڈسپنسری رضا لائبریری کے نام سے کام شروع ہو گیا۔

اور پھر اندرون و بیرون ملک کلیم طور رضا کے تذکرے امام احمد رضا کے ترجمان کی حیثیت سے ہونے لگے۔ مجلس نے صرف تصانیف ہی شائع نہیں کیں بلکہ بڑے پڑھے لکھنے والے پیدا کئے۔ حکیم صاحب کی ترغیب سے کئی اچھے اچھے لکھنے والے میدان میں اپنے فن کی جولانیاں دکھانے لگے۔

لیکن افسوس ناک بات یہ ہوئی کہ اس کے ساتھ ساتھ آستین کے سانپ بھی پلتے رہے۔ پیسہ خور مولوی، لالچی دنیا دار لوگ جو مصلح کے روپ میں حکیم صاحب کے ساتھ تھے۔ وقت بدلتے ہی اصلی روپ میں واپس آ گئے۔ حکیم صاحب ایک حادثے سے دوچار ہوئے تو یار لوگوں نے موقع غنیمت جان کر لوٹ مار شروع کر دی اور اپنے ہی گھر کو لوٹ کر فرار ہو گئے۔ لیکن عزم و استقلال کے اس کوہ گراں کے پائے استقلال میں ذرا بھی جنبش نہ آئی اور آپریشن کے بعد جب آنکھیں درست ہوئیں تو اپنے لٹے ہوئے قافلہ کے ساتھ پھر سفر شروع کر دیا۔ حکیم صاحب نے لکھنے والوں کو کبھی مایوس نہیں کیا۔ طلبہ کی سرپرستی کرنا آپ کا مشن تھا۔ لیکن ایک بات ہے۔ مولویوں سے انہیں خاص چڑ تھی۔ فضول وعظ فروش اور سوداگر قسم کے مولوی حکیم صاحب کے مطب پر نہیں جا سکتے تھے۔ حکیم صاحب بلا جھجک اسے بیوپاریوں کو لعن طعن کرتے تھے۔ آپ نے اپنے خطوط کے ذریعہ بھی پیغام رضا کو عام کرنے کی بڑی جدوجہد کی۔ اگر کوئی صاحب آپ کے مکتوبات کا مجموعہ مرتب کرائے تو مسلک رضا کی بڑی خدمت ہوگی۔ خلیل احمد رانا جہانیان منڈی اور علامہ محمد عالم مختار حق نے چند خطوط جہان رضا اور ماہنامہ مہرو ماہ میں شائع کرائے ہیں جن کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملکی و ملی مسائل اور اسلام دشمن طاقتوں کے مکروہ عزائم سے آپ کس طرح باخبر تھے اور ان کے سدباب کے لیے لکھنے والے احباب کی کس طرح حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔

ہوا تھی گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا تھا
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے تھے انداز خسروانہ

آپ کی جدوجہد کے نتیجہ میں آج یہ کیفیت ہے کہ بڑی بڑی عالمی

جامعات اور مدارس میں امام احمد پر ریسرچ ہو رہی ہے۔ آپ کی زندگی کے مختلف گوشوں پر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں حاصل کرنے کے لیے ریسرچ سکالر سرگرداں ہیں۔

آج مرکزی مجلس رضا سے بے شمار انجمنیں، مجلسیں، ادارے، اکیڈمیاں، اندرون بیرون ملک افکار رضا کی اشاعت کے لیے مصروف کار ہیں اور یہ فیضان بڑھتا جا رہا ہے۔ حکیم محمد موسیٰ نے دیگر کارہائے نمایاں کے علاوہ ایک بہت بڑا کارنامہ یہ انجام دیا ہے کہ اپنا تمام علمی ذخیرہ، ظاہری حیات میں پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے حوالہ کر دیا۔

سید جمیل احمد رضوی ڈپٹی چیف لائبریرین پنجاب یونیورسٹی لائبریری یوں رقمطراز ہیں کہ "حکیم صاحب نے راقم کے نام ایک مکتوب ۲۴ جون ۱۹۸۹ء کو ارسال کیا کہ میں اپنی تمام کتابیں پنجاب یونیورسٹی کو بطور تحفہ دینا چاہتا ہوں۔ آپ کا ادارہ مجھے کیا کیا مراعات دے گا۔ اس چٹھی کے مطابق چیف لائبریرین سے مشورہ کر کے ۱۷ جولائی ۸۹ء کو میں نے حکیم صاحب کے مطب پر جا کر ملاقات کی تفصیلی گفتگو کے بعد چیف لائبریرین کو رپورٹ دی۔ چنانچہ ۱۴ اگست ۸۹ء کو حکیم صاحب کو مکتوب نمبر ۶۹۸ ایل ارسال کیا گیا جس میں حکیم صاحب کی شرائط کو تسلیم کر لیا گیا۔ اس کے بعد فہرست سازی کی گئی اور ۲۴ دسمبر ۱۹۸۹ء کو یہ علمی ذخیرہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں منتقل کر دیا گیا۔ اس ذخیرے میں عربی، فارسی، اردو، پنجابی اور انگریزی کی کتب شامل ہیں۔ چند کتابیں پشتو، سندھی اور ترکی میں بھی ہیں۔

ذخیرہ کتب میں اس وقت گیارہ ہزار کتابیں ہیں (بشمول جلدیں نسخے) فہرست کتب کی تین جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ (کتابوں کی کہانی۔ سید جمیل احمد رضوی)

حکیم صاحب نے زندگی بھر جدوجہد پر یقین رکھا ہے۔ اور راستے میں آنے والا ہر پتھر پائے حقارت سے ٹھکرا دیا ہے۔ آپ کسی درسگاہ کے سجادہ نشین نہیں تھے اور نہ ہی کسی بڑی جامعہ کے مہتمم لیکن اہل سنت کے تمام سیاسی، غیر سیاسی، قائدین علماء، مشائخ آپ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ آج کل آپ کے اس مشن کی اشاعت کے لیے بڑے بڑے ادارے اور شخصیات کوشاں ہیں جسے آپ کی تنہا جدوجہد نے کامیاب بنایا تھا۔ آج یوں محسوس ہوتا ہے کہ

اب تیز تر ہے دھوپ کوئی سائباں نہیں
جائیں کہاں طیور کوئی آشیاں نہیں
رک کر ملے پناہ بجھے تشنگی جہاں
رستے میں اب کوئی ایسا مکاں نہیں

-------- اور --------

شہر صبا میں اب کوئی پیر مغاں , نہیں

سردار محمد اکرم صاحب بٹر ایم۔اے، چوہدری محمد صدیق بٹر کے فرزند ارجمند ہیں۔ کاہنہ نو لاہور میں ۲۹ ستمبر ۱۹۵۹ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی ''تشکیل پاکستان'' کے بعد بھارتی پنجاب سے ہجرت کر کے لاہور کے نواحی قصبہ کاہنہ میں آباد ہوئے۔ آپ نے ۱۹۸۱ء میں مکینیکل انجینئرنگ کا ڈپلومہ حاصل کیا۔ ۱۹۸۳ء میں غزالی زماں حضرت مولانا احمد سعید کاظمی سے بیعت ہوئے۔ پنجاب یونیورسٹی سے اردو، اسلامیات اور ایم اے پولیٹیکل سائنس کیا اور فکر رضا سے متاثر ہو کر ''مرکزی مجلس رضا لاہور'' کے لٹریچر کا گہرا مطالعہ کیا اور حکیم صاحب سے اعتقادی اور علمی رابطہ کر لیا۔

۱۹۸۹ء میں ''الجمعیت الدعوت العالمیہ لیبیا'' کی دعوت پر طرابلس کی گرین ورلڈ انسٹی ٹیوٹ میں زیر تربیت رہے۔ ۱۹۸۲ء میں انجمن طلبائے اسلام کے مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ ۱۹۸۶ء میں حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی مجالس میں آنے لگے۔ سیاسی طور پر ۱۹۸۶ء سے جمعیۃ العلماء پاکستان کے مختلف عہدوں پر کام کرتے رہے۔

پتا: ادارہ 'نوید سحر' کاہنہ نو' لاہور...... فون: 5272079

بہ ہجرانِ گلِ رعنا بنالیم

ڈاکٹر احمد حسین قریشی قلعداری نے حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی رحلت پر زبردست ہدیہ غم پیش کیا ہے۔ یہ مرثیہ بھی ہے، نوحہ بھی ہے، غمنامہ دل بھی ہے۔ کاش حکیم مرحوم اسے قریشی صاحب کی زبان سے سنتے، یا لکھا ہوا مرثیہ پڑھتے تو داد دیتے اور خوش ہو کر کہتے ؎

قریشیا ! باز بگو آنچہ برحالِ من گفتہ !

گویم بکہ چہ شد؟ کہ سکوں درمیاں نماند
از دل قرار رفت بجانہا اماں نماند

غوغا فتاد موسیٰ امرتسری مُرد
شورے فتاد رونقِ بزمِ جہاں نماند

تقدیر را نمایش ہمت چوراہ نمود
تدبیر را کشایش زور جواں نماند

از دہر آہ معالج آزارہا برفت
در جسم جاں قرار و سکوں ہم عناں نماند

ماہر طبیب از وے طبابت فروغ یافت
دانائے رفت حکمت یونانیاں نماند

دانا حکیم ماہر رمز آشنائے درد
وا حسرتا نشان مسیح زماں نماند

علم و ادب را عزت تعمیر رفت آہ
آں ذوق و شوق علم سوئے عالماں نماند

از بزم دہر سطوت دانشوری گزشت
از رفتن او شوق را جولانیاں نماند

باخود ربود حکمت و آب زلال علم
تسکیں شوق زاں پے لب تشنگاں نماند

تحقیق را خراج تفحص نہاں شدہ
تدبیر جستجوئے فنون جہاں نماند

فریاد می کنند کتب در فراق او
نوحہ کنند آں را کنوں دوستاں نماند

آں بحر. علم بود ہم کوہ گراں فقر
چوں رفت اوآں عظمت ہم این و آں نماند

آں نامدار دولت حق آگہی برفت
آں تاجدار کشور دانشوراں نماند

دانائے بود کاملے در علم معرفت
در بزم عشق شیوۂ دیوانگاں نماند

ہر وقت ذکر شیخ و مشائخ بہ محفلش
بودے برفت و رونق روحانیاں نماند

آں کامگار حلقہ نعمانیاں برفت
آں سوار عرصہ عرفانیاں نماند

دردا کہ رو نمود بیاراں قیامتے
غوغائے رستا خیز کہ تسکیں جاں نماند

از رفتن او محفل یاراں است سوگوار
آہ و فغاں است مخلص ہمراہیاں نماند

نوحہ کنند در غمش خرد و. کلاں شہر
درد و دریغ مونس پیر و جواں نماند

خستہ دلاں را بود او غمخوار دل نواز
او رفت آہ راحت دلخستگاں نماند
از جان و دل نمودے بہ ہر کس مروتے
وا حسرتا کساں را کسے مہرباں نماند
در دل قرار داشتے از دیں مصطفیٰ
او رفت آں ساں جذبہ دیں بروراں نماند
خدمت گزار رفعت اسلامیاں گزشت
دلدار دوستاں پے روحانیاں نماند
دانائے بود برسرش نازاں فراستے
رعنائے بود رونق رعنائیاں نماند
از رفتن او رشتہ وجدانیاں گسست
در وا فدائے شیوۂ اسلامیاں نماند
پیرِ ایثار مے شمرد بے ہر نشاط سود
اکنوں کسے را حکمت سود و زیاں نماند
آں جاں فدائے شیوہ "احمد رضا" بمرد
آں راہ گرائے عظمت عالی نشاں نماند
باخود رضا و حکمت "احمد رضا" ربود
آں "مجلس رضا" را کنوں آں جہاں نماند
"اقبال پیرزادہ" را زو بود ہمتے
"مسعود" را وفائے سر دلبراں نماند
"مختار دین احمد" عالی نشاں را
یار وفا شعار مئے نکتہ داں نماند

"مہجور" گشت محفل یاراں ز لطف او
معروف کس نماند چوں "عارف" نشاں نماند

دیرینہ یار بود مرا از زمان دور
آں ساں دریغ و حسرتا دور زماں نماند

یاد آورم محافل یاراں آں زماں
رفت از جہاں "شرافت" و ایں درمیاں نماند

در محفلش خورد و اعیاں بود روشنی
آں روشنی نماند ہم آں ضوفشاں نماند

او بود پاسباں غریباں و غمزداں
کس پاسباں ورائے پس ماندگاں نماند

دستور روزگار ہمیں است از ازل
ہرگز کسے بدور جہاں جاوداں نماند

من بہر یادگار او تاریخ گفتہ ام
چوں بہر یادگار او چیزے عیاں نماند

سالش عظیم گلشن و تعظیم ہم گزشت
۱۴۲۰ھ
دیگر ز عیش و عشرت نام و نشاں نماند
۱۹۹۹ء

باراں لطف و رحمت حق بر مزار او
بارد عیاں کہ چیزے بجز ایں دراں نماند

ایں را خدا بہ گلشن جنت مکاں دہد
آں را قرار کا نرا کسے پاسباں نماند

ایک جامع کمالات شخصیت

پروفیسر حفیظ تائب ایم اے نعت کے مرغزاروں کی نوائے دلآویز ہیں۔ وہ تیس سال تک حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی جامع کمالات شخصیت کی مجالس میں بیٹھتے رہے اور محافل کی زینت بنے رہے۔ آپ نے انہیں شاید کبھی ایسی مجالس میں نہ دیکھا ہو مگر آج وہ اپنے قلم کی نورانیت بکھیرتے ہوئے مہ پارے لے کر آپ کو دعوتِ مطالعہ دے رہے ہیں۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمتہ اللہ علیہ عشق و آگہی کی یکجائی کی نہایت عمدہ مثال تھے۔ انہوں نے ذاتی علالت اور پے در پے شدید سانحات میں جس صبر و استقامت کا ثبوت دیا وہ اپنا جواب آپ تھا۔ ان کا مطب اگلے وقتوں کی یادیں تازہ کرتا تھا۔ وہاں جسمانی مریضوں کے ساتھ تشنگان علم و روحانیات اور علماء و ادباء و شعراء کا ہر وقت جمگھٹا رہتا تھا اور ہر کسی کی حسب ضرورت خدمت ہوتی تھی۔ اہل تحقیق کی بھرپور رہنمائی فرماتے تھے۔

حکیم صاحب نے "مرکزی مجلس رضا" کی طرح ڈال کر فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیمات و تصانیف کے ساتھ ان کی نعتیہ شاعری کو عام کرنے میں ایسی خدمات سرانجام دیں جنہوں نے اہل سنت کے خوش عقیدہ مسلمانوں کو اعتماد و اعتبار بخشا۔ اس ادارے کے ذریعے انہوں نے اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے علمی و ادبی مرتبے کو روشناس کرانے میں بہت اہم کردار ادا کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہزارہا وقیع و رفیع صفحات سامنے آ گئے۔ جبکہ اس ادارے کے قیام سے پہلے اعلیٰ حضرت کے بارے میں نہ ہونے کے برابر معلومات بہم تھیں۔ مجھے یاد ہے کہ

۱۹۵۲ء میں جب میں نے نعت گو شعراء پر کام شروع کیا تھا تو تذکروں میں امیر مینائی و محسن کاکوروی کے علاوہ کسی نعت گو کا سرے سے ذکر ہی موجود نہ تھا۔ چنانچہ میں نے اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے شیخ الحدیث مولانا محمد سردار احمد رحمتہ اللہ علیہ سے رجوع کیا اور انہوں نے میرے خط کے جواب میں لکھا کہ آپ دارالعلوم حزب الاحناف کاوگر سے رسالہ ''الوصایا شریف'' حاصل کریں کہ اس میں اعلیٰ حضرت کے مختصر حالات موجود ہیں۔

ساغر صدیقی کی وفات کے بعد میں نے ان کی نعتیہ شاعری پر مضمون لکھنے کا ارادہ کیا تو حکیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے امرتسر کے نعت نگاروں اور ساغر صدیقی کی نعت خوانی و نعت گوئی کی ابتدا کے بارے میں بہت ساری تفصیلات بہم کردیں۔ پھر جب محمد سلیم چودھری نے ۱۹۹۶ء میں کتاب ''شعرائے امرتسر کی نعتیہ شاعری'' تالیف کی تو انہیں حکیم صاحب کی رہنمائی حاصل رہی۔ چنانچہ انہوں نے حرف آغاز میں لکھا ''زیر نظر تصنیف کی تیاری کے سلسلے میں جس شخصیت کی ترغیب و تعاون سے یہ کتاب پایہ تکمیل پہنچانے میں کامیاب ہوا' ان میں جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری دامت برکاتہم کی شفیق شخصیت کا میں خاص طور پر ذکر کرنا مناسب خیال کروں گا کہ جنہوں نے متنوع موضوعات پر ہر فکر کے لکھنے والوں کی ہمیشہ حوصلہ افزائی فرمائی اور میں خود بھی ان کی شخصیت سے مستفید ہوا اور انہوں نے میری ہر مرحلے پر رہنمائی فرمائی''۔ آگے چل کر محمد سلیم چودھری حکیم صاحب کے علمی صدقہ جاریہ کا یوں ذکر کرتے ہیں ''اس کے ساتھ ساتھ میں سید جمیل احمد رضوی صاحب' ڈپٹی چیف لائبریرین پنجاب یونیورسٹی لائبریری (جو اب چیف لائبریرین ہیں) کا بھی ممنون ہوں کہ جن کے خصوصی تعاون سے مجھے (ذخیرۂ کتب حکیم محمد موسیٰ

امرتسری) کو متعدد بار دیکھنے کا موقع ملا۔

حکیم صاحب کی شاعرانہ بصیرت اور حدود شناسی بھی کمال تھی۔ میں نے ایک بار "سنی رائٹرز گلڈ" میں اپنی ایک نعت تنقید کے لیے پیش کی تو سب شرکائے محفل نے، جن میں حکیم صاحب بھی شامل تھے کہہ دیا کہ نعت تنقید سے بالا ہے لیکن جب محفل برخواست ہوئی تو حکیم صاحب نے مجھے الگ کر کے فرمایا کہ آپ نے مطلع میں جو خالق کو حضور علیہ السلام کا "شیدا" کہا ہے، اس پر دوبارہ غور فرمائیے گا۔ میں نے جواباً عرض کیا کہ علامہ اقبال نے تو یہاں تک کہا ہے ؎

تو بر نخل کلیمی بے محابا شعلہ می ریزی
تو بر شمع یتیمی صورت پروانہ می آئی

یہ سن کر حکیم صاحب نے اپنی رائے پر اصرار نہ فرمایا مگر میں نے اپنا مطلع ان کے اشارے کے مطابق تبدیل کر لیا۔ مطلع کی پہلی صورت یوں تھی، جسے پروفیسر محمد اقبال جاوید نے ماہنامہ "محفل" لاہور کے خیرالبشر نمبر کے حوالے سے اپنی کتاب "بیسویں صدی کے رسول نمبر" میں محفوظ کیا ہے۔ ؎

اے ہادی دارین، مقدر گر آفاق
خالق ترا شیدا ہے خلائق تری مشتاق

اس شعر کی تبدیل شدہ صورت یوں بنی جو میری کتاب "وسلموا تسلیما" کے صفحہ ۱۱۱ پر درج ہے ؎

اے ہادی دارین، مقدر گر آفاق
مخلوق فدا تجھ پہ ہے خالق ترا مشتاق

حکیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے انفرادی طور پر اتنے گراں قدر علمی و تحقیقی مضامین لکھے جنہیں اکٹھا کریں تو کئی کتابیں بن سکتی ہیں۔ "کشف المحجوب"

(مترجمہ حضرت مولانا ابوالحسنات) اور مکتوبات مجدد الف ثانی (مرتبہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی) کے فارسی متن اور اردو ترجمہ پر لکھے ہوئے مقدمات علم و عرفان کے شاہکار ہیں۔ سنا ہے حکیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے قصیدہ غوثیہ کی شرح مولانا عبدالمالک کھوڑی مرحوم پر بھی ایک شاندار مقدمہ لکھا تھا۔

نقوش لاہور نمبر، جلد دوم میں آپ کا مضمون اطبا (عہد مغلیہ سے دور حاضر تک) ایک مستقل تصنیف ہے جو مذکورہ نمبر کے صفحہ ۷۹۸ سے ۸۳۸ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس مضمون کی تیاری میں جن کتابوں اور رسالوں سے استفادہ کیا گیا ہے، وہ اس طرح ہیں:

عمل صالح (شاہجہان نامہ) مآثر الامرا، بادشاہ نامہ، توزک جہانگیری، تذکرہ قطبیہ، خزینتہ الاصفیاء، گنج تاریخ، نزہت الخواطر (عربی) مطبوعہ حیدر آباد دکن، تاریخ جلیلہ، تاریخ لاہور از کنہیا لال، تحقیقات چشتی، مخزن حکمت از مفتی غلام سرور لاہوری، قاموس المشاہیر ہر دو جلد، فرہنگ امیر کبیر مطبوعہ ایران، سلیم التواریخ، مجربات کانفرنس، حیات کانفرنس، رموز الاطباء، اسرار الاطباء، رجز فغفوری، رئیسان پنجاب، مآثر لاہور از سعید ہاشمی، مہاراجہ رنجیت سنگھ از سیتا رام کوہلی، اطبائے عہد مغلیہ از کوثر چاند پوری، رسالہ "الحکیم" لاہور، رسالہ "ہمدرد صحت" کراچی، مجلّہ "طیبہ" لاہور (بزرگان ہنود قلمی)۔

"نقوش آپ بیتی" میں حضرت مخدوم علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش کی جو آپ بیتی شامل ہے اس کے آخر میں درج ہے (ترتیب حکیم محمد موسیٰ امرتسری) مجھے کسی معتبر شخص نے فون پر بتایا تھا (نام یاد نہیں آرہا) کہ مذکورہ نمبر میں شامل حضرت شاہ محمد غوث رحمتہ اللہ علیہ (وصال بمقام لاہور ۱۱۷۷ ہجری) کی آپ بیتی کے علاوہ کئی اور آپ بیتیاں حکیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی ترتیب دی ہوی ہیں اور ان کی نشان دہی حکیم صاحب نے پروفیسر چودھری محمد صدیق کو کر

دی ہوئی ہے، جو اس سلسلے میں کچھ تحقیق کر رہے ہیں۔ پروفیسر صاحب چودھری محمد صدیق جو غالباً اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور میں اردو / فارسی کے استاد ہیں، سے التماس ہے کہ وہ حکیم صاحب کی ترتیب دی ہوئی آپ بیتیوں کو الگ کتابی شکل دیں۔

آپ بیتیوں نے غالباً انہیں حدیث مبارکہ پر مبنی کتاب سیرت کی راہ سجھائی اور انہوں نے کتاب "انا النبی لا کذب" لکھنی شروع کی اور پہلا باب لکھ کر ماہنامہ "عرفات" لاہور کو اشاعت کے لیے بھیجا اور اپنے پاس اس کی نقل نہ رکھی۔ اب ماہنامہ "عرفات" کے کارپردازان تھوڑی سی کوشش کریں تو شاید وہ مسودہ مل جائے اور ان خطوط پر سیرت کی کتاب لکھی جا سکے۔

حکیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی برصغیر پاک و ہند کے علاوہ حرمین شریفین کے علماء اور دوسری بزرگ شخصیات میں بڑی عزت و توقیر تھی اور وہ ان لوگوں کو علمی و طبی تحائف بھجواتے رہتے تھے۔ میں جب ۱۹۷۶ء میں حج بیت اللہ کے بعد مدینہ منورہ میں حاضر ہوا تو حکیم صاحب کا ایک مراسلہ اور دوا لے کر مولانا ضیاء الدین مدنی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ وقت مولانا کے آرام کا وقت تھا۔ اس کے باوجود حضرت مولانا رحمتہ اللہ علیہ نے میری بڑی مدارات فرمائی۔ دعائیں دیں اور عشاء کے بعد محفل نعت میں آنے کو کہا۔ چنانچہ میں جتنے روز مدینہ منورہ میں حاضر رہا، عشاء کے بعد مولانا کی محفل نعت اور دعوت میں شرکت کرتا رہا اور وہ میرا کلام بڑی محبت سے سنتے رہے۔ بعد میں میں حضرت مولانا کے فرزند ارجمند مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے کئی بار ملا تو حکیم صاحب کا تذکرہ ضرور ہوتا رہا۔

مجھے حکیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے مسجد نبوی کے "باب مجیدی" کے دربان کے نام بھی ایک خط اور کچھ ادویہ دی تھیں۔ وہ بزرگ پاکستانی تھے اور

لیتے۔ اہل علم و ادب سے وہ ہرگز کوئی معاوضہ قبول نہ فرماتے بلکہ خمیرہ سے لے جہلم کی طرف کے رہنے والے مگر ان کا نام اب یاد نہیں رہا۔ انہیں میں نے جب جا کر حکیم صاحب کا مکتوب اور دوائیں دیں تو وہ بہت خوش ہوئے اور مجھے اگلے روز عصر کے بعد چائے کی دعوت دی۔ اگلے روز بعد عصر جب میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو کئی سوال پوچھتا رہا۔۔۔ مجھے ان کے منصب دربانی سرکار کے پیش نظر ان کی خدمت میں بیٹھ کر بہت اعتزاز محسوس ہوا اور میں نے ان کی قسمت کی یاوری کا خیال کر کے ان سے پوچھا "بابا جی! آپ کتنی دیر سے یہاں ہیں؟" ان کا جواب ایسا ادب آموز تھا کہ ہمیشہ کے لیے میرے لیے مشعل راہ بن گیا۔ انہوں نے فرمایا تھا "بیٹا دیر سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ یہاں تو ادب کا ایک لمحہ بھی بہت کافی ہوتا ہے"۔

اسی طرح میں حکیم صاحب کا خط اور دوائیں لے کر مدینہ منورہ کے ایک ولی کامل بابا بلیاں والا رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے مجھ پر بہت التفات فرمایا۔ حکیم صاحب اور بابا جی کے ایک نیازمند محمد سرور (جو واپڈا میں میرے ساتھی تھے) کے حوالوں سے میں بابا جی رحمتہ اللہ علیہ سے عصر کے بعد مسلسل ملتا رہا اور ان سے کئی ذہنی اور روحانی الجھنیں دور کیں۔ حکیم صاحب نے بابا غلام رسول بلیوں والے کی شخصیت اور رسائیوں کے بارے میں ایک بہت اعلیٰ مضمون لکھا ہے، جو کتاب "جانشین ابو ہریرہؓ" میں شائع ہو رہا ہے۔

بحیثیت معالج بھی وہ ایک بلند مقام رکھتے تھے اور میں نے ان کے بلند پایہ معاصر معالجین کو ان سے مشورہ کرتے دیکھا ہے۔ ایسا کیوں نہ ہوتا کہ وہ فخر الاطباء حکیم فقیر محمد چشتی امرتسری (المتوفی ۲۲ اپریل ۱۹۵۲ء) کے چشم و چراغ تھے، جن کے افادات کا مجموعہ "مجربات فخر الاطباء" کے نام سے چھپ چکا ہے۔ وہ مریضوں سے بڑا دردمندانہ رویہ رکھتے اور بہت سے لوگوں سے دواؤں کی قیمت بھی نہ

کر چائے اور کھانے تک سے بیشتر کی تواضع فرماتے۔ میں ایک زمانے میں ان سے گردے کی پتھری کی دوا لیتا رہا لیکن وہ دوا کی قیمت قبول نہ فرماتے۔ کبھی کبھار میں باہر لگے ہوئے کاؤنٹر کے کیش والے دراز میں کچھ ڈالنے کی کوشش کرتا تو ان کا بھانجا زور سے کہتا "دیکھو! تائب صاحب کیہ پئے کردے نیں!" اس پر میں کہتا "حکیم صاحب! میں تہاڈے گلے وچ تبرک پا رہیا واں" یہ سن کر وہ بندۂ درویش فرماتے "چل یار! اینہاں دا تبرک رکھ لے"۔

حفیظ تائب (عبدالحفیظ ولد حاجی چراغ دین قادری سروری) پاکستان میں گلستانِ نعت کے ایک خوش رنگ پھول ہیں جن کی خوشبو نے اہل محبت کے دل و دماغ کو معطر کر رکھا ہے۔ آپ احمد نگر ضلع گوجرانوالہ سے ابھرے اور علمی اور ادبی آسمان پر آفتاب درخشاں بن کر چمکے۔ آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم احمد نگر، سکھیکی اور دلاور چیمہ کی درسگاہوں سے مکمل کی۔ گجرات کے زمیندار سکول سے میٹرک کیا۔ لاہور آکر ایف اے، فاضل اردو، بی اے اور ایم اے کے امتحانات پاس کیے۔ حصول معاش کے لیے تیس سال تک واپڈا میں ملازمت کی۔ ۱۹۷۶ء میں پنجاب یونیورسٹی اورنٹیئل کالج لاہور میں شعبہ پنجابی میں ایم اے کے طلبہ کے استاد مقرر ہوئے اور آج تک وہ اسی جامعہ میں استاد کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ آپ نے ذوقی اعتبار سے نعت کے خیابانوں میں زندگی گزاری۔ سابقہ پچاس سال سے نعت کہہ رہے ہیں، نعت لکھ رہے ہیں اور نعت نویسوں کی تربیت کر رہے ہیں۔ نعت گوئی پر صدارتی اعزازات کے علاوہ کئی علمی اور ادبی اداروں سے ایوارڈ حاصل کر چکے ہیں۔ آپ نے صلوا علیہ وآلہ، سک متراں دی، سلموا تسلیما، وہی یٰسین وہی طٰہٰ لکھیں تو ہر طرف سے اعزازات اور ایوارڈ پائے۔ ملک میں لکھی جانے والی نعت کی کئی کتابوں کے دیباچے، مقدمے، افتتاحیئے اور اعزازیئے لکھے۔ آپ نے نعت کی نسبت سے دنیا کے کئی ممالک میں نعتیہ مشاعروں میں حصہ لیا۔ بین الاقوامی مشاعروں، مذاکروں، کانفرنسوں اور سیمیناروں میں شرکت کی۔ وہ خواہ مغربی ممالک کا دورہ کریں خواہ دیارِ حبیب کی حاضری دیں، نعت رسول کی محفلوں میں صدر نشین ہوتے ہیں۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ سے انہیں سابقہ تیس سال سے علمی تعلق رہا ہے۔ ان کی مجالس اور محافل میں شریک ہوتے رہے۔ نعت کے مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے۔ آج وہ اپنی یادوں کو لے کر حکیم صاحب کے خصوصی نمبر میں تشریف فرما ہیں۔

پتا: مکان نمبر 6، گلی نمبر 7، صدیق گنج، وسن پورہ، لاہور...... فون: 7283060

ایک عظیم کتاب شناس...... باکمال جامع کتاب

ڈاکٹر محمد اختر چیمہ ایم اے، پی ایچ ڈی، نے اپنی علمی تحقیقات کے دوران حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی مجالس کے ایسے گل چینوں کو دیکھا جو مستقبل کے خیابانوں کے نگران بنے۔ آپ بھی ایسے حضرات کے ساتھ چند لمحات بیٹھ کر گلبانگِ چمن کو آویزۂ گوش بنائیں۔

یہ مضمون ماہنامہ جہان رضا لاہور شمارہ: ۸۳ دسمبر ۱۹۹۹ء (ص ۴) کے اس اعلان پر تیار کیا گیا کہ "مرکزی مجلس رضا" اپنے ترجمان "جہان رضا" کا حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمتہ اللہ علیہ پر ایک مبسوط خصوصی نمبر شائع کر رہی ہے جس میں حکیم مرحوم کی علمی اور روحانی خدمات پر مقالات شائع ہوں گے۔ (اختر چیمہ)

حکیم اہل سنت، محسن و مخدوم ملت جناب مولانا الحاج حکیم محمد موسیٰ امرتسری چشتی نظامی رحمتہ اللہ علیہ مرکزی مجلس رضا پاکستان کے مؤسس اعلیٰ، مرجع و راہنمائے محققین اور اسلامی کتابوں بالخصوص صوفیانہ تصانیف کے انسائیکلوپیڈیا تھے۔ آپ کو اس دور کی ہر دلعزیز ترین علمی اور دینی شخصیات میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ آپ فکر امام رضا کے عظیم ترجمان، مخلص کتاب شناس، اہل علم کے حقیقی قدردان اور کثیر الجہات شخصیت کے حامل تھے۔ تاریخ و تحریک پاکستان کے حوالہ سے مسلم تشخص کے ضمن میں جس قدر اشتہار چھپے، پمفلٹ طبع ہوئے، کتابیں تصنیف ہوئیں، وہ نہ صرف ان

کے پاس موجود تھیں بلکہ انہیں ازبر تھیں۔ تصوف کے حوالے سے فارسی' اردو میں جس قدر تذکرے لکھے گئے' قدیم و جدید سب ان کے ذخیرہ کتب میں موجود تھے۔

(سید سبط الحسن ضیغم، حکیم محمد موسیٰ مرحوم' روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۷ جنوری ۲۰۰۰ء' راقم الحروف بھی مشائخ کے تذکروں اور فہارس مخطوطات سے خوشہ چینی کر کے صاحب کتاب صوفیہ کے تعارف پیش کرنے میں سرگرداں رہتا ہے' مگر افسوس کہ حکیم صاحب سے شرف نیاز اور استفادہ نہ کر سکا)

حکیم صاحب کا جنم بوم امرتسر تھا۔ لیکن پاکستان بننے کے بعد ۱۹۴۷ء میں لاہور منتقل ہوگئے تو پھر زندگی بھر مدینتہ الاولیاء لاہور میں ہی فیضان عام جاری رکھا۔ آپ کا مولد اور وطن مالوف امرتسر ایک مردم خیز شہر ہے۔ تقسیم برصغیر سے قبل اس خطہ زرخیز نے زندگی کے ہر شعبہ میں بے نظیر و بے مثال خواتین و حضرات کو جنم دیا' پروان چڑھایا کہ تاریخ علم و ادب اور تہذیب و تمدن ہمیشہ انہیں یاد رکھے گی لیکن حکیم محمد موسیٰ امرتسری اس شہر کی معاشرتی اور تہذیبی روایات اور حیات کے امین تھے۔ ان کا لاجواب حافظہ' فیاض اور بے تعصب دل ان یادوں کا خزینہ تھا۔ وہ متلاشیان تہذیب امرتسر کے لیے روشن مینارہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ انہوں نے امرتسر پر علمی' ادبی' تاریخی اور سیاسی حوالے سے تحقیقی کام کرنے والے بہت سے ملکی اور غیر ملکی ریسرچ سکالروں کی راہنمائی کی اور مسلسل کرتے رہتے تھے۔ (پروفیسر محمد صدیق' احوال و آثار حکیم محمد موسیٰ امرتسری داتا گنج بخش اکیڈمی لاہور۔ ۱۹۹۷ء' ص ۱۴)

"علمائے امرتسر" کے نام سے انہوں نے خود ایک اہم دستاویز تیار کر

رکھی تھی جو متاسفانہ تاحال اشاعت کے مراحل سے نہیں گزر سکی۔ (سید سبط الحسن ضیغم، حکیم محمد موسیٰ مرحوم، روزنامہ نوائے وقت ۱۷ جنوری، ۲۰۰۰)

امرتسر کے علم و حکمت اور عرفان میں ممتاز ایک خانوادے میں آپ نے ۲۷ اگست ۱۹۲۷ء کو ولادت پائی۔ والد گرامی فخر الاطباء حکیم فقیر محمد چشتی نظامی (۱۸۶۴ - ۱۹۵۲ء) بھی ایک جید عالم اور عارف تھے۔ دادا کا نام حکیم نبی بخش چشتی امرتسری تھا۔ حکیم موسیٰ صاحب نے قرآن پاک ناظرہ بابائے قرات قاری کریم بخش (مقیم امرتسر متوفی لاہور) کی خدمت میں پڑھا۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ نعمانیہ امرتسر (قائم کردہ مولانا نور احمد پسروری ثم امرتسری) میں حاصل کی۔ عربی صرف و نحو مفتی عبدالرحمٰن ہزاروی سے پڑھی۔ مشہور عالم دین حضرت مولانا محمد عالم آسی سے بھی کسب فیض کیا۔ والد ماجد سے "مثنوی معنوی رومی" کا پہلا دفتر سبقاً سبقاً پڑھا اور علم طب کی تحصیل کی۔ ان حضرات کے علاوہ آپ نے دیگر اکابر اساتذہ سے بھی استفادہ کیا۔ (پروفیسر محمد صدیق، احوال و آثار، حکیم محمد موسیٰ امرتسری، ص۵۔ ۶، ۵۰ از سید محمد عبداللہ قادری، حکیم محمد موسیٰ امرتسری، ایک ادارہ کی تحریک، لاہور)

سید سبط الحسن ضیغم لکھتے ہیں: "حکیم محمد موسیٰ مرحوم علم جفر، ریاضی، ہندسہ، نجوم و رمل یہاں تک کہ موسیقی سے واقف تھے۔ ان علوم کی ان شاخوں پر انہیں مکمل دسترس حاصل تھی جس سے ان کے اساتذہ محروم تھے۔" (حکیم محمد موسیٰ مرحوم، روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۱۷ جنوری ۲۰۰۰ء)

صاحبزادہ سید حامد سعید کاظمی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اس دور کے عظیم

روحانی پیشوا حضرت میاں علی محمد چشتی رحمتہ اللہ علیہ بسی شریف والوں سے شرف بیعت رکھتے تھے۔ وہ نوجوانی میں ہی بیعت کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ حضرت میاں صاحب بھی ان پر خصوصی شفقت فرماتے تھے اور روحانی مدارج کے ساتھ ساتھ دینی علوم کے مراحل کی بھی تکمیل کے لیے مواقع فراہم کرتے۔ یہ بات ہمیں خود محترم حکیم صاحب مرحوم و مغفور نے بتائی کہ "میں نے حضرت مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ کی مثنوی شریف حضرت میاں صاحب سے پڑھی۔ آپ نے چیدہ چیدہ اسباق کی شرح اس انداز سے بیان فرمائی کہ مجھے بڑی بڑی کتابوں سے بے نیاز کر دیا۔" حضرت حکیم صاحب مرحومؒ طب اور تصوف کے علاوہ بہت سے دوسرے علوم و فنون پر مکمل دسترس رکھتے تھے۔ (ماہنامہ جہان رضا لاہور' جلد ۸' شمارہ ۸۳' دسمبر ۱۹۹۹ء ص ۳۷-۳۸)

عربی' فارسی' اردو اور پنجابی زبان وادبیات پر حکیم صاحب کی گہری نظر تھی۔ خدا تعالیٰ نے ان کو بلا کا حافظہ عطا کیا تھا۔ انہوں نے بھی اللہ کریم کی اس نعمت سے بھرپور استفادہ کیا۔ بہ حیثیت طبیب' ادیب' محقق اور کتاب شناس حکیم موسیٰ صاحب کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ طبابت ان کا آبائی پیشہ تھا۔ وہ ادیبانہ اور خلاقانہ مہارت سے اردو' فارسی اور پنجابی میں لکھتے تھے۔ وہ قلم کے دھنی تھے۔ مجلّہ نقوش کے اہم ترین نمبروں میں آپ کے محققانہ مضامین شامل ہیں' لیکن انہیں اصل شہرت سید ابوالحسنات قادری کے اردو ترجمہ کشف المحجوب پر تحریر کردہ مقدمہ سے ملی جو داتا گنج بخش شناسی کے حوالہ سے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

علم و عرفان کی اشاعت ان کا نصب العین رہا ہے اور وہ زندگی بھر اسی راہ پرخار پر گامزن رہے۔ ۵۵ ریلوے روڈ لاہور والے مطب میں ان کی

مسند حکمت کے اردگرد چاروں طرف الماریوں کے اندر شیشوں کے پیچھے کتابوں کی رنگا رنگ جلدیں چمک دمک میں قوس قزح کی یاد دلاتی تھیں۔ ان کی ذاتی لائبریری میں طب' فلسفہ' مذاہب' عالم' تاریخ' اسلامیات' تذکرہ' تصوف اور تحریک پاکستان کے موضوعات پر نہایت قیمتی اور نادر و نایاب کتب کا ذخیرہ موجود تھا۔ وہ بنیادی طور پر اسلام کے شیدائی تھے اور قدرت نے انہیں اسلامی سکالر بنا کر اس جہان کارزار میں بھیجا تھا۔

حکیم صاحب توکل اور قناعت کی لازوال دولت سے مالا مال تھے۔ وہ مسلک حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیروکار تھے۔ اول تو مریض سے اتنا کم لیتے۔ شام کو گزارہ کے لیے پیسے جیب میں ڈالتے' باقی ضرورت مندوں کو دے دیتے' کتابیں خریدتے اور ان لوگوں کو یہ کتابیں بذریعہ ڈاک ارسال کر دیتے جنہیں وہ مستحق سمجھتے۔ ایسی کتابیں حکیم صاحب ملک کے اندر بھی تقسیم کرتے اور ملک پاکستان سے باہر موجود افراد اور متعلق اداروں کو بھی۔ دوسروں سے کتابوں کا مطالبہ بھی کرتے اور ان پر حواشی بھی لکھتے۔ کم از کم ایک جلد اپنے ذاتی ذخیرہ کتب میں ضرور محفوظ کر لیتے۔ (سید سبط الحسن ضیغم' حکیم محمد موسیٰ مرحوم امرتسری' ص۶)

پروفیسر محمد صدیق حکیم صاحب کے سوانح حیات میں ان کے مناقب میں مرقوم فرماتے ہیں:

"وہ مزاجاً نسیم سحر ہیں' میں نے ان کو کبھی باد سموم کے روپ میں نہیں دیکھا۔ علم و ادب کی محفل برپا رہتی ہے۔ ساتھ ساتھ مریضوں کی دیکھ بھال' دوا دارو کا سلسلہ بھی چلتا رہتا ہے۔ کیا مجال جو کبھی شکایت زمانہ یا شکوہ دوراں کا ذکر ہو۔ قناعت اور توکل کی ایسی عمدہ مثال خال خال ہے--- ان کی ذات اس قحط الرجال کی کڑی دھوپ میں ایک چھتنار درخت کی ٹھنڈی

چھاؤں ہے۔ وہ راہنما مشفق کی تمام خوبیوں سے مزین ہیں۔ وہ اگرچہ باقاعدہ تدریس تو نہیں کرتے مگر استاذ الاساتذہ ہیں۔ طلبہ، علم کے شائق اور سکالرز دور دور سے ان کے پاس آتے رہتے ہیں اور وہ ملکی اور غیر ملکی محققین جس موضوع پر کام کر رہے ہوتے ہیں، اس کی مشکلات کے حل تلاش کرتے، مواد کے متعلق خاطر خواہ معلومات بہم پہنچاتے ہیں۔ اپنے موضوع پر بات کرتے ہیں، اس کی الجھنوں کو سلجھاتے ہیں اور پھر انہیں اپنے مسائل کا حل مل جاتا ہے۔" (پروفیسر محمد صدیق، احوال و آثار حکیم محمد موسیٰ امرتسری، ص۷ - ۸)

معروف امریکن سکالر آرتھر فرینک بوہلر نے ہارورڈ یونیورسٹی میں اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی تھیسز کے پیش لفظ میں حکیم محمد موسیٰ کے تبحر علمی اور ان کی عالمانہ راہنمائی کے لیے زبردست خراج تحسین پیش کیا اور لکھا ہے کہ

"تصوف سے متعلق کون کون سی کتب لکھی گئی ہیں اور کہاں سے دستیاب ہو سکتی ہیں۔ اس مشکل کا حل پاکستان میں صرف ایک شخصیت حکیم صاحب (حکیم محمد موسیٰ امرتسری) نے فرمایا جو کہ واقعی اس موضوع سے متعلق زندہ تاریخ اور معلومات کی بنیادی اکائی ہیں۔ حکیم صاحب نے ہی میرے اس تحقیقی کام میں سب سے زیادہ راہنمائی فرمائی۔ زیادہ لوگوں کے لیے حکیم صاحب ایک ایسے صوفی ہیں جو کہ یونانی طریقہ سے علاج کرتے ہیں۔ میں ہفتے میں ایک مرتبہ ان کے مطب پر ملنے کے لیے جاتا جہاں وہ فاضل سکالرز، مصنفین اور مطب کے اندر اور باہر بھرے ہوئے مسلسل مریضوں کے ہجوم میں بطور صدر موجود ہوتے۔

ان تینوں طرز کے افراد سے گفتگو کے دوران وہ نسخے بھی لکھتے جاتے اور مجھے لاہور شہر کے گردو نواح میں حصول کتب کے لیے تقریباً دس مقامات

بتا دیتے جب میں یہ کام مکمل کر لیتا تو انہیں رپورٹ دینے واپس جاتا اور وہ مجھے ایسا ہی ایک اور کام سونپ دیتے۔۔۔ اس طرح میں نے پاکستانی تہذیب اور ثقافت کے متعلق بہت کچھ جان لیا۔ (پروفیسر محمد صدیق' احوال و آثار حکیم محمد موسیٰ امرتسری' ص۹ - ۱۲: اور ملاحظہ کیجیے: مختار جاوید منہاس' یادرفتگان حکیم محمد موسیٰ امرتسری' جنگ سنڈے میگزین' ۲۳ جنوری ۲۰۰۰' ص ۲۳)

حکیم موسیٰ وہ عبقری ہے' مثیل اس کا کہاں ہے کوئی

ادب نواز و ادب شناس و زاہل وجدان' شعور فطرت

قحط الرجال کے اس دور میں حکیم صاحب بیک وقت طبیب حاذق' عالم دین' محقق' نقاد' مبصر' مقرر' دانشور اور بہترین سکالر تھے' مگر قلندرانہ شان کے ساتھ رب کائنات کی رضا اور رسول برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی خوشنودی کے لیے شب و روز مصروف عمل رہتے تھے۔ حکیم صاحب نے لوگوں میں صرف لکھنے کی تحریک پیدا نہیں کی یا محض دوسروں کی راہنمائی اور دستگیری تک محدود نہیں رہے' بلکہ تحقیق و جستجو ان کی طبیعت کا خاصہ تھا اور علم و آگہی کے بکھرے موتیوں کو جمع کرنا ان کے خون میں شامل تھا۔ (مختار جاوید منہاس' یادرفتگان حکیم محمد موسیٰ امرتسری' ص ۲۳)

بطور کتاب شناس' جامع کتب' علمی محقق اور تبصرہ نگاری حکیم صاحب کی خدمات نہایت ہی قابل قدر ہیں۔ حکیم صاحب کو کتابوں سے بلا کا عشق تھا۔ جہاں کہیں سے انہیں اپنے ذوق کی کتاب دستیاب ہوئی' جس قیمت پر ملی' انہوں نے وہ کتاب حاصل کر لی۔ اگر مجلد ہوتی تو عمدہ کاغذ سے مزین کیا اور اگر غیر مجلد ہوتی تو نہایت اہتمام سے اعلیٰ قسم کی قیمتی جلد سے سنوارنے کے بعد اس کو داخل ذخیرۂ کتب کر لیا۔ وہ کتابوں کی جلدوں کے

بارے میں بھی بڑے محتاط تھے۔ انہوں نے بہت سی کتابوں کو نہایت قیمتی جلدیں کروا رکھی تھیں۔ تقریباً پچاس سال تک وہ ان نایاب و کم یاب موتیوں کی مالا پروتے رہے۔ رنگ برنگ، چھوٹے بڑے، حسین و جمیل، کیسے کیسے عمدہ اعلیٰ شاہکار ان کے پاس جمع ہوگئے جو انہوں نے بڑے غور و فکر کے بعد مفاد عامہ کے پیش نظر مرکزی لائبریری پنجاب یونیورسٹی لاہور کو بطور عطیہ اہدا کر دیئے۔ اس عہد زر پرستی میں روپیہ کی کس کو ضرورت نہیں، مگر اس مرد قلندر نے تاحیات اس انداز سے کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ اگر وہ چاہتے تو ان کا کتب خانہ بھی بہت اچھی رقم کے عوض فروخت ہو جاتا۔ لاہور، اسلام آباد اور کراچی میں موجود سرکاری کتاب خانے ان کو معقول رقم پیش کر دیتے، مگر درویش منش حکیم صاحب عجیب غنی طبعیت کے مالک تھے۔
(پروفیسر محمد صدیق، احوال و آثار حکیم محمد موسیٰ امرتسری، ص ۲۳)

مرکزی لائبریری پنجاب یونیورسٹی کے چیف لائبریرین سے عطیہ کتب کے سلسلہ میں جب معاملات طے پا گئے تو ڈپٹی چیف لائبریرین سید جمیل احمد رضوی تقریباً تین ماہ مسلسل اس کتاب خانے کی تشریحی فہرست تیار کرتے رہے۔ جب فہرست تیار ہو گئی تو ۲۴ دسمبر ۱۹۸۹ء کو حکیم صاحب نے پہلی قسط میں ۵۳۷۵ کتب پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو ارسال کیں۔ پھر زندگی بھر گاہے بگاہے وہ کتابیں ارسال کرتے رہے۔ سید جمیل احمد رضوی کے بقول ۴ اکتوبر ۱۹۹۴ء تک اس ذخیرہ میں کل کتب کی تعداد ۷۵۶۰ تک پھر ۸۳۱۵ تک پہنچ گئی ہوگی۔ سید جمیل رضوی کے ایک مکتوب بنام حکیم موسیٰ امرتسریؒ کا اقتباس ملاحظہ ہو:

"ہم تہ دل سے ممنون ہیں کہ آپ اپنے ذخیرہ کتب کے لیے ہمیں کتابیں بھجواتے رہتے ہیں۔ اس طرح اس میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

آپ کو جان کر خوشی ہوگی کہ تحقیق کرنے والے اساتذہ اور طلبہ اس ذخیرے سے استفادہ کرتے ہیں۔ دیگر محققین بھی اس سے مستفید ہوتے ہیں۔ اس طرح یہ ذخیرہ کتب علم کا نور پھیلانے میں ممدو معاون ثابت ہو رہا ہے۔ کتاب کی خوشبو پھیل رہی ہے اور پڑھنے والوں کے اذہان روشن اور معطر ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ (پروفیسر محمد صدیق' احوال و آثار حکیم محمد موسیٰ امرتسری' ص ۶۴)

سید سبط الحسن ضیغم' حکیم صاحب کی کتاب شناسی کے ضمن میں ضبط تحریر کرتے ہیں:

"کتاب کی اہمیت سے وہ پوری طرح آگاہ تھے' چنانچہ وفات سے تین چار سال پیشتر انہوں نے اپنا سارا ذخیرہ کتب (۱۱ ہزار کتابیں) پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے حوالے کر دیں اور اس کا کوئی معاوضہ نہیں لیا اور چیف لائبریرین سید جمیل احمد رضوی نے ان کتابوں کی بیلوگرافی تین جلدوں میں طبع کر کے اس ذخیرہ کتب سے کتاب دوستوں کو آگاہی بخشی ہے کہ یہ ذخیرہ کتب کس قدر اہم ہے۔ (حکیم محمد موسیٰ مرحوم' روزنامہ نوائے وقت ۱۷ جنوری ۲۰۰۰ء)

اس گراں بہا متاع کو حکیم صاحب نے ساری زندگی میں تلاش و جستجو کے بعد فراہم کیا' پھر اتنی آسانی سے اور بلند حوصلے کے ساتھ اسے مرکزی لائبریری پنجاب یونیورسٹی کے حوالے کر دیا۔ جہاں "ذخیرہ حکیم محمد موسیٰ" کے نام سے الگ گوشہ قائم کیا جا چکا ہے۔ انہوں نے ہمارے سکالرز اور کتابوں کی جمع آوری کرنے والے حضرات کے لیے ایک بے نظیر اور قابل تقلید مثال قائم کی ہے۔ اس وقت اس لائبریری میں سولہ ذاتی ذخائر کتب موجود ہیں۔ ان ذخیروں کو یونیورسٹی نے خریدا یا بطور عطیہ لائبریری سے

وصول ہوئے۔ ان کی موجودگی سے اس کتب خانے کو جنوبی ایشیائی ممالک کے کتب خانوں میں ایک اہم مقام حاصل ہوگیا ہے۔ (پروفیسر محمد صدیق، احوال و آثار حکیم محمد موسیٰ امرتسری، ضمیمہ مرتبہ سید جمیل احمد رضوی، ص۴۹)

حکیم صاحب کی زندگی کے بعد ان کے حسب خواہش صاجزادہ میاں زبیر احمد علوی گنج بخشی قادری ضیائی اور قاضی صلاح الدین اس ذخیرہ کتب کی دیکھ بھال کے مجاز ہوں گے۔ بقول حکیم صاحب:

"میرے بعد جناب صاجزادہ میاں زبیر احمد صاحب ولد میاں بدر الدین صاحب بازار داتا صاحب لاہور اور قاضی صلاح الدین قادری ولد جناب قاضی معراج الدین مرحوم شاہ کمال کالونی اچھرہ لاہور میرے ذخیرہ کو دیکھنے کے مجاز ہوں گے۔" (پروفیسر محمد صدیق، احوال و آثار حکیم محمد موسیٰ امرتسری، ضمیمہ مرتبہ سید جمیل احمد رضوی، ص۵۴)

حکیم صاحب کی شخصیت کے علمی پہلو، کتابوں کے ذوق اور جمع آوری کے بارے میں سید جمیل احمد رضوی نے ایک مقالے میں لکھا کہ علمی دنیا میں حکیم صاحب کی علم دوستی اور معارف پروری معروف زمانہ ہے۔ کتاب کے ساتھ محبت ان کا طرہ امتیاز ہے۔ کتاب کی مفت تقسیم ان کا شعار ہے۔ تصنیف و تالیف کا کام کرنے والوں کی مدد اور راہنمائی ان کا معمول ہے۔ ان کے مطب میں جہاں جسمانی عوارض کے مریض دوائی لینے کے لیے آتے ہیں، وہاں علمی پیاس بجھانے والے بھی کثیر تعداد میں حاضری دیتے ہیں۔ کتابوں کی جمع آوری اور حفاظت حکیم صاحب کا محبوب مشغلہ ہے، جو انہیں وراثت میں ملا ہے۔ ان کے والد ماجد حکیم فقیر محمد چشتی امرتسری کا امرتسر میں مرجع خلائق مطب تھا۔ حکیم صاحب کے قول کے مطابق، ان کے والد مرحوم کو علم طب اور تصوف کے موضوعات سے متعلق کتابیں جمع کرنے کا

ذوق تھا۔ ان علوم پر انہوں نے قریباً چار ہزار کتابیں امرتسر میں جمع کر رکھی تھیں۔ حکیم صاحب کے بڑے بھائی حکیم غلام قادر (م ۱۹۷۵ء مدفون ملتان) کا ذوق ہمہ جہتی تھا۔ انہوں نے بیس ہزار کے قریب کتابیں جمع کی تھیں۔ اس طرح امرتسر میں ان کے پاس چوبیس ہزار سے لگ بھگ کتابوں کا ذخیرہ تھا۔ یہ سب کتابیں امرتسر میں فسادات کے زمانے ۱۹۴۷ء میں ضائع ہو گئیں۔ ہندوؤں نے مکان کو آگ لگا کر یہ قیمتی علمی سرمایہ ضائع کر دیا۔ قیام پاکستان کے بعد آپ امرتسر سے ہجرت کر کے لاہور آگئے۔ یہاں بھی کتابوں کی جمع آوری کا کام جاری رہا۔ جس کے نتیجے میں ایک بہت قابل قدر ذخیرہ کتب آپ کے پاس جمع ہو گیا۔ لیکن آپ نے وہ سارے کا سارا ذخیرہ جیسے بیان کیا ہے' پنجاب یونیورسٹی کو بطور عطیہ عطا کر دیا۔ (پروفیسر محمد صدیق' احوال آثار' حکیم محمد موسیٰ امرتسری' ضمیمہ سید جمیل احمد رضوی' ص ۵۲- ۵۳)

اس ذخیرے میں عربی' فارسی' اردو' پنجابی اور انگریزی کی کتب شامل ہیں۔ چند کتابیں' پشتو' سندھی اور ترکی زبان میں بھی ملتی ہیں۔ زیر نظر ذخیرہ تصوف' عرفان' سوانح تذکرہ' تاریخ' طب' فلسفہ' تاریخ' تحریک پاکستان' نظریہ پاکستان کے علاوہ اسلامی علوم قرآنیات' احادیث' فقہ' سیرت پاک' میلاد شریف' نعت اور منقبت کے موضوعات پر مشتمل ہے۔ بطور خاص تصوف پر نہایت وقیع اور گراں بہا کتب محفوظ ہیں۔ صوفیائے کرام کے تذکروں کا پہلو بہت ممتاز ہے۔ پرانے رسائل و مجلات بھی اس کا حصہ ہیں۔ مختلف موضوعات پر پمفلٹ اور کتابچے نہایت احتیاط سے محفوظ کئے گئے ہیں۔ بعض کتابوں کے کئی نسخے ایسے ہیں جو نایاب اور کمیاب کے زمرے میں آتے ہیں۔ (پروفیسر محمد صدیق' احوال و آثار' حکیم محمد موسیٰ امرتسری' ص ۵۴- ۵۵)

حکیم صاحب اپنی تحقیقی اور تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے سو سے زائد مقالات اور مضامین تحریر کر چکے ہیں جو ملک کے صف اول کے علمی و ادبی رسائل میں شائع ہوئے۔ (پروفیسر محمد صدیق' احوال و آثار حکیم محمد موسیٰ ص۳۳-۳۷)

پھر حکیم صاحب نے اہل علم اور مصنفین کی فرمائشات کے تحت سو کے لگ بھگ کتابوں پر تبصرے' دیباچے' مقدمے' پیش لفظ' تعارف' تقاریظ اور تاثرات قلمبند کئے جو بجائے خود ایک علمی سرمایہ ہے۔ (پروفیسر محمد صدیق' احوال و آثار حکیم محمد موسیٰ ص۱۷-۲۲) تبصرہ نگاری ایک مشکل فن ہے' مگر حکیم صاحب کے تبصرے پڑھنے کے بعد کتاب کی مکمل تصویر سامنے آجاتی ہے۔ وہ کتاب کے متعلق اپنی بے لاگ رائے تحریر کرتے تھے اور تبصروں میں زبان و بیان کی صفائی' ادبی چاشنی اور سلاست کا خاص خیال رکھتے۔

اب ہم حکیم موسیٰ صاحب کے بارے میں چند معتبر شخصیات کے حوالے سے تاثرات پیش کریں گے۔

۱- سلسلہ قادریہ نوشاہیہ کے عظیم پیشوا پیر سید شرافت نوشاہی' حکیم صاحب کی علم دوستی' علم پروری اور علم نوازی کے ضمن میں شریف التواریخ میں یوں رقمطراز ہیں:

"--- ان کا مطب عالموں' فاضلوں' مورخوں' مصنفوں' محققوں' ادیبوں' شاعروں' فلاسفروں اور پروفیسروں وغیرہ کا مرکز ہے۔ پاکستان کے تمام بڑے شہروں کراچی' حیدر آباد' مٹھی' بہاولپور' ملتان' لائل پور' لاہور' گوجرانوالہ' گجرات' راولپنڈی' پشاور وغیرہ کے اکابر اہل قلم حضرات' حکیم صاحب کے پاس آتے رہتے ہیں اور ان سے مستفید ہوا کرتے ہیں' بلکہ

دوسرے ممالک ہندوستان، افغانستان، ایران اور عرب کے عمائد بھی تشریف فرما ہوتے رہتے ہیں۔ حکیم صاحب کی ذات محسن ملت ہے ہر ایک اہل علم کی بے لوث عملی مدد کرتے ہیں۔ خود بذات گرامی پختہ اہل سنت و جماعت ہیں مکتبہ فکر بریلوی کے ہم نوا ہیں مگر ان کے پاس دیوبندی، اہل حدیث، خارجی، شیعہ اور مرزائی مذاہب کے لوگ بھی آتے رہتے ہیں اور فائدہ اٹھاتے ہیں۔" (جلد سوم موسوم بہ تذکرہ النوشاہیہ، حصہ ض ملقب بہ طوالع الانظفار، ادارہ معارف نوشاہیہ ساہن پال شریف گجرات ۱۹۸۴ء، ص۳۰۶، پروفیسر صدیق، احوال و آثار حکیم موسیٰ)

۲۔ علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی کراچی اظہار خیال کرتے ہیں کہ

"۵۵ ریلوے روڈ لاہور کا--- وہ مطب ایک دانش کدہ تھا۔ اور وہ درویش، علم و دانش کا ایک مرکز تھا جس کے پاس آسمان علم کے چراغ بھی روشنی پاتے تھے۔" (ماہنامہ جہان رضا، لاہور، دسمبر ۱۹۹۹ء، ص۲۹)

۳۔ جناب محمد محبوب الٰہی رضوی چونیاں ضلع قصور لکھتے ہیں:

"حکیم صاحب ایک مینارہ نور کی حیثیت رکھتے تھے جن سے ہزارہا افراد نے اپنی استعداد کے مطابق فیض حاصل کیا ان کی علمی، دینی اور روحانی بے لوث مخلصانہ خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت حضرت احمد رضا خاں بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کے مشن کو جس احسن طریقہ سے انہوں نے مشرق و مغرب میں پھیلایا، اس کی مثال نہیں ملتی۔ انہوں نے تن من دھن سے اہل سنت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر رکھا تھا۔" (ماہنامہ جہان رضا، لاہور، دسمبر ۱۹۹۹ء، ص۹-۱۰)

۴۔ ڈاکٹر انجم رحمانی ڈائریکٹر عجائب گھر لاہور تحریر فرماتے ہیں:

"مرحوم معلومات کا انسائیکلو پیڈیا تھے--- امام اہل سنت امام احمد

رضا خان بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کے علمی کارناموں کی اشاعت اور تقسیم ان کا عظیم کارنامہ ہے موصوف کا عمر بھر کا کتابی سرمایہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری اور قلمی کتب کا ذخیرہ عجائب گھر لاہور میں محفوظ ہوچکا ہے۔ ان کا یہ ایثار پاکستانی قوم پر بڑا احسان ہے۔" (ماہنامہ جہان رضا' لاہور' دسمبر ۱۹۹۹ء' ص ۱۷)

۵ - پیر محمد اجمل چشتی فاروقی' چشتیاں شریف مرقوم فرماتے ہیں:

"حضرت والا کا وجود مسعود ہمارے لیے سرچشمہ علم و دانش تھا جس سے شعور و آگہی کے دریچے کھلتے اور ادب پروری اور انشاپردازی میں پیش رفت ہوتی تھی۔ حضرت اہل سنت و جماعت کے قافلہ سالار اور ملفوظات نگاروں کے رہبر و رہنما تھے۔" (ماہنامہ جہان رضا' لاہور' دسمبر ۱۹۹۹ء' ص ۴۳)

۶ - جناب محمد عمر فاروق' مسلم کتابوی لاہور' حکیم صاحب کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"آپ کی شخصیت مبارکہ حضرت میاں علی محمد بسی شریف والوں کی ارادت کے باعث جہاں "چراغ چشتیاں" تھی وہاں فضیلت الشیخ حضرت ضیاء الدین مدنی کی ارادت کی وجہ سے "چراغ قادریاں" بھی تھی۔ (ماہنامہ جہان رضا' لاہور' دسمبر ۱۹۹۹ء' ص ۱۹)

۷ - جناب نذیر احمد رانجھا اسلام آباد' یوں اظہار عقیدت کرتے ہیں:

"حکیم صاحب وسیع المشربی اور وسیع القلبی سے مالا مال تھے۔ وہ ایسا گھنا اور سایہ دار درخت تھے جس پر کوئی کانٹا نہیں تھا اور اس کے سائے میں پل بھر بیٹھنے والا اسے عمر بھر بھلا نہیں سکتا تھا۔" (ماہنامہ جہان رضا' لاہور' دسمبر ۱۹۹۹ء' ص ۴۵)

حکیم صاحب کی ذات ستودہ صفات کو سید محمد عبداللہ قادری نے

ایک ادارہ ایک تحریک قرار دیا ہے۔ سید سبط الحسن ضیغم نے آپ کو "ایک غیر معمولی شخصیت" یاد کیا ہے۔ مختار جاوید منہاس نے ان کو "تحقیق و جستجو کا پیکر" لکھا ہے۔ مولانا محمد صادق قصوری کی رائے میں آپ "اس دور کے قطب" تھے۔ مولانا حکیم شرف قادری نے انہیں "اہل سنت و جماعت کی فعال ترین شخصیت" رقم کیا ہے۔ حکیم سید امین الدین قادری خوشحالی نے "آفتاب علم و حکمت کے لقب سے نوازا ہے"۔ امریکی سکالر آرتھر فرینک بوہلر نے آپ کو کتابیاتی معلومات کا ایک زندہ خزانہ کہہ کے خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ مولانا محمد علیم الدین نقشبندی کے الفاظ میں آپ کی وفات سے "علم و عرفان کی بساط الٹ گئی ہے۔" ڈاکٹر سید عارف نوشاہی کے بقول "مرحوم کے انسانی خصائل اور علمی فضائل ایک دوسرے پر غالب تھے۔ انہوں نے جو عمدہ انسانی اور علمی مثالیں چھوڑی ہیں وہ ہماری تہذیبی زندگی اور روایت کا بہترین حصہ ہے۔" (ماہنامہ جہان رضا' لاہور' دسمبر ۱۹۹۹ء' ص ۲۸)

ہم مشاہیر عصر کی آراء نقل کرتے ہوئے پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب نگران مرکزی مجلس رضا اور ایڈیٹر جہان رضا کا اسم گرامی دانستہ نظر انداز کر گئے ہیں۔ پیرزادہ صاحب حکیم صاحب کے افکار کے ترجمان حکیم صاحب کی قائم کردہ مرکزی مجلس رضا کے نگران اور جہان رضا کے صفحات پر حکیم صاحب کے پھیلے ہوئے اوصاف کی زبان ہیں۔ انہوں نے حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی علمی خدمات کو چار دانگ عالم میں پھیلا کر بے مثال کام کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے' اس میدان میں ان کا کوئی مثیل نہیں۔ ان کی آراء اور تاثرات کو نقل کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔

؎ چمن میں ہر طرف بکھری پڑی ہے داستان میری

حاصل آنکہ حکیم صاحب علم و حکمت کا روشن چراغ، متانت و سنجیدگی کا پیکر، سادگی و انکسار کا مجسمہ تحقیق و تدقیق کے رسیا، تصوف اور علوم معرفت اسلامی کے علمبردار، امرتسر کی تہذیب و ثقافت کے مظہر، اہل علم کے بے لوث خدمت گزار، طمع اور لالچ سے قطعی بے نیاز، اخلاق حمیدہ و اوصاف کریمانہ کے حامل، مسیحا صفت حکیم پاکیزہ صفت، تبصرہ نگار، محسن العلماء و العرفاء ایک عظیم کتاب شناس اور جامع کتاب تھے۔ ان کا مطب اور حکمت کدہ نہ صرف جسمانی مریضوں کو شفا بخش ادویات فراہم کرتا بلکہ متلاشیان علم کے لیے بھی مجرب نسخے تجویز کرتا تھا جس سے وہ ہمیشہ کے لیے صحت یاب اور توانا ہو جاتے۔ حکیم صاحب اپنی ذات میں ایک انجمن اور ادارہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کی شخصیت کا حسن، ان کی کارکردگی، فکری توانائی، تحریکی جذبہ اور علمی جوش سے نمایاں تھا۔ جو تاحیات آپ کے وجود اور تن بدن میں قائم و دائم رہا۔ جناب محمد سلیم حماد سجادہ نشین حضرت داتا گنج بخش روایت کرتے ہیں کہ "جوانی سے پیرانہ سالی تک آپ کا قلم اور عزم جوان رہا۔ آپ کا بیان و کلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں رطب اللسان رہا۔ آپ کا فکر و عمل ہمیشہ اہل سنت کا ترجمان رہا۔ اپنے عزم و استقلال سے وہ کام کر دکھایا جو کوئی تنظیم و ادارہ نہ کر سکا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی شبانہ روز محنت سے اعلیٰ حضرت کی شخصیت کا حقیقی تعارف اور آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و مقام کا ادراک و شعور، ملت اسلامیہ میں بیدار اور پختہ ہوا۔ (ماہنامہ مہر و ماہ لاہور، یادگار موسیٰ، ص ۷۷۔ ۷۸)

حکیم صاحب نے اسلامی کتابوں بالخصوص رضوی لٹریچر کی پر خلوص اشاعت اور مفت تقسیم کے ذریعہ راسخ العقیدہ اہل سنت و جماعت میں ایک

انقلاب برپا کیا۔ اللہ کریم اہل سنت میں مسلک رضویت کو حکیم صاحب کے بے لوث مشن کو ہمیشہ جاری رکھنے کی توفیق مزید عطا فرمائے۔ آمین۔

نقیب دین و زعیم ملت، کلید حکمت، مہ فضیلت
رضائے احمد رضا کا پابند، پاسدار کتاب و سنت

ڈاکٹر محمد اختر چیمہ ایم اے، پی ایچ ڈی پرنسپل گورنمنٹ کالج فیصل آباد ساہووالہ، چک جھمرہ ضلع فیصل آباد میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی کا اسم گرامی الحاج غلام حسین چیمہ ہے۔ ابتدائی تعلیم سالاروالہ میں حاصل کی۔ اسلامیہ کالج فیصل آباد سے بی اے کیا اور پنجاب یونیورسٹی اورنٹیل کالج لاہور سے ایم اے فارسی کیا اور دانش گاہ تہران ایران سے ڈاکٹریٹ کی۔ ۱۹۸۱ء میں گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں پروفیسر مقرر ہوئے اور صدر شعبہ فارسی بنے۔ آپ نے ادب فارسی میں بزرگان دین کی تالیفات اور ملفوظات کا گہرا مطالعہ کیا اور خود بھی اس موضوع پر کئی کتابیں تالیف کیں۔ دنیائے تصوف و عرفان میں متعارف ہوئے۔ آپ نے جب مقام شیخ فخر الدین عراقی اردو ترجمہ دلیل العارفین، مناقب الفرید کے علاوہ تصوف کی کتابوں پر دیباچے، مقدمے، ابتدائیے، آغازیے، تمہیدیے، توصیفیے لکھے تو اہل علم و فضل نے آپ کی تحریروں کو پسند فرمایا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ آپ اپنے ممدوح حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ سے کبھی نہیں ملے مگر ان کی علمی خدمات سے اتنے متاثر تھے جیسے ساری زندگی ان کے مجلسی رہے ہوں۔ زیر نظر مضمون کو اس انداز سے ترتیب دیا کہ قاری محسوس کرے گا کہ چیمہ صاحب ابھی ابھی حکیم صاحب کی محفل سے اٹھ کر آئے۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں لذت از گفتار خیزد!

پتا: پرنسپل گورنمنٹ کالج، فیصل آباد

ہے۔
راقم احقر ابھی میٹرک کا ایک طالب علم تھا کہ مخدومی مولوی شمس الدین مرحوم (ف ۱۹۶۸ء) کے مرکز کتاب فروشی جو دراصل کتابوں کی دکان نہیں بلکہ اہل علم کا مجمع و مرجع تھی وہاں تشریف لانے والے بزرگوں میں حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری بھی تھے وہیں ان سے پہلی ملاقات ہوئی پھر مرحوم کے مطب واقع رام گلی لاہور جانے لگا۔ اس طرح رفتہ رفتہ مرحوم کے ساتھ خلوص و مودت کے مراسم گہرے ہوتے چلے گئے۔ آں مرحوم کا یہی مطب دوا فروش کی دکان نہیں بلکہ اہل علم و علماء کا مرجع خاص تھی جہاں ہر مذہب و ملت کے افراد علماء و محققین آتے اور اپنے علمی مسائل بیان کرتے تھے۔

اس وقت ان مجالس علمیہ میں حکیم صاحب مرحوم کے ساتھ ہونے والے چند مذاکرات کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔

(ا) لڑکپن کا زمانہ تھا میں نادر کتابوں کی تلاش میں سائیکل پر مراکز کتاب فروشی میں پھرتا رہتا تھا۔ حکیم صاحب نے ایک روز فرمایا کہ دیکھو "کتاب فخرالحسن" تالیف شاہ فخر جہاں دہلوی کی ایک ضخیم و جیم شرح عربی میں مولانا حسن الزمان حیدر آبادی (ف ۱۳۲۸ھ) نے لکھی تھی۔ یہ شرح بہت ہی نایاب ہے تم اسے تلاش کرو، خوش نصیبی سے چند ماہ کے اندر ہی یہ نادر الوجود کتاب مل گئی۔ مجھے یاد ہے یہ کتاب مطبع عزیزیہ دکن حیدر آباد دکن سے ۱۳۱۲ھ سے طبع ہوئی تھی۔ میں اسے خوشی سے جھومتا ہوا لے کر حکیم صاحب کے مطب میں حاضر ہوا۔ شدید گرمی کا موسم، دوپہر کا وقت تھا۔ مرحوم مطب کے بالاخانے پر استراحت فرما رہے تھے۔ میں نے ان کے خادم فیروز دین سے پوچھا تو پتا چلا کہ حکیم صاحب سو رہے ہیں۔ میں نے مناسب سمجھا کہ یہ خوشی کی خبر (بطور پیغام) فیروز دین کو سنا دوں۔ مجھے کیا معلوم کہ مرحوم اس کتاب کا نام سنتے ہی اٹھ کر بیٹھ

جائیں گے۔ موصوف نے اوپر سے آواز دی فیروز دین کیا اقبال آیا ہے؟ اس نے اثبات میں جواب دیا تو فوراً نیچے آ گئے اور کہا اچھا کتاب دکھاؤ۔ میں نے جو کتاب دکھائی تو بہت دیر تک اسے الٹ پلٹ کر دیکھتے رہے اور پھر مبارک باد کے طور پر کہا کہ "تم فاتح ہو" اسی طرح علمی فتوحات میں لگے رہنا۔ میں نے رخصت ہوتے وقت دعا کی درخواست کی تو فرمایا کہ اس کے شارح کے حالات زندگی تلاش کرو، میں اس پر ایک مقالہ لکھنا چاہتا ہوں۔ اس وقت طالب علمانہ مصروفیات میں میں تلاش و جستجو کے لیے وقت نہ نکال سکا لیکن کچھ عرصہ کے بعد شارح مولانا حسن الزمان مذکور کے رسائل کا ایک ناتمام مجموعہ مجھے دستیاب ہوا جس میں ان کی مشیخت پر بھی ایک رسالہ عربیہ موجود تھا۔ مرحوم نے اس پر اتنی خوشی کا اظہار کیا کہ میں بے بضاعت احاطہ تحریر میں نہیں لا سکتا۔

فرمایا کہ بڑے بڑے محققین نے اس کتاب کا نام اور شرح دونوں کا نام غلط لکھا ہے جس کی وجہ کتاب کی نایابی ہے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے کتاب کا نام "القول المستحسن فی شرح فخر الحسن" لکھا ہے حالانکہ اس کا صحیح نام "القول المستحسن فی الحسن" ہے اور مولف کا نام حسن الزمان ہے نہ کہ احسن الزمان۔ مجھے حکیم صاحب مرحوم کے شیخ مولانا علی محمد بی مرحوم کا کتب خانہ واقع پاک پٹن دیکھنے کا اتفاق ہوا تو وہاں "القول المستحسن" کا پہلا ایڈیشن مطبوعہ مطبع دہلی اردو اخبار ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۱ء دیکھا تو حکیم صاحب کو بتایا۔ غالباً مرحوم نے وہاں سے یہ نسخہ منگوا کر ملاحظہ کیا تھا۔

(۲) اسی طرح مجھے ایک بہت نادر الوجود کتاب "اقتباس الانوار" مولفہ محمد اکرم براسوی ملی۔ یہ کتاب ۱۸۹۵ء کو مطبع اسلامیہ لاہور سے طبع ہوئی تھی۔ اس وقت تک اس کا اردو ترجمہ نہیں چھپا تھا۔ مرحوم نے یہ کتاب کئی مرتبہ مجھ سے مستعار لے کر پڑھی اور نقل و اقتباس کے بعد واپس کر دی۔ لیکن آخری مرتبہ

جو لی تو مطب میں سے کوئی صاحب یہ اہم تذکرہ چوری کر کے لے گئے جس کا مرحوم کو تاحیات صدمہ رہا اور جب کبھی مجھے کوئی اہم کتاب ملتی تو اس کے چوری ہونے پر تاسف کا اظہار ضرور فرماتے۔ مجھ سے کہا کہ تم اس کتاب کے مولف کے حالات تلاش کرو۔ مجھے "انوار العاشقین" میں صرف چند سطریں ملیں جو فن تذکرہ نویسی کے اعتبار سے بے کار محض تھیں۔ پھر کتاب کے بعض حصوں کے بالاستیعاب مطالعہ کے بعد معلوم ہوا کہ مولف سرہند کے نواحی قصبہ سفیدون کے رہنے والے تھے اور سرہند کے مدرسہ مجددیہ میں تحصیل علم کی سعادت نصیب ہوئی تھی اور علامہ محمد فرخ بن خواجہ محمد سعید بن حضرت مجدد الف ثانی کے شاگرد تھے۔ ان معلومات کے مل جانے سے موصوف بہت ہی محظوظ ہوئے اور یہ سب کچھ میری زبانی سن کر اپنی بیاض میں قلمبند کر لیا۔

(۳) مرحوم خطہ پنجاب کے بارے میں اکثر یہ فرماتے تھے کہ علمی تحقیقات کے اعتبار سے یہ گزشتہ ایک صدی سے لاپرواہی اور عدم توجہی کا شکار چلا آ رہا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ پنجاب کی تاریخ پر ٹھوس علمی کتابیں شائع کی جائیں، اس کی تاریخ کے ماخذ اصل (Original Sources) ایڈٹ کر کے شائع کرنے چاہئیں، انہیں پنجاب کے دور وسطی کے علماء و مشائخ کی تصانیف، مکتوبات، ملفوظات اور ان کے تذکروں سے گہرا لگاؤ تھا۔ مجھ سے دوسرے علمی کام رکوا کر "پنجاب کی تاریخ تصوف کے ماخذ" کے عنوان سے کام کروایا۔ میں نے اس موضوع پر بہت سے کارڈ بنائے پھر یہ کام میری طالب علمانہ مصروفیات کے باعث ادھورا رہ گیا لیکن مرحوم آخری ایام بیماری میں بھی اس کام کی تکمیل پر زور دیتے رہے۔ عہد عالمگیر (۱۶۵۸—۱۷۰۷ء) کے ایک تذکرہ نویس عبداللہ خویشگی قصوری کے احوال و آثار پر ایک تحقیقی کتاب لکھنے کا جب میں نے ارادہ کیا تو نہ صرف خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اس پر بڑے پر زور الفاظ میں تائیدی

کلمات کہے بلکہ قدم قدم پر رہنمائی فرمائی۔

اسی طرح حضرت خواجہ غلام محی الدین قصوری (ف ۱۲۷۰ھ) کے احوال و تالیفات و تعلیمات پر ایک جامع کتاب کی ترتیب و تدوین کا آغاز کیا تو ہمہ تن تعاون بن گئے۔ فرمایا کہ ان کا عہد مذہبی اعتبار سے بہت ہی پرفتن تھا۔ اس عہد کی مذہبی فضا ایسی مکدر ہو چکی تھی کہ اس کا خاکہ مرتب کیے بغیر اس عظیم شخصیت کی مذہبی خدمات کو نہ سمجھا جا سکتا ہے اور نہ ہی سمجھایا جا سکتا ہے۔ موصوف نے یہ پس منظر لکھنے کے لیے بہت سے ماخذ و مراجع کا تذکرہ کیا جن میں سے اکثر کا میں مطالعہ کر چکا ہوں۔ افسوس کہ یہ اہم کام مرحوم کے حین حیات منظرعام پر نہ آسکا لیکن اس کا خلاصہ ان کے جمع کردہ ملفوظات شریفہ میں بطور مقدمہ شائع ہو چکا ہے۔

مجھ سے اردو دائرۂ معارف اسلامیہ کے لیے قصور پر ایک تحقیقی مقالہ بھی لکھوایا اور پھر "تاریخ قصور کے ماخذ" کے عنوان سے ایک مضمون لکھوایا جو رسالہ کتاب شناسی (زیر ادارت ڈاکٹر سید عارف نوشاہی، اسلام آباد) میں شائع ہوا۔ مرحوم کو میری مرتبہ "تاریخ قصور" کی طباعت کا شدت سے انتظار رہا لیکن افسوس کہ میری دنیاوی الجھنوں اور دیگر علمی تحقیقات کی مصروفیتوں کے باعث اس پر نظر ثانی آج تک نہ ہو سکی۔

(۴) حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم صوفیہ کے دو مختلف نظریات یعنی وحدت الوجود اور وحدت الشہود کو اکثر زیر بحث لاتے تھے۔ موصوف اگرچہ نظریہ وحدت الوجود کے حامی تھے لیکن ان کے مقابل حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے پیش کردہ نظریہ وحدت الشہود کا بھی بڑے احترام سے ذکر کرتے تھے۔ مرحوم اسے لفظی نزاع تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھے بلکہ ان دونوں کے درمیان واضح فرق کے قائل تھے۔ فرماتے تھے کہ یہ ایسا

موضوع ہے جسے عوام الناس کے درمیان بیان نہیں کرنا چاہیے۔ ان صوفیہ پر بڑی ناراضی کا اظہار کرتے تھے جنھوں نے وحدت الوجود کی ایسی تشریحات کی تھیں جن سے وحدت ادیان کے نظریہ کو تقویت ملتی تھی۔ وحدت ادیان کو کفر صریح کہتے تھے۔ میں نے ملا بحر العلوم کا رسالہ وحدت الوجود مرتبہ و مترجمہ مولانا زید ابوالحسن فاروقی لا کر دیا تو پڑھ کر مسرور ہوئے اور کہا کہ مولانا زید نے بہت خوب کام کیا ہے کہ اس کے حواشی میں حضرت مجدد الف ثانی کے نظریہ وحدت الشہود پر مشتمل تمام مکاتیب کے اقتباسات دے دیئے ہیں۔ اس طرح یہ دونوں نظریات کے تقابلی مطالعہ کی ایک اچھی لیکن ابتدائی کوشش ہے۔

ایک روز فرمایا کہ اس موضوع پر اردو زبان میں سب سے اہم کوشش مولانا مبارک علی حیدر آبادی کی ہے جنھوں نے "فصوص الحکم" کے بین السطور اردو ترجمے پر ڈیڑھ سو صفحات کا ایک مبسوط مقدمہ لکھ کر ان دونوں نظریات کا عالمانہ تجزیہ کیا ہے۔ جب میں نے درخواست کی مجھے یہ کتاب دکھائیں تو متاسفانہ کہا کہ بھائی یہ کتاب تو صرف ۲۵۰ کی تعداد میں آج سے تقریباً ایک صدی قبل چھپی تھی۔ پاکستان میں کہیں نہیں ملتی۔ میں نے سنا ہے کہ لاہور میں ایک صاحب کے پاس ہے لیکن وہ دیتے نہیں ہیں۔ تم کوشش کر کے کہیں سے یہ کتاب اپنے لیے ہی حاصل کرو۔ میں اس کی جستجو میں لگا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے مجھے اس کا نسخہ حاصل ہوگیا۔ جب حکیم صاحب مرحوم کی خدمت میں پیش کیا تو بادشاہوں کی طرح اس کی قدر و منزلت کی۔ جب میں نے کہا یہ تو مستعار ملی ہے، چند دنوں کے بعد مجھے واپس کرنا ہے تو بجھ سے گئے۔

ایک روز پھر اس موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی کہ مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ دیکھو ان نظریات کی تطبیق پر سب سے مفصل کتاب شاہ عبدالقادر مہربان فخری میلاپوری (ف ۱۲۰۴ھ) کی ہے جس کا نام جناب مرزا غلام قادر صاحب نے

"اصل الاصول" بتایا ہے اور کہا ہے کہ یہ کتاب مدراس یونیورسٹی مدراس ہندوستان سے چھپی تھی، تم یہ کتاب حاصل کرو۔ میں نے مذکورہ پتے پر مراسلت کی تو معلوم ہوا کہ عرصہ ہوا یہ کتاب طبع ہوئی تھی اب نہیں ملتی۔ مدراس کے ایک علم دوست بزرگ سے درخواست کی تو انہوں نے تلاش بسیار کے بعد اصل قیمت سے کئی گنا رقم دے کر میرے لیے خریدی اور بھیج دی۔ کتاب کیا تھی سات سو صفحات کا عمیق سمندر تھا۔ میں نے مرحوم کی خدمت میں مطالعہ کے لیے پیش کی تو اس قدر خوش ہوئے کہ دیر تک دعائیں دیتے اور حصول علم پر کاربند رہنے کی تلقین کرتے رہے اور دعا کے طور پر یہ مصرعہ پڑھتے رہے ؎

اللہ کرے مرحلہ شوق نہ ہو طے

لیکن افسوس کہ یہ کتاب بھی اقتباس الانوار کی طرح مرحوم کے مطب سے چوری ہوگئی اور اب تک دوبارہ نہ مل سکی۔

(۵) راقم احقر عرصہ دراز سے ایک مخطوطہ مقامات معصومی (در حالات و تعلیمات حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس سرہ) تالیف میر صفر احمد معصومی ایڈٹ کر رہا ہے۔ مرحوم کے حین حیات اس کا بہت سا کام مکمل ہوگیا تھا۔ یہ کتاب تین چار ضخیم جلدوں میں شائع ہوگی۔ اس کے نصف حصے کی کتابت بھی مرحوم کی خواہش کے مطابق خطاط محمد ریاض تلمیذ حاجی محمد اعظم نے رقم کی تھی لیکن ابھی نصف حصہ باقی تھا کہ حکیم صاحب قبلہ کا وصال ہوگیا۔ مرحوم کو اس کی اشاعت سے بہت دلچسپی تھی۔ اس پر تحقیقی کام میں جتنی معاونت موصوف نے کی تھی بہت کم کسی نے اتنا تعاون کیا ہوگا۔ اس کی ایک جلد فارسی متن، ایک جلد ترجمہ، ایک جلد مقدمہ اور ایک ضخیم جلد بقدر سات صد صفحات اس پر تعلیقات و حواشی پر مشتمل ہے۔ مرحوم ہر ملنے والے سے بڑی محبت کے ساتھ اس بے بضاعت و کم علم طالب علم کے اس کام کا تذکرہ فرماتے اور دعا کرتے کہ

اللہ تعالیٰ اس کی اشاعت کا بندوبست فرما دے، آمین۔

(۶) موصوف حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ (۹۷۱-۱۰۳۴ھ) سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ حضرت کے مکتوبات شریف پر ایک مقدمہ بھی لکھا تھا۔ یہ اہم مقدمہ فقیر کے گھر میں بیٹھ کر لکھا گیا اور مجھے یہ سعادت حاصل ہے کہ اس کے تمام ماخذ و مراجع میں نے مہیا کیے۔ جب میں یہ عرض کرتا کہ حضرت آپ یہ کتابیں اپنے ساتھ لے جائیں اور جب تک چاہیں استعمال کریں تو صاف انکار کر دیتے کہ تم نے بڑی جانفشانی سے یہ کتابیں حاصل کی ہیں، ایسا نہ ہو کہ مجھ سے کھو جائیں، تم سے زیادہ اس کا صدمہ مجھے ہو گا۔ دراصل میری دو اہم کتابوں، جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے، کے گم ہونے کا مرحوم کو بڑا قلق تھا۔ مرحوم یہ چاہتے تھے کہ حضرت امام ربانی کی تعلیمات عام ہوں اور علماء کرام ان پر خصوصی توجہ دیں اور عوام کو آپ کی تعلیمات کے ساتھ ساتھ آپ کے تجدیدی کارناموں سے بھی آگاہ کریں۔

جب میں نے ایک مقالہ انگریزی میں لکھ کر پیش کیا تو فرمایا کہ اس کا کیا نام ہے۔ میں نے کہا کہ آپ دیکھ لیں۔ فرمایا کاش میں بھی یہ زبان جانتا ہوتا۔ میں نے عنوان پڑھا:

"Analysis of Mujaddid-i-Alf-i-Sani's attitude towards Hindus"

تو اتنے خوش ہوئے کہ اپنی نشست سے اٹھ کر معانقہ کیا اور اس کے بعض حصے پڑھوا کر سنے تو زار و قطار روتے رہے۔ میں نے خوشی اور حزن کے ملے جلے جذبات کا اظہار ان کی مبارک زبان سے اس قدر تاثیر عمیق کے ساتھ پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔ یہ دراصل مرحوم کی قوت ایمانی تھی جس کا اس وقت ظہور ہوا۔ مجھے تاکیداً کہا کہ تم اس کا اردو ترجمہ کر کے یہاں کے کسی کثیر الاشاعت رسالے میں شائع کرو......

اس قسم کے سینکڑوں واقعات ہیں جن کا راوی راقم فقیر ہے۔ ضرورت ہے کہ دیگر احباب بھی حکیم صاحب کی مجالس علمیہ کے واقعات قلمبند کریں تاکہ آنے والی نسلوں کے لیے راہنمائی کا سبب ہو۔

(نوٹ) مقالہ مرکز سے دور ریل کے سفر میں لکھا ہے، کتب حوالہ پیش نظر نہیں ہیں، قارئین احتیاط سے نقل و اقتباس کریں۔

——————*——————*——————
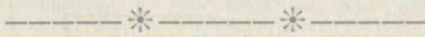
پروفیسر محمد اقبال ایم۔اے اسلامیہ کالج، لاہور کینٹ میں شعبہ تاریخ کے صدر ہیں۔ آپ قصور میں ۱۵ ستمبر ۱۹۵۰ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا اسمِ گرامی میاں نور محمد مرحوم تھا۔ ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے گھر سے حاصل کی۔ لاہور آئے تو اہلِ علم و فضل کی مجالس میں بیٹھنے کا موقع ملا اور کتابی ذوق کی دولت ملی۔ تعلیمی مدارج طے کرتے گئے اور ایم اے پاس کر کے محکمہ تعلیم میں ملازمت کر لی۔ آپ نادر کتابوں کی تلاش میں مختلف مکتبوں میں جاتے اور اپنی پسند کی کتابیں اکٹھی کرتے۔ ایک وقت تھا کہ مسلم مسجد کے زیرِ سایہ نادر کتب کے ایک تاجر مولوی شمس الدین مرحوم (م ۱۹۶۸ء) یہاں اکثر جاتے اور وہاں سے ہی حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی مجالس میں آنا جانا شروع کیا۔ حکیم صاحب کتاب دوست طلباء کی بہت راہنمائی فرماتے۔ محمد اقبال مجددی بھی اسی سلسلے میں آپ کے قریب ہوئے اور ساری عمر تحقیق و جستجو میں گزار دی اور حکیم صاحب سے راہنمائی حاصل کی۔ تاریخ و تحقیق کے موضوع پر آپ کے مضامین دارالمصنفین اعظم گڑھ، انڈیا میں چھپے تو آپ علمی حلقوں میں متعارف ہوئے۔ آپ نے آج تک ایک ہزار مقالات لکھے ہیں جو آپ کی علمی تحقیق کی ایک مثال ہے۔ مقاماتِ مظہری، احوال و آثار عبداللہ خیشگی قصوری، حسنات الحرمین اور مقامات معصومی، تصوف و عرفانی حلقوں میں بڑی معروف ہوئیں۔ آپ نے حکیم صاحب کے ساتھ خاصا وقت گزارا اور حکیم صاحب کی نادر و نایاب کتابوں کے ذخیرے کو جمع کرنے میں بڑا حصہ لیا۔ آپ کے پاس سلسلۂ مجددیہ نقشبندیہ کی کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ آپ نے علمی تحقیقات کے سلسلے میں مختلف ممالک کی لائبریریوں میں جا کر نادر و نایاب کتابوں کا مطالعہ کیا۔

پتا: صدر شعبہ تاریخ، گورنمنٹ اسلامیہ کالج، لاہور کینٹ، لاہور

حکیم محمد موسیٰ امرتسری

اور نعتِ رسول

حب رسول کے سچے جذبوں میں بھیگی ہوئی نعتوں کے ذریعہ دل و دماغ کو آسودگی فراہم کرنے والی کیفیتوں کی سوغات بانٹنے والے نعت خواں محمد ثناء اللہ بٹ کے ساتھ چند لمحے گزاریں۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ وہ عظیم شخصیت تھے، جن کا سینہ عشق رسول ﷺ، حب اہل بیت صحابہ کبار بزرگان دین اور اپنے شیخ کامل کی محبت و عقیدت کی مہک سے ہمہ وقت مہکتا لہکتا نظر آتا تھا اور یوں مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مصرعہ ان پر صادق آتا تھا۔

"بہار صد چمن در سینہ دارم"

ان کا مسلک حنفی، رضوی مشرب چشتی، نظامی اور قادری تھا۔

امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام اہلسنت اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ہر دو نعت کے عظیم شاعر تھے۔ یوں حکیم صاحب کو اپنے مسلک و مشرب کی جانب سے قدرت نے نعت کا وافر ذوق عطا کیا تھا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے معروف قصیدہ کا ایک شعر دیکھئے:

یا سید السادات جئتک قاصدا
ارجوا رضاک وا حتمی بحماک

امام اہل سنت کی حدائق بخشش کا مطالعہ تو اپنے پرائے سب کے لیے باعث تسکین و راحت ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

ملک سخن کی شاہی تم کو "رضا" مسلم
جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

حکیم صاحب جب کبھی اپنے شیخ کامل میاں علی محمد خان صاحب بسی شریف والوں کی خانقاہ

معلیٰ کا ذکر فرماتے تو ان کے شعر ذوق کا بھرپور تذکرہ فرماتے۔ کئی مرتبہ آپ نے بیان فرمایا کہ اگر سالانہ عرس مقدس کی تقریبات کے موقع پر کوئی نیا شخص آ جاتا اور محفل سماع میں کچھ سنانے کی خواہش کا اظہار کرتا تو باقاعدہ ایک کمیٹی تشکیل دی جاتی۔ وہ جو کچھ سنانا چاہتا' اس کو سنانے کو کہا جاتا۔ انتخاب کلام' تلفظ کی تصحیح' انداز بیان اور صوتی اثرات کا جائزہ لیا جاتا۔ اگر وہ کمیٹی کے معیار پر پورا اترتا تو اسے موقع ملتا' ورنہ انکار کر دیا جاتا۔ یوں انہیں مرشد خانے کی جانب سے نہ صرف سخن فہمی و شعری ذوق بلکہ دیگر کئی چیزیں میسر تھیں' جن کا گہرا تعلق نعت خوانی اور محفل سماع (قوالی) سے تھا۔ وہ اکثر قوالوں کا ذکر بھی کرتے۔ خصوصی طور پر محمد علی فریدی امرتسری مرحوم کا ذکر احسن طریقہ سے کرتے۔

حافظ محمد سردار' نعت خوان طویل عرصہ سے مدینہ منورہ میں ہیں۔ سن رسیدہ ہیں' مگر نعت اب بھی پڑھتے ہیں۔ کسی زمانے میں حرم نبوی ﷺ کے "باب مجیدی" کے سامنے پاکستانی ہوٹل کے باہر بیٹھتے تھے اور زائرین کو نعتیں سنایا کرتے تھے۔ میری ان سے پہلی ملاقات حکیم صاحب کے مطب ریلوے روڈ میں ہوئی۔ حکیم صاحب نے حافظ صاحب کو نعت پڑھنے کے لیے کہا۔ حافظ صاحب نے نعت پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔ حکیم صاحب نے مبلغ دوصد روپے پیش کیے اور کہا: آپ مدینہ منورہ سے تشریف لائے ہیں۔ یہ آپ کی نذر ہے' قبول کیجئے۔ میں نے حافظ صاحب کی نعتیں مدینہ منورہ میں بھی سنی ہیں۔ حافظ صاحب آنکھوں سے نابینا ہیں' مگر مدینہ منورہ کے گلی کوچوں سے بخوبی آگاہ ہیں۔

بقول پروفیسر اقبال عظیم ؎

بصارت کھو گئی میری' بصیرت تو سلامت ہے
مدینہ میں نے بھی دیکھا' مگر نادیدہ نادیدہ

حکیم صاحب حافظ محمد سردار صاحب سے نعت سن کر بہت خوش ہوا کرتے تھے۔ ۱۹۷۸ء میں میرے برادر کلاں الحاج میاں کفایت اللہ بٹ صاحب مدینہ منورہ میں رہتے تھے۔ میں عمرہ شریف کے لیے حجاز مقدس گیا۔ مدینہ منورہ میں ہم دونوں بھائی کسی کی تلاش میں نکلے۔ تلاش کرتے کرتے بواب غلام محمد بہاولپوری صاحب کے گھر پہنچے۔ (بواب غلام محمد ان دنوں مسجد نبوی

ﷺ شریف کے باب عثمان رضی اللہ عنہ پر متعین تھے) ہم جس کی تلاش میں تھے، وہ شخص ہمیں ان کے ہاں مل گیا۔ ملاقات کے بعد ہم نے اجازت چاہی۔ بو اب غلام محمد کہنے لگے: آج ہمارے ہاں دعوت ہے، کھانا کھا کر جانا۔ میں نے کہا مغرب کی نماز کا وقت ہوا چاہتا ہے، ہم نماز مغرب مسجد نبوی میں ادا کر کے قطب مدینہ حضرت مولانا ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مدنی کے ہاں جانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا اب آپ ہرگز ہرگز نہیں جاسکتے کیونکہ آپ اپنے نکل آئے ہیں۔ اس وقت مکان کے عقب میں چاردیواری کے اندر نعت خوانی ہو رہی ہے، اس میں شامل ہوں۔ محفل کے اختتام پر کھانا کھا کر جائیں۔ ہم مکان کے عقبی حصے میں آئے تو نعت خوانی ہو رہی تھی۔ میرا تعارف میرے بھائی صاحب نے کرایا۔ سامعین کے کہنے پر میں نے اردو کی ایک نعت پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔ اس محفل میں مستری نور محمد مرحوم نعت خواں بھی موجود تھے۔ مجھے فرمانے لگے "یار کوئی پنجابی نعت سناؤ"۔ میں نے تاجدار گولڑہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کی معروف نعت

"اج سک متراں دی ودھیری زائے"

تضمین کے ساتھ پڑھی۔ مستری نور محمد مرحوم اشکبار ہو گئے اور مجھے فرمایا: تو نے تضمین میں حضرت خواجہ محمد یار فریدی رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار پڑھ کر کئی پرانے بزرگوں کی یاد تازہ کر دی ہے۔ علاوہ ازیں تیری نعت خوانی میں مجھے محمد اعظم چشتی کی خوشبو آئی ہے۔ میں نے کہا، وہ میرے استاد محترم ہیں۔ یہ سنتے ہی کھڑے ہو گئے اور مجھے کہا کھڑے ہوں، مجھے سینے سے لگایا اور کہا کہ وہ میرے بھی استاد محترم ہیں۔ میں نے پوچھا: آپ کب اور کہاں شاگرد ہوئے؟ کہنے لگے: یہیں مدینہ منورہ میں محمد اعظم چشتی صاحب نے ایک محفل نعت میں ایسی کیفیت پیدا کر دی کہ میں بے اختیار تڑپ کر قدموں میں گرا اور ان کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے اپنے حلقہ شاگردان میں شامل فرما کر مہربانی فرمائیے۔ انہوں نے انتہائی شفقت سے میری اس گزارش کو شرف قبولیت بخشا۔ یوں میں یہاں شہر سرکار ﷺ میں ان کے شاگردوں کی صف میں کھڑا فخر محسوس کرتا ہوں۔ اس کے بعد کھانا کھایا اور نماز مغرب وہیں باجماعت ادا کی۔ اس مختصر سی ملاقات میں یوں محسوس ہوتا تھا، نہ جانے کب سے ایک دوسرے سے آشنا ہیں۔ میں نے کہا، اب ہم قطب مدینہ کے ہاں جانا

چاہتے ہیں۔

مستری نور محمد مرحوم کہنے لگے اگرچہ میرے گھٹنے چلنے نہیں دیتے مگر اب آپ کی محبت مجھے مجبور کر رہی ہے کہ آپ کو ساتھ لے کر چلوں۔ ساتھ لے کر گئے' ابھی سیڑھیاں چڑھ رہے تھے کہ قطب مدینہ فرمانے لگے' نور محمد کیا حال ہے؟ کہنے لگے' حضرت بہت اچھا ہے۔ ایک بہت اچھا نعت خواں پاکستان سے آیا ہے۔ محمد اعظم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا شاگرد ہے۔ ساتھ لایا ہوں۔ بس ہم بیٹھ گئے۔ آپ نے درود شریف کا ورد شروع کیا اور فرمایا: نعت سناؤ۔ نعت پڑھی۔ آپ نے دعائیں دیں اور فرمایا اعظم چشتی صاحب کو ہمارا سلام دینا اور کہنا کہ ہم یہاں انہیں یاد کرتے ہیں۔

پاکستان آ کر میں نے یہ واقعہ حکیم صاحب کو سنایا۔ سن کر خوش ہوئے اور فرمایا' ہم بچپن سے محمد اعظم چشتی صاحب کی نعتیں سنتے رہے ہیں' وہ ہم سے عمر میں بڑے ہیں' ہمارے بزرگ ہیں۔ مستری نور محمد صاحب جب بھی پاکستان آتے' وہ ٹھہرتے حاجی محمد اقبال صدیقی مرحوم (ریواز گارڈن) اشفاق قادری مرحوم یا میاں جمیل احمد شرقپوری صاحب کے ہاں' مگر حکیم صاحب کے مطب میں حاضر ہونا اپنے لیے باعث افتخار خیال کرتے۔ حکیم صاحب بھی ان سے بے پناہ محبت کرتے۔ مستری نور محمد مرحوم سیالکوٹی تھے۔ جناب احمد ندیم قاسمی کی نعت کا درج ذیل دعائیہ شعر۔

میں اس اعزاز کے لائق تو نہیں ہوں لیکن

مجھ کو ہمسائیگی گنبد خضریٰ دے دے

مستری نور محمد مرحوم کے حق میں قبول و منظور ہوا اور اس وقت وہ جنت البقیع شریف گنبد خضریٰ کی ہمسائیگی میں محو استراحت ہیں۔

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

حکیم صاحبؒ کو قطب مدینہؒ نے سلسلہ عالیہ قادریہ میں خلیفہ مجاز بنایا ہوا تھا' چنانچہ ذوق نعت دونوں میں مشترک تھا۔ قطب مدینہؒ کا ذوق اور حکیم صاحب کا ذوق نعت ملتا جلتا تھا۔ حکیم صاحب نے خود مجھے سنایا کہ حافظ محمد طاہر (بجلی) چیچہ وطنی کے معروف نعت خواں تھے۔ کئی مرتبہ

حجاز مقدس گئے۔ آنکھوں سے نابینا تھے۔ ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں کسی شخص سے مبلغ پانچ ہزار ریال (۵۰۰۰) ادھار لیے۔ حسب وعدہ ادا نہ کر سکے۔ اس شخص نے مدینہ منورہ میں حافظ طاہر کو گرفتار کروادیا۔ پولیس والوں نے حافظ محمد طاہر سے دریافت کیا کہ کیا مدینہ منورہ میں تمہارا کوئی جان پہچان والا نہیں ہے: حافظ صاحب نے کہا مولانا ضیاء الدین قادری میرے مہربان ہیں۔ چنانچہ قطب مدینہ کو حافظ محمد طاہر کی گرفتاری اور وجہ گرفتاری سے مطلع کیا گیا۔ آپ نے اپنے صاحبزادے مولانا فضل الرحمٰن صاحب کو بلایا اور فرمایا: ارے فضل الرحمٰن حافظ طاہر گرفتار ہے۔ کسی کا کچھ قرض اس کے ذمہ ہے وہ چکاؤ اور اسے رہا کراؤ۔ مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے پانچ ہزار (۵۰۰۰) ریال ادا کیے اور حافظ کو رہا کرایا۔ یہ قصہ میں نے حکیم صاحب سے سنا اور حاجی چوہدری محمد اسحاق صاحب نوری (داروغہ والا) کو سنایا۔ انہوں نے مجھے کہا' اس قصے کا کچھ حصہ بقایا ہے' وہ مجھ سے سنو۔ وہ قرض لینے والا شخص ہر روز قطب مدینہ کی محفل میں بیٹھتا تھا۔ میں اسے جانتا ہوں۔ جب آپ کو پتا چلا کہ اس شخص نے ایسا کیا ہے تو آپ اس سے ناراض ہو گئے۔ وہ ہر چند معافی کا طلبگار رہا' مگر آپ نے ہمیشہ یہی کہا کہ تو نے نبی کریم ﷺ کے نعت خواں کو گرفتار کروا کر بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے جو کہ ناقابل معافی ہے۔ یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا اور اسے معاف نہیں کیا۔

الحاج میاں بشیر حسین ناظم ریٹائرڈ ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان مرکزی مجلس رضا کے بانیان میں سے ہیں۔ ابتدائی دور میں حکیم صاحب کے ساتھ بھرپور رفاقت رہی۔ یوم رضا کی تقریبات میں بھرپور حصہ لیتے۔ جامعہ مسجد نوری ریلوے اسٹیشن لاہور "یوم رضا" کے موقع پر کلام رضا پڑھتے۔ اپنی پرسوز آواز کا جادو جگاتے۔ حاضرین مسحور ہو جاتے۔ پھر ایک ایسا وقت آیا جب ناظم صاحب بسلسلہ ملازمت لاہور کو خیر باد کہہ کر اسلام آباد منتقل ہو گئے۔ مگر جب بھی لاہور آنا ہوتا' حکیم صاحب کے مطب اور اپنے دیرینہ دوست پیرزادہ اقبال احمد فاروقی (ایڈیٹر جہان رضا) کے مکتبہ نبویہ میں حاضری ان کے معمولات کا لازمی جزو رہی' چنانچہ کئی

مرتبہ میں (راقم) بھی ان کے ہمراہ حکیم صاحب کے مطب اور مکتبہ نبویہ پر حاضر ہوا۔ یہ حکیم صاحب کی رفاقتوں کا نتیجہ ہے کہ ناظم صاحب کی نعت خوانی میں نکھار آیا۔ بے شمار زبانوں میں نعت گوئی کا شرف حاصل ہوا۔ پاکستان کے ممتاز ادیبوں اور دانشوروں میں شمار ہوئے۔

امرتسر شہر کے نعت خواں حضرات کی بات ہوتی تو حکیم صاحب پیر غلام مرتضیٰ امرتسری کے شاگردوں کا بھرپور انداز میں ذکر کرتے۔ ان کے شاگردوں میں سے خلیفہ جان محمد بٹ مرحوم، صوفی اللہ دتا مرحوم، حاجی دین محمد مرحوم کا اکثر ذکر فرماتے۔ جان محمد بٹ صاحب کی آواز کی بہت تعریف فرماتے۔ حاجی دین محمد مرحوم کو کئی ایک بزرگوں کا کلام ازبر یاد تھا۔ ان کی یادداشت کی بہت تعریف کرتے۔

صوفی اللہ دتا مرحوم کو آپ کے مطب میں کئی مرتبہ دیکھا۔ انہوں نے مرکزی مجلس رضا کے ابتدائی ایام میں مجلس رضا کی تقریبات میں کامیابیوں اور کامرانیوں کے لیے حکیم صاحب کے شانہ بشانہ کام کیا۔

جامع مسجد نوری ریلوے اسٹیشن لاہور میں جب یوم رضا منعقد ہوتا تو صوفی اللہ دتا اکثر اعلیٰ حضرت کی یہ نعت

بندہ ملنے کو قریب حضرت قادر گیا

لمعہ باطن میں گمنے جلوہ ظاہر گیا

پڑھتے تو حاضرین جھوم جھوم جاتے۔ صوفی اللہ دتا مرحوم نارووال شہر کے قریب کسی گاؤں میں رہتے تھے۔ ان کے انتقال پر ملال کی خبر مجھے کسی نے سنائی۔ میں حکیم صاحب کے پاس دوڑا دوڑا گیا۔ صوفی اللہ دتا مرحوم کی فوتیدگی کی خبر سنائی۔ سن کر افسردہ ہوئے مگر خاموش رہے۔ نہ دعائے مغفرت نہ ایصال ثواب۔ چند دن بعد میں دوبارہ حاضر ہوا۔ خوشی خوشی مجھ سے کہا میں صوفی اللہ دتا مرحوم کی فوتیدگی کی خبر سن کر پریشان تھا اور اس کی فوتیدگی کی تصدیق کرنا چاہتا تھا کہ کیا واقعی صوفی اللہ دتا انتقال کر گئے ہیں۔ مجھے اچانک خواب میں ماسٹر محمد بخش فریدی رحمۃ اللہ علیہ ملے اور کہا،

حکیم صاحب صوفی اللہ دتا مرحوم کے لئے فکر مند نہ ہوں، وہ میرے پاس پہنچ چکا ہے۔

ماسٹر محمد بخش فریدی مرحوم حکیم صاحب کے یاران امرتسر میں سے تھے۔ حضرت خواجہ محمد یار فریدی کے مرید خاص اور صوفی اللہ دتا مرحوم کے مہربان دوست تھے۔ صوفی اللہ دتا مرحوم اور ماسٹر محمد بخش فریدی مرحوم دونوں حضرات کا اکثر وقت ایک ساتھ گزرتا تھا۔

حکیم صاحب قاری محمد طفیل امرتسری مرحوم کا اسم گرامی بڑی محبت سے لیتے۔ اکثر فرمایا کرتے، قاری محمد طفیل مرحوم اپنے دور میں عالم اسلام کے بہت بڑے قاری تھے، مگر نعت پڑھنے میں بھی یکتا و بے ہمتا تھے۔ امرتسر سے لاہور منتقل ہوئے۔ جامع مسجد وزیر خان میں قرات و تجوید پڑھانے لگے۔ میں نے مسجد وزیر خان میں ان سے یہ نعت سنی۔

فردوس میں رسول ہمارا نہ جائے گا
جب تک ہر اک امتی بخشا نہ جائے گا
دوزخ میں، میں تو کیا مرا سایہ نہ جائے گا
کیونکہ رسول پاک ﷺ سے دیکھا نہ جائے گا

حکیم صاحب عبدالغنی بٹ مرحوم نعت خواں کی بہت تعریف کرتے۔ وہ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد فیصل آباد میں آباد ہوئے تھے۔ علامہ عنایت اللہ مرحوم سانگلہ ہل والوں کے محبوب نعت خواں تھے۔ جس زمانے میں علامہ صاحب امرتسر شہر میں خطابت کی نورانی کرنوں سے امرتسر کو مستنیر فرماتے تھے، اس زمانے میں ان کی مسجد میں صرف عبدالغنی بٹ مرحوم ہی نعت پڑھتے تھے۔ میں نے بھی ان کی نعت فیصل آباد میں سنی۔ انہیں بیدم وارثی کا کلام از بر تھا۔ یہ نعت اکثر پڑھتے، جس کا مطلع یہ ہے۔

عدم سے لائی ہے ہستی میں آرزوئے رسول
کہاں کہاں لیے پھرتی ہے جستجوئے رسول

۱۹۸۲ء میں جناب راجا رشید محمود ایڈیٹر ماہنامہ "نعت" لاہور نے آپ کے ارشاد کی تعمیل

کرتے ہوئے گورنمنٹ اسلامیہ ہائی سکول بھاٹی گیٹ لاہور میں نعتیہ مشاعرہ شروع کیا۔ اس مشاعرے میں تقریباً ہر مکتب فکر کا نعت گو شاعر شمولیت کرتا۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ ہر ماہ مشاعرہ کے آغاز میں، میں (راقم) امام اہل سنت شاہ احمد رضا خان بریلوی کی نعت پڑھنے کی سعادت حاصل کرتا۔ دوسرے مکاتب فکر کے شاعر اعلیٰ حضرت کی نعتیں سن کر حیران بھی ہوتے اور پریشان بھی۔ حکیم صاحب کو جب مشاعرہ کی کارروائی سے آگاہ کیا جاتا تو آپ اظہار مسرت فرماتے۔ اس مشاعرہ کی ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ قریباً ہر ماہ سید مرغوب احمد اختر الحامدی، اعلیٰ حضرت کی کسی ایک نعت پر تضمین کر کے ارسال کرتے جو مشاعرہ میں پڑھی جاتی۔

جناب راجا رشید محمود نے ماہنامہ نعت آپ ہی کے حسب الارشاد شروع کیا جو بارہ برس کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ نعت کے مختلف موضوعات پر راجا صاحب نے اب تک جو ماہنامہ نعت کے خاص نمبر شائع کئے ہیں، وہ انہی کا حصہ ہے۔ نعت کی اتنی بڑی خدمت اب تک کسی اور کے حصے میں نہیں آئی۔ راجا صاحب نے تادم آخر ماہنامہ نعت کی اشاعت کا ارادہ کیا ہوا ہے۔ ان کا کہنا ہے جس ماہ بغیر کسی اطلاع کے ماہنامہ طبع نہیں ہوگا، وہ میرا آخری دن ہوگا۔ دم میں جب تک دم ہے، رسالہ شائع ہوگا۔ ان شاءاللہ العزیز

این سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

ایک مرتبہ جب یوم رضا آیا تو حکیم صاحب کے حکم پر طرحی مشاعرہ کا اہتمام کیا گیا۔ اعلی حضرت کی ایک نعت کا ایک مصرعہ ؎

ہو رہی ہے دونوں عالم میں تمہاری واہ وا

شعراء کو بھیجا گیا۔ بھاٹی دروازہ سکول میں زبردست مشاعرہ منعقد ہوا۔ ایسے ہی بلدیہ لاہور کے ٹاؤن ہال لاہور میں ''کنز الایمان سوسائٹی'' کے زیر اہتمام یوم اعلیٰ حضرت کی ایک تقریب تھی۔ اس تقریب میں وزیر امور مذہبیہ مولانا کوثر نیازی مرحوم کی مرکزی تقریر تھی، کرسی صدارت پر

حکیم اہل سنت جلوہ افروز تھے۔ مولانا کوثر نیازی مرحوم نے کہا میں نے ''کنزل الایمان سوسائٹی'' والوں سے کہا تھا کہ اتنی بڑی علمی شخصیت کا دن منا رہے ہو۔ کرسی صدارت پر کسی علم دوست شخص کو بٹھانا۔ وزیروں امیروں کے پیچھے نہ بھاگنا۔ یہاں یہ دیکھ کر کہ کرسی صدارت پر حکیم اہلسنت تشریف فرما ہیں، مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے۔ مولانا کوثر نیازی مرحوم کی گفتگو سے قبل مجھے (راقم) کو نعت پڑھنے کے لیے بلایا گیا تو میں نے امام اہل سنت کی نعت ؎

تاب مرات سحر گرد بیابانِ عرب
غازہ روئے قمر دود چراغانِ عرب
کوچہ کوچہ میں مہکتی ہے یہاں بوئے قمیص
یوسفستان ہے ہر اک گوشہ کنعان عرب

پڑھی۔ حکیم صاحب نے سو روپے کا نوٹ جیب سے نکالا۔ مرحوم مولانا کوثر نیازی کو دیا اور فرمایا کہ یہ محمد ثناء اللہ نعت خوان کو دیں۔ یہ میری طرف سے اسے بطور نذرانہ دیجئے۔ اعلیٰ حضرت کی یہ نعت اس نے صرف آپ کی خاطر پڑھی ہے، ورنہ اکثر سامعین اسے سمجھنے سے عاری ہیں۔

جناب ریاض ہمایوں (خادم خاص حکیم صاحب) نے بیان کیا کہ ''ثنا خوان رسول ﷺ'' در مدح محمد علی ظہوری مرحوم (ممتاز نعت خواں) جب ترتیب دی جا رہی تھی۔ انہی دنوں خانیوال سے محمد علی ظہوری مرحوم کے کسی شاگرد کا خط حکیم صاحب کے نام آیا۔ خط میں تحریر تھا کہ محمد علی ظہوری کی نعت خوانی سے متعلق اپنے تاثرات تحریر فرما کر ارسال کریں۔ حکیم صاحب نے جواباً لکھا: محمد علی ظہوری خود کو ''حسان پاکستان'' کہلوانے میں مسرت محسوس کرتے ہیں۔ یہ بات میرے خیالات سے متصادم ہے۔ خود کو ''حسان پاکستان'' کہلوانے سے توبہ کریں تو میں اپنے تاثرات بھیج دوں گا۔

کچھ عرصہ بعد کتاب کے مرتب کا پھر خط آیا، جس کی تفصیلات سپرد قلم کرنا مناسب نہیں، بہرحال انہوں نے حکیم صاحب کے موقف سے اتفاق نہ کیا اور حکیم صاحب نے بھی اپنے تاثرات نہ بھیجے۔

کرم نعت کے نزدیک تو کچھ دور نہیں
کہ رضائے عجمی ہو سگ حسانؓ عرب

وہ نعت خوان حضرات جو اپنے اسماء گرامی کے ساتھ حسان پاکستان، حسان الملک یا کسی اور طور طریقہ سے حسان بطور لقب تحریر کر کے اپنے لئے باعث فخر محسوس کرتے ہیں۔ انہیں فاضل بریلوی، امام اہل سنت مولانا احمد رضا خانؒ کے مذکورہ بالا شعر سے سبق سیکھنا چاہئے۔ خود کو حسان کہلانے سے گریز کرنا چاہئے۔ اعلیٰ حضرت نے خود کو حسانؓ کہلانے کی بجائے ''سگ حسان'' کہلانے کو عظمت و وقار جانا ہے۔ ایسا عظیم مداح جسے خود ممدوح خالق و مخلوق نے منبر پر بٹھا کر نعت سنانے کے لئے کہا ہو جس کے لئے آپ نے دعا فرمائی ہو۔ یا اللہ حسانؓ کی بذریعہ جبرئیلؑ امین مدد فرما۔ اس کی ہمسری کرنا مناسب نہیں۔ ہمارے لئے یہ کیا کم ہے کہ ہم کل بروزِ قیامت حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں بحضور شفیع مذنبیاں پیش ہوں اور باذن تاجدار ہر عالم ﷺ ثنا خوانوں کا قافلہ اعلیٰ حضرت کے لافانی اشعار پڑھتا ہوا جنت مین داخل ہو۔

لا ورب العرش، جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ ﷺ کی
وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا
ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ ﷺ کی
تجھ سے اور جنت سے کیا مطلب وہابی دور ہو
ہم رسول اللہ ﷺ کے جنت رسول اللہ ﷺ کی

اللہ کریم جملہ نعت خوان حضرات کو اخلاص و محبت کے ساتھ با مقصد اور معیاری نعت سرائی کی توفیق عطا کرے۔ آمین

حکیم صاحب کے پڑوس میں ایک نوجوان جناب حاجی محمد طارق رمضان المبارک میں اپنے والدین کے ایصال ثواب کے لئے سالانہ محفل نعت گھر پر منعقد کیا کرتا تھا۔ حکیم صاحب ہر سال

اس محفلِ نعت میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔ایک مرتبہ اسی محفل نعت میں مجھے حکیم صاحب نے فرمایا کہ آج امام اہل سنت، مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ نعت سناؤ جو کل پاکستان نعتیہ مشاعرہ ٹاؤن ہال میں ماہنامہ ''شام وسحر'' کے پہلے نعت نمبر کی رونمائی کے موقع پر سنائی تھی۔ (یہ عظیم الشان نعتیہ مشاعرہ ''سیرت مشن'' کے زیر انتظام منعقد ہوا تھا۔صدر مشاعرہ عظیم نعت گو شاعر جناب منور بدایونی مرحوم تھے۔

''سیرت مشن''، تنظیم کے مرکزی صدر اور بانی محمد رفیق اشرفی مرحوم تھے۔ان دنوں سیکرٹری جنرل کی ذمہ داریاں ممتاز ومحترم نعت گو شاعر جناب پروفیسر حفیظ تائب کے سپرد تھیں۔ ماہنامہ ''شام وسحر'' کا نعت نمبر ایڈیٹر جناب خالد شفیق بٹ نے شب وروز محنت کر کے مرتب کیا تھا۔

چنانچہ میں نے وہی نعت حکیم صاحب کی فرمائش پر ان کے پڑوس میں منعقد محفل نعت میں پڑھی۔اس نعت کے چند اشعار پیش خدمت ہیں۔

رونق بزم جہاں ہیں عاشقان سوختہ
کہہ رہی ہے شمع کی گویا زبان سوختہ

ماہ من - یہ نیر محشر کی گرمی تا بکے
آتش عصیاں میں خود جلتی ہے جان سوختہ

برق انگشت نبی ﷺ چمکی تھی اس پر ایک بار
آج تک ہے سینہ ماہ میں نشان سوختہ

کوچہ گیسوئے جاناں سے چلے ٹھنڈی نسیم
بال و پر افشاں ہوں یا رب بلبلان سوختہ

اے رضا مضمون سوز دل کی رفعت نے کیا
اس زمین سوختہ کو آسمان سوختہ

محفل نعت کی کیفیات سپرد قلم کرنا محال وناممکن ہیں۔

قارئین کرام۔ آپ غور فرمائیں کہ نعت، ناعت اور منعوت کا حکیم صاحب کے نزدیک کتنا احترام تھا۔ میں جب بھی کبھی مطب گیا خدام کو فوراً حکم ہوتا، خمیرہ اور لعوق سپستاں پیش کرو۔ کئی دفعہ دوپہر کے کھانے کا وقت ہو جاتا تو انتہائی شفقت سے اپنے ساتھ کھانے میں شریک فرماتے، ناسازی طبع کے پیش نظر اگر کبھی دوائی کی ضرورت پڑتی تو کچھ لینے کے بجائے فرمائے تم ٹھیک ہو جاؤ، نعت شریف سن لیں گے۔

معیاری نعت کا سننا انہیں پیر خانے سے ورثہ میں ملا تھا۔ جہاں نعت سننے سے پہلے اہل علم کی کمیٹی بیٹھتی تھی۔ کمیٹی کے معیار پر پورا اترنے والا ہی نعت پڑھنے کا اہل ہوتا۔ "ناعت" کا احترام کرنے میں بھی قطب مدینہ کے مقلد تھے۔ "منعوت" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جہاں بھی نعت میں یا علاوہ ازیں کہیں کوئی گستاخی، بے ادبی نظر آتی۔ یا اہل بیت کرام۔ صحابہ کبار۔ بزرگان دین کی تحقیر کا پہلو نظر آتا۔ آپ بھرپور مخالفت کرتے۔

بطفیل نبی کریم ﷺ۔ اللہ کریم ہمیں بھی نعت کے سلسلہ میں حکیم صاحب کا مقلد بنائے۔

آمین ثم آمین

محمد ثناء اللہ بٹ ولد میاں تاج الدین احمد بٹ ۱۲ جولائی ۱۹۳۶ء کو لاہور کے شمالی نواح میں پیدا ہوئے۔ اردو فاضل، منشی فاضل اور بی اے پنجاب یونیورسٹی سے کیا۔ نعت کی دنیا میں مشہور ہوئے اور ہر زبان میں نعت سنائی۔ لہجہ مسحور کن، آواز خوش کن اور تلفظ درست کے ساتھ عوام و خواص کی مجالس نعت میں داد پاتے رہے۔ اساتذہ سخن کا کلام دل و دماغ کے باغوں میں پھولوں کی طرح بکھیرتے رہے۔ کئی ایوارڈ پائے، کئی انعامات پائے۔ ریڈیو، ٹی وی پر آپ کی آواز گونجتی رہی۔ آپ نے چالیس سالہ زندگی نعت رسول کی مجالس میں گزار دی اور اہل محبت سے داد پائی۔ شہر محبت مدینہ کی نعتیہ محافل میں بھی پھول بکھیرتے رہے۔ وہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی مجالس میں ہمیشہ نعت کے تحائف لے کر حاضر ہوتے اور داد پاتے۔ "یوم رضا" پر حاضرین کو اعلیٰ حضرت کا کلام سنا کر تحسین کے خزانے لوٹتے۔ ابھی تک وہ نعت کے خیابان میں بلبل شیریں بیان بن کر چہک رہے ہیں۔

پتا: 17 شیر شاہ روڈ، نفیر آباد، شالیمار ٹاؤن، لاہور...... فون: 6861594

حکیم اہلسنت اور الجامعۃ الاشرفیہ، انڈیا

مرکزی مجلس رضا لاہور کی مطبوعات اور افکار رضا کی ضیا پاشیوں نے چار دانگ عالم میں روشنیاں بکھیریں۔

علامہ مبارک حسین مصباحی ایم اے مدیر اعلیٰ ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ، انڈیا کا گلبہار قلم حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی تحریروں کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے آپ کے سامنے آرہے ہیں۔

حکیم اہل سنت کے وصال پر ملال کی خبر الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں پہنچی تو علما اشرفیہ نے بڑے گہرے رنج و غم کا اظہار کیا، ان کی روح پاک کو ایصال ثواب کیا گیا جامعہ اور اس کے فرزندوں کا حکیم اہل سنت سے بڑا قدیم رشتہ تھا۔ بقول مولانا عبد المبین نعمانی "المجمع الاسلامی مبارک پور" کی بنا ڈالی گئی تھی تو ارکان ادارہ کے سامنے "مرکزی مجلس رضا لاہور" کا عملی خاکہ تھا الجامعۃ الاشرفیہ کے بانی جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی علیہ الرحمہ سے بھی حکیم اہل سنت کی مراسلت تھی، حکیم اہل سنت الجامعۃ الاشرفیہ اور حضور حافظ ملت کی خدمات سے بے پناہ متاثر تھے۔ اپنی محفلوں میں ذکر حافظ ملت کرتے تھے۔ حیات حافظ ملت میں بنام حافظ ملت مجلس کی مطبوعات ارسال فرماتے تھے۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ مجلس کی شائع شدہ کتابوں پر تحسین و آفریں اور حوصلہ افزا کلمات ارشاد فرماتے تھے ذیل میں اسی سلسلہ کا ایک مکتوب حافظ ملت بنام حکیم اہل سنت ملاحظہ فرمایئے۔:

۸ر جون ۱۹۷۵ء

مکرم و محترم حامی دین متین جناب مولانا حکیم محمد موسیٰ!

صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ ---------- مزاج شریف!

آپ کی مرسلہ کتب، اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری، اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری پر ایک نظر، امام احمد رضا علما حجاز کی نظر میں، محاسن کنزالایمان، موصول ہوئیں۔ جن کے مطالعہ سے بے انتہا مسرت ہوئی، آپ کے ادارہ "مرکزی مجلس رضا" نے دین متین مذہب اہل سنت کی بڑی زریں خدمت کی۔ اس خصوص میں آپ کا ادارہ بلا شبہہ منفرد ہے قابل قدر اور لائق تحسین ہے۔ مولائے قدیر اس ادارے کو ترقی دے، بام عروج پر پہنچائے، دین متین کی بے شمار خدمات انجام دلائے۔ آمین و به نستعین۔

جملہ اراکین ادارہ کی خدمت میں سلام مسنون و مبارک باد۔

عبدالعزیز عفی عنہ: خادم دارالعلوم اشرفیہ

اس مکتوب گرامی کی روشنی میں آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضور حافظ ملت کی نگاہ میں مرکزی مجلس رضا اور حکیم اہل سنت کی کتنی اہمیت تھی اور مجلس کی قلمی اور اشاعتی خدمات کو کتنی قدر کی نظر سے دیکھتے تھے۔ حکیم اہل سنت بھی حضور حافظ ملت کی جلیل القدر اور برگزیدہ شخصیت کے شیدائی اور فدائی تھے۔ یکم جمادی الآخرہ ۱۳۹۶ھ / ۳۱ر مئی ۱۹۷۶ء میں حضرت حافظ ملت کا وصال پر ملال ہوا اور پوری جماعت اہل سنت میں صف ماتم بچھ گئی اس المناک موقع پر حکیم اہل سنت کی یہ تعزیتی تحریر موصول ہوئی۔

استاذ العلما حضرت علامہ الحاج شاہ عبدالعزیز صاحب قبلہ رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ اس دار فانی سے رحلت فرما گئے ہیں۔ حضرت والا کی موت ایک عالم کی موت ہے۔ ایسے عالم ربانی و حقانی روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ ان کی جدائی سے دنیائے سنیت میں جو خلا پیدا ہوا ہے

بظاہر اس کا پر ہونا مشکل ہے۔ (۲)

۱۹۷۸ء میں جب ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کا ۵۷۶ صفحات پر مشتمل حافظ ملت نمبر نکلا تو مدیر کے نام پیغام ارسال فرمایا حکیم اہل سنت کا یہ پیغام محبت بھی ذیل میں پڑھئے :

مرکزی مجلس رضا لاہور۔

گرامی قدر حضرت مولانا صاحب زید مجد کم۔ سلام ور حمت!

گرامی نامہ صدور لایا۔ یاد فرمائی کا شکریہ! "اشرفیہ" حافظ ملت نمبر کی تکمیل کی اطلاع سے دلی خوشی ہوئی۔ -- محترما! مخدوما! زندہ قومیں اپنے اسلاف کے عظیم کارناموں اور ان کی نیک یادوں کو ہمیشہ زندہ رکھنے کی سعی کرتی ہیں۔ آپ نے حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کی علمی، دینی اور ملی خدمات جلیلہ کے تذکار پر مشتمل "ماہنامہ اشرفیہ" کا ایک ضخیم وجیم نمبر مرتب کر کے اہل سنت کی زندگی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

اور یہ نمبر اہل سنت کی علما اور عوام دونوں کے لئے دعوت فکر ہوگا۔

اس پیش کش پر احقر و جملہ اراکین "مرکزی مجلس رضا" لاہور کی طرف سے مبارکباد قبول کیجئے۔ والسلام بالاالکرام۔

محمد موسیٰ عفی عنہ

لاہور ۱۱ /۴ /۷۸

بفضلہ تعالی مرکزی مجلس رضا لاہور سے الجامعۃ الاشرفیہ کا آج بھی بڑا مضبوط تعلق ہے۔ الجامعۃ الاشرفیہ کا ترجمان "ماہنامہ اشرفیہ" مسلسل ارسال کیا جاتا ہے اور مجلس رضا کا آرگن ماہنامہ "جہان رضا" بھی پوری پابندی سے موصول ہوتا ہے۔ مجلس کی دیگر تازہ مطبوعات بھی نظر نواز ہوتی رہتی ہیں۔ مجلس کے نگراں اور "جہاں رضا" کے مدیر اعلی پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی صاحب سے مراسلت جاری ہے یہ قلمی رشتہ محبت انشاء اللہ آئندہ بھی باقی رہے گا۔

---

(۲) مبارک حسین مصباحی، حافظ ملت افکار اور کارنامے، ناشر ادارہ تحقیقات حافظ ملت مبارکپور ص: ۱۱۷

حکیم اہل سنت کے خاندان کے تمام بزرگ مذہبا حنفی اور مشربا صوفی تھے طبابت آپ کا خاندانی مشغلہ ہے آپ کے تین بڑے بھائی اور ایک چھوٹے بھائی بھی طبیب ہیں اگرچہ وہ مطب نہیں کرتے (۳)

حکیم اہل سنت نے تقسیم سے قبل امر تسر کے رستاخیز واقعات اور سیاسی کشمکش کے حالات اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھے تھے ان حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں۔

جب تحریک پاکستان چل رہی تھی اس وقت امر تسر میں اکثر و بیشتر جلسے ہوا کرتے تھے میں نے ان جلسوں میں اکثر میں بطور سامع کے شرکت کی مسلم لیگ کے جلسے شیخ صادق حسن صاحب کے زیر انتظام ہوا کرتے تھے جس میں اکثر مولانا عبدالستار خاں نیازی' راجہ غضنفر علی وغیرہ بطور مقرر تشریف لاتے تھے' مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مولانا نیازی کا عالم شباب تھا ان کا چہرہ بجلی کے قمقموں سے زیادہ سرخ اور چمکدار ہوا کرتا تھا۔ ان سے بھی زیادہ شعلہ بیان مقرر جو امر تسر آئے تھے مولوی بشیر احمد اخگر تھے۔ اس طرح راولپنڈی کے سید مصطفیٰ شاہ گیلانی بھی بہت اچھی تقریر کیا کرتے تھے۔ ایک آدمی اور تھا جسے لاہور والوں نے مار دیا میں اکثر لوگوں سے پوچھتا ہوں بتاؤ وہ کہاں ہیں وہ تھے پروفیسر عنایت اللہ یہ صاحب ان سے بہتر مقرر تھے یہ لوگ پورے ملک کے دورے کر کے اپنی شعلہ بیانی سے کانگریس اور احراری مقرروں کے مقابلے میں مسلم لیگ کی راہ ہموار کرتے تھے۔ ان پڑھے لکھے مقرروں کے علاوہ ایک ان پڑھ مقرر جو اس زمانہ میں بہت مشہور ہوئے لاہور مزنگ کے استاد عشق لہر تھے' استاد عشق لہر اپنی پنجابی شاعری کو اپنے مخصوص انداز میں جب پڑھتے تھے تو مجمع میں آگ لگا دیا کرتے تھے مگر پاکستان بننے کے بعد ان محنتوں کی ان قومی

---

(۳) مولانا محمد صدیق ہزاروی، تعارف علما اہل سنت، مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور ص: ۲۱۸

ہیروں کی پزیرائی کا حال دیکھتا ہوں تو مجھے افسوس ہوتا ہے۔
حکومت تحریک پاکستان کے کارکنوں اور رہنماؤں کو ہر سال ایوارڈ
سے نوازتی ہے ان میں اکثر محسنوں کو نظر انداز کیا گیا۔(۴)

حکیم اہلسنت کے والد گرامی تحقیق و مطالعہ کا بھی بڑا پاکیزہ ذوق رکھتے تھے امر تسر میں ۲۵ ہزار کتابیں خود ان کے ذاتی کتب خانہ میں موجود تھیں مگر تقسیم کے فسادات میں غیر مسلموں نے آپ کے کتب خانہ اور مطب کو نذر آتش کر دیا۔ مگر ان تمام قربانیوں کے باوجود پاکستان میں مہاجرین کو ان کا حق نہ مل سکا۔

حکیم اہلسنت اپنے ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں:

اس وقت انگریز و ہندو ہمارے مد مقابل تھے، مسلمانوں کے سامنے آزادی اور اسلام کی سربلندی کا نصب العین تھا' جب میرے والد صاحب کا کتب خانہ اور دواخانہ سکھوں نے جلادیا۔ تو اس وقت لوگ والد صاحب سے اظہار افسوس کرنے آئے تو والد صاحب کے الفاظ تھے جب پاکستان بن جائے گا تو ہم سمجھیں گے کہ ہماری یہ قربانی قبول ہو گئی ہمارا کتب خانہ امر تسر کا سب سے بڑا کتب خانہ تھا اس میں ۲۵ ہزار کتابیں تھیں۔

ان سب قربانیوں کے بعد جب میں دیکھتا ہوں اس ۱۴ اگست کو یوم آزادی کی صبح میں اپنے دروازے پر کھڑا ہوا اپنی تسبیح گھمارہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہاں سے پندرہ میل سرحد ہے اور وہاں سے دس میل دور ہمارا وطن امر تسر ہے آج ہم اپنے وطن جا نہیں سکتے ،اسے دیکھ نہیں سکتے' اپنے بزرگوں کی قبروں پر فاتحہ پڑھ نہیں سکتے آخر کیوں؟ اس لیے کہ ہم ایک ملک اسلام کے لئے بنانا چاہتے تھے مگر آج میں دیکھتا ہوں کہ یہ تو زنا خانہ بنا ہوا ہے میری آنکھوں

---

(۴) تلخیص تاریخی انٹرویو حکیم محمد موسیٰ امر تسری، ماہنامہ ساحل کراچی مارچ ۱۹۹۳ء

سے آنسو جاری ہو گئے۔

آپ لوگوں کو اندازہ نہیں کہ لوگ کیا کچھ قربان کر کے پاکستان آئے۔ شیخ صادق جو کہ امرتسر کے بہت بڑے امیر کبیر مسلمان رہنما تھے وہ تقسیم ملک سے پہلے کروڑ پتی تھے مشرقی پنجاب کا ایک ہی مسلمان تھا جس کی چار ملیں تھیں آج آپ ان کی اولاد کو پاکستان میں تلاش کر کے بتائیں ایسا لگتا ہے کہ پاکستان دشمنوں کے لئے بنا ہے اس کے بنانے والوں کی اولاد کا بھی پتہ نہیں چلتا۔(۵)

حکیم اہلسنت کے مندرجہ بالا تاثرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں پاکستان کے حامی علماء حق اور ترک وطن کرنے والے مہاجرین کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کا شدید احساس تھا' وہ نظام مصطفیٰ والے پاکستان کے خواہاں تھے مگر ان کا وہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

تعلیم و مطب

اپنے والد گرامی سے قرآن عظیم پڑھا' قاری کریم بخش سے قرات سیکھی' فارسی کتابیں کریما سعدی' پندنامہ' گلستاں' بوستاں' سکندر نامہ' زلیخا' احسن القوائد' اخلاق محسنی وغیرہ اور عربی صرف کی کتابیں مفتی عبدالرحمن ہزاروی مدرس مدرسہ نعمانیہ امرتسر سے پڑھیں۔ حضرت مولانا آسی علیہ الرحمہ کی درسگاہ سے بھی استفادہ کیا' اپنے والد ماجد سے علم طب کی تعلیم حاصل کی' مثنوی شریف کے پہلے دو دفتر پڑھے اور انہیں کے زیر سایہ مطب کی تربیت پائی فطری ذوق علم اور کثرت مطالعہ سے تاریخ و ادب اور تصوف و اسلامیات کے مختلف صیغوں میں درک و کمال حاصل کیا۔ عربی' فارسی' اردو، پنجابی زبان و ادب پر ان کی گہری نظر تھی وہ علمی حلقوں میں ایک بلند پایہ ادیب اور محقق کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے۔

۱۲ر اگست ۱۹۴۷ء میں امرتسر سے پاکستان تشریف لے گئے' چھ ماہ تک سرگودھا میں اور پھر اپنے والد گرامی کی طلب پر لاہور چلے گئے۔(۶) لاہور پہنچ کر والد صاحب کے ساتھ لوہاری دروازہ کے

---

(۵) تلخیص تاریخی انٹرویو حکیم محمد موسیٰ امرتسری، ماہنامہ ساحل کراچی مارچ ۱۹۹۳ء

(۶) پروفیسر محمد ایوب قادری، سہ ماہی مجلہ، العلم کراچی، جولائی تا ستمبر ۱۹۷۱ء ص: ۴۷

باہر مطب شروع کیا، ۱۹۴۹ء میں رام گلی میں علیحدہ مطب کیا۔ ان دنوں آپ ۵۵ ریلوے روڈ لاہور میں مطب چلا رہے تھے۔ (۷)

حکیم اہلسنت نے زندگی بھر طبابت کی یہی ان کا پاکیزہ ذریعہ معاش تھا۔ طبابت کرتے تھے مگر اخلاص پیشہ کہلاتے تھے، وہ کار مطب عبادت سمجھ کر انجام دیتے تھے۔ وہ حسن کے پیکر اور خدمت خلق کے خوگر تھے، تلاش رزق سے زیادہ رضائے مولیٰ کے متلاشی رہتے تھے۔ خاندانی طبیب تھے فن طب میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے، وہ سچ مچ مسیحائے قوم تھے ان کا مطب جسمانی اور روحانی بیماریوں کا شفاخانہ اور دین و دانش کا مرکز فیضان تھا۔ بقول پروفیسر محمد ایوب قادری "ان کا مطب طبی مرکز سے زیادہ علم و ادب اور تہذیب و ثقافت کا مرکز ہے۔ (۸)

حکیم اہلسنت نے کسی درسگاہ میں بیٹھ کر درس نہیں دیا مگر ان کے فیض یافتگان کی فہرست طویل ہے۔ اہل قلم اور اہل تحقیق عام طور پر ان کے پاس آتے اور حکیم صاحب بھرپور ہمدردی کے ساتھ ان کے موضوع کے حوالے سے ماخذ اور مراجع کی نشاندہی فرماتے رہتے باتوں باتوں میں بہت سی علمی گتھیاں سلجھا دیتے اور علم تحقیق کے پیاسوں کو سیراب فرما دیتے۔

پروفیسر محمد صدیق فرماتے ہیں:

> ان کا مطب نہ صرف جسمانی مریضوں کو شفا بخش ادویات فراہم کرتا ہے بلکہ متلاشیان علم کے لئے بھی مجرب نسخے تجویز کرتا ہے جس سے وہ ہمیشہ کے لئے صحت یاب ہو جاتے ہیں (۹)

ان کی بزم دین و دانش کے ایک حال آشنا رقم طراز ہیں۔

> حکیم صاحب کی شخصیت کے یوں تو کئی پہلو ہیں مگر آپ کی شخصیت کا ایک نمایاں وصف آپ کا نوجوان دانشور محققین کی حوصلہ افزائی کرنا، ان سے شفقت سے پیش آنا ہے ملک بھر کی یونیورسٹیوں میں مختلف علوم میں پی۔ ایچ۔ ڈی۔ ایم فل کے طلبہ کو ان کے موضوع کے لئے درکار ماخذ کی نشاندہی اور رہنمائی کے لئے

---

(۷) مولانا صدیق ہزاروی، تعارف علماء اہل سنت، مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور ص: ۴۱۹ (۸) پروفیسر محمد ایوب قادری، سہ ماہی مجلہ، اعلم کراچی، جولائی تا ستمبر ۱۹۷۱ء (۹) پروفیسر محمد صدیقی، ماہنامہ جہان رضا لاہور "جنوری ۱۹۹۳ء ص: ۶

> آپ ایک معتبر نام کے طور پر جانے جاتے ہیں آپ کی مجلس میں بیٹھنے والے علم کے متلاشیوں کو آپ نے ڈاکٹر، مصنف اور اسکالر بنا دیا۔ حکیم صاحب اپنی ذات میں ایک تحریک، ایک ادارہ ہیں۔(۱۰)

ان کی زندگی کا ایک روحانی ورق

حکیم اہل سنت اخلاص و عمل کے بھی پیکر تھے، اخلاق و معاملات میں سنت مصطفےٰ کے آئینہ دار تھے احسان و تصوف کے حال آشنا اور اولیاء و مشائخ کی بارگاہوں کے ادب شناس تھے، اسلاف کی روایات کے خاموش امین اور پرجوش داعی تھے۔

پیر طریقت حضرت مولانا الحاج میاں علی محمد خاں علیہ الرحمہ سے سلسلہ چشتیہ میں بیعت تھے ۱۳۹۳ھ کو مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے، ایک عرصہ تک شہر حبیب میں قیام کا موقع ملا، وہاں دنیائے اسلام کے بڑے بڑے شیوخ اور علما کرام کی مجالس سے استفادہ کیا، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا ضیاء الدین احمد قادری رضوی مدنی خلیفہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے مجاز ہوئے "سلسہ قادریہ" کے معمولات کی اجازت دی شیخ الدلائل شیخ محمد ہاشم شکرون سے "دلائل الخیرات اور قصیدہ بردہ" کی اجازتیں حاصل کیں۔(۱۱)

ان کا وجود فیضان مشائخ کا مرکز انوار تھا، ان کی زندگی صبر و قناعت کی پیکر تھی، ان کا مطالعہ احسان و تصوف کے دبستانوں کا خوشہ چیں تھا، ان کی زبان ذکر و فکر سے معمور تھی، ان کا قلم برگذیدان اسلام کے افکار و خدمات کا ترجمان تھا، ان کی محفل افق علم کے ستاروں کی کہکشاں تھی، جہاں عشق و عرفان کی خوشبوئیں تھیں اور دین و دانش کی چاندنی تھی۔

ان کی شب دو شیں کے ہم نشیں مولانا اقبال احمد فاروقی فرماتے ہیں:

> آپ کی مجلس علما، ادباء، صوفیا، شعرا، اور مؤلفین و مصنفین سے بھری رہتی ہے۔ چشتی ہیں مگر نقشبندی سلسلہ تصوف کے ترجمان ہیں، نظامی ہیں مگر مجددی تعلیمات کی اشاعت کرتے ہیں طبیب ہیں مگر اعتقادی بیماریوں کا علاج کرتے ہیں۔(۱۲)

---

(۱۰) محمد اشرف لودھی، ماہنامہ ساحل کراچی مارچ ۱۹۹۳ء (۱۱) مولانا اقبال احمد فاروقی، ماہنامہ "جہان رضا" لاہور، دسمبر ۱۹۹۹ء ص ۳۰

(۱۲) مولانا اقبال احمد فاروقی، تذکرہ علماء اہل سنت و جماعت لاہور، مکتبہ نبویہ لاہور ص: ۳۹۷

بڑے متواضع اور ملنسار تھے مہمانوں کی خاطر تواضع میں کوئی کمی نہیں چھوڑتے تھے، چائے کا وقت ہو تو چائے، کھانے کا وقت ہو تو کھانا ہر فصل کے ثمرات سے اپنے احباب کی تواضع کرتے تھے مگر بقول محمد حنیف جن احباب سے انھیں خاص انس تھا انھیں خمیرہ گاؤزباں کی ایک خوراک کھلاتے تھے۔ معاملات میں وہ بہت صاف ستھرے تھے، اپنی ذاتی کمائی کا ایک بڑا حصہ "مرکزی مجلس رضا" اور دیگر دینی اور اشاعتی اداروں پر صرف کیا مجلس کی مکمل باگ ڈور ان کے ہاتھ میں تھی مگر کبھی ایک پائی بھی اپنی ذات پر خرچ نہیں کی اس عہد بلاخیز میں وہ عزیمت واستقامت اور دیانت وصداقت کی ایک مثال تھے۔

علامہ عبدالحکیم شرف قادری اپنے ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں۔

> اخلاق کا یہ عالم ہے کہ ہر ماہ سینکڑوں روپے اپنی گرہ سے "مرکز مجلس رضا" پر خرچ کرتے ہیں مجلس کی ایک پائی بھی اپنی ذات پر خرچ کرنے کے روادار نہیں ہیں۔ آج سے کچھ عرصہ پہلے انھوں نے وصیت کی تھی کہ میری وفات پر بھی "مجلس رضا" کے فنڈ میں سے کچھ خرچ نہ کیا جائے بلکہ اگر تجہیز و تکفین کے لئے ضرورت پڑے تو میری کتابیں فروخت کر کے کام چلایا جائے۔ غرضیکہ مجلس کے فنڈ سے اپنی ذات کو عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالی عنہ کی طرح بالکل الگ تھلگ رکھا اور ایک پیسہ بھی اپنی ذات پر خرچ نہیں کیا۔ (۱۳)

ذوق مطالعہ اور خدمت لوح و قلم

حکیم اہل سنت نے شعور کی دہلیز پر قدم رکھا تو گھر آنگن میں علم وادب کی خوشبوئیں تھیں، دین و دانش کی جلوہ ریزیاں تھیں رنگا رنگ کتب کی قوس قزح تھی، تہذیب وثقافت کی دودھیا چاندنی تھی۔ ماہرین تعلیم کا تجربہ بتاتا ہے کہ جب کوئی اخاذ طبع، محنت ومطالعہ کا خوگر، علم وادب اور تہذیب وثقافت کی گھنی چھاؤں میں نشوونما پاتا ہے تو کلیوں کی طرح چٹکتا ہے۔ پھولوں کی طرح مہکتا ہے۔ چاندنی کی طرح چمکتا ہے۔ چڑھتے سورج کی طرح ابھرتا ہے اور سمندروں کی طرح پھیل جاتا ہے۔

---

(۱۳) علامہ شرف قادری، مکتوب بنام سید محمد عبداللہ قادری، ماہنامہ "جہان رضا" اگست ۱۹۹۸ء ص: ۶۳

حکیم صاحب کو کتابیں جمع کرنے کا ذوق اور تحقیق و مطالعہ کا شوق اپنے پدر بزرگوار سے وراثت میں ملا تھا ۔ انھیں کتابوں سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا، انھیں اپنے ذوق کی کتاب جہاں اور جس قیمت پر بھی ملتی حاصل کر کے ہی دم لیتے۔ ان کی دلچسپی کے موضوعات مختلف تھے، مذاہب عالم، تاریخ و سیر، سوانح و تذکار، تصوف و اسلامیات اور جہان رضویات۔ وہ نصف صدی سے مسلسل کتابیں جمع کر رہے تھے ان کی لائبریری میں نایاب کتابیں بھی دستیاب تھیں انھوں نے اپنے مطب کی کمائی کا بیشتر حصہ کتابیں خریدنے میں صرف کیا تھا۔

محمد اشرف لودھی آپ کی لائبریری کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

> دواخانہ کی بالائی منزل پر قائم کتب خانہ کی شہرت لاہور سے نکل کر نہ صرف پورے پاکستان بلکہ پوری دنیا تک پہنچ چکی ہے۔ پرانی وضع کے حکیم محمد موسیٰ امرتسری کا ہاتھ جدید علمی تحقیق کی نبض پر اتنا گہرا ہے کہ ہر نئی چھپنے والی کتاب اور دربدر کی ٹھوکریں کھانے والے قدیم نسخوں کے خریدار حکیم صاحب ہیں۔ آپ نے امرتسر میں اپنے والد صاحب کا ۲۵ ہزار کتابوں پر مشتمل کتب خانہ جل جانے کے بعد اس روایت کو پاکستان میں آکر زندہ کیا اور اپنی حیات میں ہی اس کتب خانہ میں اتنی نایاب اور اہم کتابیں جمع کر دیں کہ نہ صرف لاہور بلکہ یورپ کے محققین نے لاہور آکر آپ کے کتب خانہ سے استفادہ کیا۔ (۱۴)

لیکن اس سے بھی بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس درویش صفت مرد قلندر نے دس ہزار کتابوں پر مشتمل اپنا پورا کتب خانہ افادہ عام کے لئے پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری کے لئے عطیہ کر دیا، علمی دنیا میں ایثار و قربانی کا یہ وہ مثالی کارنامہ ہے جو صدیوں تک یاد رکھا جائے گا۔

سکندر لوٹ کر بھی خوش نہیں دولت زمانے کی
قلندر مایۂ ہستی لٹا کر رقص کرتا ہے

حکیم اہل سنت ایک بلند پایہ قلم کار، دل پزیر تذکرہ نگار، عظیم محقق اور بصیرت افروز مبصر تھے، کتابوں پر ان کے تبصرے بڑی جامعیت اور اہمیت کے حامل ہوتے تھے وہ تبصرہ لکھنے سے پہلے پوری کتاب کا تنقیدی مطالعہ کرتے تھے اور پھر کسی تعلق و دوستی کی رعایت کئے بغیر جو حق ہو تا پوری جامعیت سے سپرد قلم کر دیتے،

---

(۱۴) محمد اشرف لودھی، ماہنامہ "ساحل" کراچی، مارچ ۱۹۹۳ء

آپ نے زیادہ تبصرے مجلہ "فیض الاسلام" راولپنڈی کے لئے لکھے تھے، پہلے اپنے اصلی نام سے لکھتے تھے لیکن ان کی حق گوئی اور تنقید نگاری مصنفین و مؤلفین کے لئے ناگوار خاطر ہونے لگی اور کچھ لوگ ناراضگی کا اظہار کرنے لگے تو حکیم صاحب نے "آثم" کے قلمی نام سے لکھنا شروع کیا پھر علامہ عرشی کے مشورے سے "حکیم" نام سے ادبی دنیا میں نثر و نظم کی زلفیں سنوارتے رہے اور صالح تنقید نگاری کو فروغ دیتے رہے۔

آپ نے تاریخ و سیر، تصوف و اسلامیات، تنقید و ادب اور تذکارو سوانحیات کی اہم کتب پر پیش لفظ، تعارف مصنف اور مقدمے تحریر کئے ہیں ان کی تعداد بھی قریب سو (۱۰۰) تک پہنچ جاتی ہے ان میں مکتوبات امام ربانی، کشف المحجوب اور عباد الرحمٰن کے مقدمات تو اہل علم و دانش کی توجہ کے مرکز بن گئے ہیں ۔ اور مختلف موضوعات پر آپ کے تحقیقی، ادبی اور سوانحی مضامین و مقالات کی فہرست سو سے بھی متجاوز ہے جو پاک و ہند کے رسائل و جرائد میں شائع ہو کر علم و ادب کی دنیا میں دھوم مچا چکے ہیں۔ آپ کی مطبوعہ تصانیف حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اذکار جمیل "سوانح شیخ طریقت سید برکت علی شاہ خلجبالوی۔

۲۔ مولانا غلام محمد ترنم امر تسری، احوال و آثار۔

۳۔ ذکر مغفور۔ سوانح پیر طریقت حضرت سید مغفور القادری۔

۴۔ سوانح مولانا نور احمد پسروری ثم امر تسری۔

۵۔ تذکرہ مشاہیر امر تسر۔

اے کاش! کوئی قلم کار تلاش و تحقیق اور مکمل یکسوئی کے ساتھ آپ کے منتشر قلمی جواہر کو سلک ترتیب میں سجادے تو کئی گرانقدر اور وقیع مجموعے بن جائیں۔ اور اہل علم و ادب کی آنکھیں پر نور اور دل مسرور ہو جائیں۔ حکیم اہل سنت کے حوالے سے یہ انتہائی اہم اور بنیادی کام ہے جسے اولین ترجیحات میں شامل کرنا چاہیئے۔

اور اب ذکر ان کی "مجلس رضا" کا

آج امام احمد رضا کا علمی شہرہ مدارس سے یونیورسٹیوں تک پہنچ چکا ہے ان کی آفاقی فکر کا غلغلہ عجم سے عرب تک سنا جا رہا ہے، ان کی عبقری شخصیت کی دھمک مشرق سے مغرب تک محسوس کی جا رہی ہے۔ دانش کدوں میں ان کی فکر و شخصیت پر ریسرچ ہو رہی ہے۔ ان کی نثر و نظم یونیورسٹیوں میں داخل نصاب ہو چکی ہے، اہل سائنس ان کے فلسفیانہ نظریات پر سر دھن رہے ہیں۔ ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر درجنوں یونیورسٹیوں سے پی، ایچ، ڈی کی ڈگریاں تفویض کی جا چکی ہیں۔ ان کے تجدیدی اور فقہی کارناموں پر اہل قلم بے تکان لکھتے چلے جا رہے ہیں۔ بیسویں صدی عیسوی کے آخری دو دہوں میں جتنا آپ پر لکھا گیا کسی پر نہ لکھا گیا۔ عالم اسلام کی مرکزی درسگاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور نے عرس عزیزی منعقدہ یکم جمادی الآخرہ ۱۴۲۰ھ کو علما، مشائخ اور دانشوروں کے اجتماع میں یہ اعلان کر دیا۔ "امام احمد رضا بیسویں صدی عیسوی کی سب سے عظیم شخصیت"۔ اور الجامعۃ الاشرفیہ کے مجلس شوریٰ کے رکن ڈاکٹر شرر مصباحی پکار اٹھے۔

جو کل تھا وہ رضا کے کریموں کے نام تھا
جو آج ہے وہ سارا کا سارا رضا کا ہے

ایوان نجدیت ہو کہ قصر وہابیت
سب تہس نہس ہے وہ دھماکہ رضا کا ہے۔

مگر ایک دور تھا امام احمد رضا بآں فضل و کمال بے نام و نشان تھا۔ سلطان شعر و سخن تھا مگر گمنام تھا، مجدد اعظم تھا مگر بدنام تھا۔ غیروں کی ریشہ دوانیاں شباب پر تھیں، حقائق کو چھپایا جا رہا تھا امام

حمد رضا کا چاند سا چہرہ تعصبات کے پردوں میں ڈھانپ دیا گیا تھا۔ اتنی بد گمانیاں پھیلادی گئیں تھیں کہ اہل قلم اس طرف رخ ہی نہیں کرتے تھے۔

حکیم اہلسنت کو اس ماحول میں رہا نہ گیا، حساس دل تھا تڑپ اٹھا۔ اور انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں پورے عزم و حوصلے کے ساتھ چند احباب کو لیکر میدان عمل میں اتر پڑے۔ اور ۱۹۶۸ء میں "مرکزی مجلس رضا" کی بنیاد رکھ دی۔ جس کا بنیادی مقصد امام احمد اور فکر رضا کا تعارف تھا، مسلک اعلحضرت کو عام کرنا تھا۔

حکیم اہلسنت "مرکزی مجلس رضا لاہور" کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنے ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں:

> مطالعہ میرا شروع سے شغف رہا ہے میرے مطالعہ کے نتیجے میں مجھے اس بات نے پریشان کیا کہ تحریک پاکستان کی تاریخ میں ان علماء نے کہ جنہوں نے کھل کر پاکستان کی مخالفت کی انگریزوں کی کاسہ لیسی کی، ان کا تذکرہ تو ہیروز (Heroes) کے طور پر ملتا ہے۔ اور اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی کہ جن کے حوالے سے تاریخ میں انگریز دوستی یا تعلق کا کوئی حوالہ نہیں ملتا بلکہ انگریزوں کے شدید مخالف نظر آتے ہیں ان کا سرے سے کوئی تذکرہ ہی نہیں ہے۔ میں ان سوالات کو پروفیسر ایوب قادری (جو کہ لاہور میں جب بھی تشریف لاتے میرے ہاں قیام کرتے تھے) سے اکثر کیا کرتا مگر کیونکہ ان کا دیوبندیت کی جانب زیادہ جھکاؤ تھا۔ اس لئے وہ میرے اس سوال کے جواب کو گول کر جاتے جس سے مجھے اعلیٰ حضرت کے بارے میں پڑھنے کی مزید جستجو ہوئی یہ ۱۹۶۰ء کی

بات ہے۔ میں نے اعلیٰ حضرت کی تصانیف جو کہ اس دور میں
نایاب تھیں تلاش کر کے پڑھیں اور اس نتیجے پر پہنچا کہ
اعلحضرت فاضل بریلوی حالیہ تاریخ کی ایک مظلوم شخصیت ہیں
لہذا ان پر کام کرنے کا ارادہ کیا اور کام شروع کر دیا۔ (۱۵)

آپ نے مرکزی مجلس رضا لاہور سے امام احمد رضا کی تصانیف اعلیٰ معیار پر شائع کر کے ملک اور بیرون ملک میں لاکھوں کی تعداد میں مفت تقسیم کیں، اہل قلم کو رضویات کی جانب متوجہ کیا، عنوانات اور مواد دے کر امام احمد رضا کے حوالے سے سیکڑوں مقالات اور درجنوں کتابیں لکھوائیں۔ جو دور تھے انہیں قریب کیا، جو قریب تھے انہیں مستعد کیا، جو متنفر تھے انہیں دلائل سے ہموا کیا اس طرح غلط فہمیوں کے بادل چھٹنے لگے، حقائق کے اجالے پھیلنے لگے اور پھر گلستان رضا میں بہار آگئی۔

آج پروفیسر مسعود احمد کا نام رضویات پر اتھارٹی (Authority) سمجھا جاتا ہے مگر انہیں "جہان رضا" میں لانے والے کا نام حکیم اہلسنت ہے۔ پروفیسر مسعود احمد رقم طراز ہیں:

محسن اہلسنت محترم حکیم محمد موسیٰ امرتسری اور علامہ محمد
عبد الحکیم اختر شاہ جہاں پوری کی تحریک پر ۱۹۷۰ء میں راقم
نے امام احمد رضا پر کام کا آغاز کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب جامعات
وکلیات اور تحقیقی اداروں میں محققین اور دانشور امام احمد رضا
کے علمی مقام سے واقف نہ تھے بلکہ ان اداروں میں تو امام احمد
رضا کا ذکر و فکر معیوب سمجھا جاتا تھا اور خود راقم بھی حقائق سے
باخبر نہ تھا۔ (۱۶)

جماعت اہلسنت کے مشہور محقق اور مصنف حضرت علامہ عبد الحکیم شرف قادری فرماتے ہیں:

---

(۱۵) حکیم محمد موسیٰ، امرتسری، محمد اشرف لودھی، ماہنامہ ساحل مارچ ۱۹۹۳ء

(۱۶) پروفیسر مسعود احمد، حرف آغاز "گویا دبستاں کھل گیا" ص: ۸

حقیقت یہ ہے کہ محترم حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ
(علیہ الرحمۃ) نے مجلس رضا قائم کر کے اہلسنت وجماعت کے
عوام وخواص کو پڑھنے لکھنے کا شعور عطا کیا اور مجھ ایسے نوآموز
قلم کاروں کی حوصلہ افزائی ہی نہیں رہنمائی بھی کی۔ یہی وجہ
تھی کہ ہم جیسے لوگ ان کے بستہ فتراک تھے اور بڑے بڑے
علما، مشائخ ان کی زیارت کے لئے آیا کرتے تھے۔(۱۷)

رئیس القلم علامہ ارشد القادری مصباحی بساط رضویات کا عالمی جائزہ لیتے ہوئے رقم طراز
ہیں:

"ایشیا میں "رضویات" پر تحقیقی کام کرنے والا سب سے
قدیم ادارہ پاکستان میں ہے جو "مرکزی مجلس رضا" کے نام سے
جانا پہچانا جاتا ہے۔ اس کا صدر دفتر لاہور میں ہے۔ ادارہ کے
بانیوں میں نقیب اہلسنت حضرت مولانا حکیم محمد موسیٰ
امرتسری کا نام سنہرے حرفوں میں لکھے جانے کے قابل ہے کہ
موصوف نے ادارہ کے ذریعہ سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی
کی عبقری شخصیت، ان کے علمی کمالات، ان کی تصنیفی خدمات
ان کے زہد و تقویٰ، ان کے مقام عشق وعرفان اور ان کے
تجدیدی کارناموں سے دنیا کے بہت بڑے حصے کو روشناس
کرایا۔"(۱۸)

مولانا محمود احمد قادری اپنی تلون مزاجی کے باوجود یہ لکھنے پر مجبور ہیں:

یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ علوم ومعارف احمد رضا بریلوی
کے تعارف کے لئے کئی ادارے کام کر رہے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ

(۱۷) عبدالستار طاہر، محسن اہل سنت، رضا دار الاشاعت لاہور ص: ۱۲۶

(۱۸) علامہ ارشد القادری، تقدیم، امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات ص: ۱۷

اس کا جذبہ سعید حکیم اہل سنت مولانا حکیم محمد موسیٰ چشتی
نظامی امرتسری امیر مرکزی مجلس رضا لاہور نے پیدا کیا اور
وہی اس کارواں کے قافلہ سالار بھی ہیں۔ (۱۹)

حکیم اہلسنت نے مرکزی مجلس رضا لاہور کے پلیٹ فارم سے درجنوں کتابیں عربی، اردو، انگریزی، سندھی اور پشتو میں اٹھارہ لاکھ سے زیادہ کی تعداد میں شائع کر کے دنیا بھر میں تقسیم کرائیں اور بقول علامہ اقبال احمد فاروقی "آج مرکزی مجلس رضا" اشاعتی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ اپنے ماہنامہ "جہان رضا" کے صفحات پر افکار رضا کو دنیا کے گوشے گوشے تک پھیلانے میں مصروف ہے اس کا سارا کریڈٹ (Credit) حکیم محمد موسیٰ مرحوم کو جاتا ہے"۔ (۲۰) ایک مخالف نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ "ہم نے تو مولانا احمد رضا خان بریلوی کو دفن کر دیا تھا مگر حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے انہیں زندہ کر دیا" الفضل ماشہدت بہ الاعداء۔ (۱۲)

ان گرانقدر تاثرات کی تیز روشنی میں آپ اس نتیجے تک پہنچ چکے ہوں گے کہ حکیم اہلسنت گلشن رضا کی سیر کرنے والے قافلہ ہائے شوق کے میر کارواں تھے۔ جو تصنیف واشاعت کی پرخار وادیوں میں آبلہ پائی کے درد کا احساس کئے بغیر منزل کی جانب بڑھتے ہی رہے۔ اور انہوں نے فکر رضا کی اشاعت کا پہاڑ کے برابر کارنامہ اتنی لگن، دردمندی، نظم اور اخلاص کے ساتھ انجام دیا کہ ان کی آواز صدا بصحرا ثابت نہ ہوئی بلکہ آپ کی آواز پر اہل علم وقلم، اہل نقد و نظر، مصنفین، ناشرین مخلصین اور معاونین کی بھیڑ جمع ہو گئی اور "مجلس رضا" آسمان رضا کی کہکشاں بن گئی۔

مجلس رضا کی تحریک ودعوت اور نقش عمل پر ایشیاء ویورپ اور افریقہ امریکہ میں درجنوں ادارے قائم ہوئے۔ رضا اکیڈمی لندن، رضوی انٹرنیشنل سوسائٹی افریقہ، المجمع الاسلامی مبارکپور، رضا اکیڈمی بمبئی، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی، المجمع المصباحی مبارکپور وغیرہ وغیرہ اور اب تو امام احمد رضا کا نام وکام اتنا دلکش اور مقبول انام ہو گیا ہے کہ مخالفین ومعاندین بھی امام احمد رضا کی تصانیف بڑے چاؤ سے شائع کر رہے ہیں دہلی میں قریب ۲۵ ناشرین "کنزالایمان مع خزائن العرفان" شائع کر کے ملک کے گوشے گوشے میں پھیلا رہے ہیں جو

(۱۹) مولانا محمود احمد قادری، مکتوبات امام احمد رضا بریلوی، مکتبہ پبلیکیشنز دہلی ص: ۱۹ (۲۰) علامہ اقبال احمد فاروقی، ماہنامہ "جہان رضا" لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء ص: ۲۔۳ (۲۱) علامہ عبدالحکیم شرف قادری، "جہان رضا" لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء ص: ۱۳

سب کے سب دیوبندی ہیں چند دیوبندی ناشرین نے اپنے مکتبوں کا نام بھی نام رضا سے منسوب کیا ہے "مکتبہ رضویہ دہلی" "مکتبہ رضویہ نوریہ دہلی" اور رضا بک فاؤنڈیشن کا مالک بھی بریلوی نہیں ہے۔ لیکن ابھی سر کی آنکھیں کھلی ہیں دل کی آنکھیں نہیں کھلی ہیں دل کی آنکھیں کھل گئیں تو پورا وجود نور ایمان سے جگمگا اٹھے گا اور ہماری آواز میں آواز ملا کر پکار اٹھیں گے۔

ڈال دی قلب میں عظمت مصطفیٰ
سیدی اعلیٰ حضرت پہ لاکھوں سلام

حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے استاد گرامی

حکیم اہلسنت کی نادر علمی کتابوں کے ذخیرے کے امین سیّد جمیل احمد رضوی چیف لائبریرین پنجاب یونیورسٹی لاہور بڑی محبت سے حکیم اہلسنت کے استاد گرامی علامہ محمد عالم آسی رحمتہ اللہ علیہ کا تعارف کراتے ہیں۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمتہ اللہ علیہ (وفات ۱۷ نومبر ۱۹۹۹) علامہ محمد عالم آسی رحمتہ اللہ علیہ (م ۱۵ اگست ۱۹۴۴) کے نامور شاگرد تھے۔ حکیم صاحب اپنے استاذ گرامی کا تذکرہ اکثر اوقات کرتے رہتے تھے۔ آپ ان کی علمی قابلیت' زہدو اتقا اور اخلاق عالیہ سے بہت متاثر تھے۔ حکیم صاحب مرحوم کے بڑے بھائی حکیم غلام قادر امرتسری مرحوم (وفات ۲۸ جون ۱۹۷۵ء) نے ایک رسالہ بعنوان "تذکرہ آسی" مرتب کیا تھا۔ یہ ۱۹۵۷ء میں دارالاشاعت علوم اسلامیہ حسین آگاہی ملتان سے شائع ہوا تھا۔ علامہ آسی کے مختصر حالات اس رسالے سے نقل کئے جاتے ہیں۔ ساتھ ہی ان معلومات کو درج کیا جائے گا جو راقم السطور نے حکیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے سن کر اپنی ڈائری میں بطور یادداشت لکھ لی تھیں یا ان تعلیقات سے استفادہ کیا ہے جو محترم حکیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے قلم سے مولانا آسی رحمتہ اللہ علیہ کی تصنیفات و تالیفات پر تحریر کی ہیں۔ یہ تعلیقات (Notes) بہت اہم ہیں۔

ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نامور شاگرد اپنے استاذ محترم سے کس حد تک قلبی لگاؤ اور تعلق خاطر رکھتا ہے۔

مولانا محمد عالم صاحب آسی رحمتہ اللہ علیہ بروز جمعہ شریف ۱۲۹۸ھ میں مولوی عبدالحمید رحمتہ اللہ علیہ ابن مولانا غلام احمد چشتی نظامی کے ہاں تولد ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے ننھیال موضع چک بھٹی میں رہ کر حاصل کی۔ سولہ سال کی عمر میں لاہور تشریف لے آئے اور نعمانیہ مدرسہ شاہی مسجد لاہور میں داخل ہوگئے۔ اس وقت اس مدرسے کے ناظم اعلیٰ مولوی غلام احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کوٹ اسحاقی تھے۔ ان کے زیر سایہ تعلیم حاصل کرتے رہے۔ پھر یونیورسٹی میں داخل ہوگئے۔ مولانا عبداللہ ٹونکی جو کہ مولانا آسی رحمتہ اللہ علیہ کے استاذ تھے' سے اختلاف رائے ہونے کی بنا پر لاہور کو خیرباد کہہ دیا اور امرتسر آگئے۔(۱)

یہاں آکر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ پہلے اسلامیہ ہائی سکول امرتسر میں عربی اور دینیات کے استاذ مقرر ہوئے۔ جب اس مدرسے کو کالج کا درجہ مل گیا تو آپ کالج میں عربی کے استاذ مقرر ہوگئے۔

ڈائری سے اقتباسات

راقم السطور کو ذخیرہ کتب حکیم محمد موسیٰ رحمتہ اللہ امرتسری کی فہرست سازی کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہ کام حکیم صاحب کے مطب (۵۵ ریلوے روڈ' لاہور) کی بالائی منزل میں ۱۰ اکتوبر ۱۹۸۹ء کو شروع کیا۔ ۲۴ دسمبر ۱۹۸۹ء کو مطب میں فہرست سازی کا آخری روز تھا۔ اسی روز حکیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا ذخیرہ کتب پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں منتقل ہوا۔ اس

طرح باون روز تک فہرست سازی کا کام ۵۵ ریلوے روڈ' لاہور پر جاری رہا۔ اس عرصے میں جب حکیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے پاس بیٹھنے کا وقت ملتا' تو علمی باتیں ہوتی تھیں۔ ان علمی باتوں کو احقر گھر جا کر اپنی ڈائری میں لکھ لیتا۔ اس طرح ملفوظات حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی صورت میں کافی مواد احاطہ تحریر میں آ گیا۔ راقم السطور بعد میں بھی حکیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا اور ان کی علمی گفتگو سے مستفید ہوتا رہا۔ مریضوں کو دیکھنے کے بعد اگر وقت مل جاتا تو آپ بہت معلومات افزا باتیں کرتے۔ گاہے بگاہے مریض بھی دیکھتے جاتے اور علمی گفتگو کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ احقر کا یہ علمی تعلق آپ کی وفات تک قائم رہا۔ (آخری ملاقات ۷ نومبر ۱۹۹۹ء کو مطب میں ہوئی تھی) اس دوران ہونے والی علمی باتوں کو بھی احقر اپنی ڈائری میں تحریر کرتا رہا۔ آپ کی وفات کے بعد جب میں نے اپنی یادداشتوں کو پڑھا تو ان میں علامہ محمد عالم آسی رحمتہ اللہ کے حوالے سے بہت سی باتیں ایسی دیکھیں جن کا ذکر "تذکرہ آسی" میں نہیں ہے۔ ان یاد داشتوں سے منتخب اقتباسات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں تاکہ محفوظ ہو جائیں اور بعد میں محترم حکیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں تحقیق کرنے والوں کے لئے مفید ثابت ہوں۔ ان سے علامہ آسی رحمتہ اللہ علیہ اور حکیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے باہمی علمی' قلبی اور روحانی تعلق کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے

اقتباس کے شروع میں تاریخ درج کی جاتی ہے اور اس کے بعد اقتباس دیا جاتا ہے:

(۱۲ دسمبر ۱۹۸۹ء) آج حکیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے بتایا کہ علامہ آسی رحمتہ اللہ علیہ کو "استاذالکل" کہا جاتا ہے۔ وہ بہت سے فنون میں ماہر

تھے۔ وہ ۱۹۰۸ء کے قریب امرتسر میں وارد ہوئے۔ بہت شہرہ ہوا کہ ایک بہت بڑا عالم یہاں آیا ہے۔ والد صاحب مرحوم (حکیم فقیر محمد چشتی نظامی، المتوفی ۲۲ اپریل ۱۹۵۲ء) نے "قانون شیخ الرئیس" کے بعض مشکل مقامات ان سے سمجھے تھے۔ میں ان کا آخری شاگرد (آخرالتلامذہ) ہوں۔ وہ بڑے خود دار انسان تھے، کسی امیر یا غریب کے گھر سے کھانا کھانا پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کی وفات سے قریباً تین چار روز قبل جب میں نے کہا کہ میں کھانا لے آؤں، تو کہنے لگے کہ میرے سرہانے کے نیچے روپے رکھے ہیں کھانا لے آیا کرو۔ اور حساب رکھو۔ میں نے کہا اسی طرح کروں گا کیونکہ میں جانتا تھا کہ وہ انکار کی صورت میں میری اس پیشکش کو قبول نہیں کریں گے۔ تین چار روز کے بعد (۱۹۴۴ء میں) ان کا انتقال ہوگیا۔ چنانچہ میں نے وہ دس روپے ان کے بھائی (غالباً حکیم محبوب عالم مرحوم) کو دے دیئے جن کی اولاد یہاں پاکستان میں موجود ہے۔ علامہ آسی رحمتہ اللہ علیہ صاحب لا ولد تھے۔ ان کی اہلیہ مرحومہ پہلے وفات پا گئی تھیں۔

حکیم صاحب نے بتایا کہ ان (علامہ آسی) کے لکھے ہوئے مسودات ان کے ورثاء (مقیم موضع راگھو سیداں براہ کولو تارڑ، تحصیل حافظ آباد، ضلع گوجرانوالہ) کے پاس محفوظ ہیں۔

(۳) "الکاویہ علی الغاویہ" عربی زبان میں محفوظ ہے۔ اس کا اردو ترجمہ دو جلدوں میں شائع ہوچکا ہے۔ انہوں نے ریٹائرمنٹ کے بعد قرآن پاک کی تفسیر لکھنا شروع کی تھی۔ وہ بھی محفوظ ہے۔ علامہ آسی رحمتہ اللہ علیہ مرحوم پہلے سکول میں پڑھاتے تھے، بعد میں جب ایم اے او کالج امرتسر میں بن گیا تو کالج میں عربی کے پروفیسر (استاذ) ہوگئے تھے۔

(۴) پہلے تو امرتسر میں کوئی کالج نہیں تھا۔ حکیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ

نے یہ بھی بتایا کہ جب امرتسر میں مسجد خیر دین کی بنیاد رکھی جانے لگی تو بعض لوگوں نے کہا کہ اس کا سنگ بنیاد علامہ آسی رحمتہ اللہ علیہ لکھیں (کتابت کریں) جب لوگ ان کے پاس گئے تو انہوں نے کہا کہ کیا میں کتابت کرتا ہوں؟ لوگ ان کے مزاج کو جانتے تھے۔ واپس آگئے۔ اگلے روز وہ خود ہی قلم لے کر آگئے اور بالخصوص مسجد کا قطعہ تاریخ انہوں نے لکھا۔ جزاک اللہ لکھا۔ اس طرح وہ کتابت کے بھی ماہر تھے۔ انہوں نے اپنی کئی کتابوں کی کتابت خود کی ہوئی ہے۔

(۱۷ ستمبر ۱۹۹۱ء) آج میں سید سرفراز علی زیدی صاحب (۵) کے ساتھ حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے مطب گیا۔ کھانے کا وقت تھا۔ زیدی صاحب نے مطب پہنچنے سے پہلے چوک گوالمنڈی سے سالن لیا۔ کہنے لگے مطب کے قریب سے روٹیاں لے لیں گے۔ کھانے کا وقت ہے' کھانا کھائیں گے۔ جب ہم مطب پہنچے تو زیدی صاحب نے حکیم صاحب سے پوچھا کہ کیا آپ نے کھانا کھا لیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ابھی نہیں۔ قریباً پونے دو بجے بعد دوپہر کا وقت تھا۔ حکیم صاحب بالعموم ساڑھے بارہ بجے سے ایک بجے بعد دوپہر تک کھانا کھا لیا کرتے تھے۔ چنانچہ ہم تینوں نے اکٹھے کھانا کھایا۔ اس کے بعد میں (راقم السطور) نے حکیم صاحب سے کہا کہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ایک پروفیسر سید رضوان علی صاحب کراچی یونیورسٹی سے آئے ہوئے تھے۔ وہ سیدنا برہان الدین چیئر' کراچی یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔ وہ یہاں کے عربی کے علماء پر تحقیق کر رہے ہیں۔ میں نے ان کو علامہ محمد عالم آسی رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں بتایا اور آپ کے ذخیرہ کی فہرست (جلد اول) سے علامہ مرحوم کی کتب کے نام دکھائے۔ میں نے ان کو یہ بھی بتایا کہ علامہ آسی رحمتہ اللہ علیہ کے شاگردوں میں ڈاکٹر پیر محمد حسن' ادارہ تحقیقات اسلامی'

اسلام آباد بھی ہیں۔ ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ مرحوم بھی ان کے شاگرد تھے۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری بھی ان کے شاگرد ہیں اور حکیم صاحب خود کو ان کے آخری شاگرد (آخر التلامذہ) بتایا کرتے ہیں۔

آج حکیم صاحب نے علامہ آسی رحمتہ اللہ علیہ مرحوم کے بارے میں بہت سی باتیں بتائیں۔ انہوں نے کہا کہ علامہ آسی رحمتہ اللہ علیہ کا انداز تدریس کالج کے استاذ جیسا تھا۔ وہ اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے کہ گھر سے پڑھ کر آؤ اور مشکل مقامات کے بارے میں پوچھ لو۔ اس کے علاوہ وہ کاپی (نوٹ بک) لانے کے بارے میں بھی کہا کرتے تھے۔ نوٹس (Notes) لکھواتے تھے۔ اپنے شاگرد میں ایسی صلاحیت اور استعداد پیدا کرتے تھے تاکہ وہ خود ہی کتاب کو پڑھ سکے۔

حکیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے یہ بھی بتایا کہ ان کے شاگردوں میں خواجہ عبدالرحیم بار ایٹ لاء بھی تھے۔ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم بھی ان سے استفادہ کے لئے جایا کرتے تھے۔ علامہ محمد حسین عرشی بھی ان سے پڑھتے رہے۔ ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ اور پیر محمد حسن نے ان سے بہت استفادہ کیا تھا بالخصوص عربی زبان و ادب کے سلسلہ میں۔ حکیم صاحب نے بتایا کہ میرے بڑے بھائی حکیم غلام قادر صاحب نے زبدۃ الحکماء کا امتحان دینا تھا۔ کتاب "حمیات قانون شیخ الرئیس" نصاب میں شامل تھی۔ بھائی صاحب نے علامہ آسی رحمتہ اللہ علیہ سے کہا کہ یہ کتاب پڑھا دیں۔ علامہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ ایک کاپی (نوٹ بک) لے آؤ، میں اس کے بارے میں نوٹس (Notes) لکھوا دوں گا۔ پھر تم خود کتاب پڑھ لو گے۔ چنانچہ علامہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے بھائی صاحب کو ایسے نوٹس لکھوا دیئے جن کو "تلخیص حمیات قانون" کہا جاسکتا تھا۔ یہ مسودہ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے وقت

امرتسر میں ضائع ہو گیا۔

حکیم صاحب نے بتایا کہ جس کاپی (نوٹ بک) پر میں مشق کیا کرتا تھا، وہ بھی امرتسر میں رہ گئی اور ضائع ہو گئی۔ بھائی صاحب جب تعلیم سے فارغ ہو گئے تو علامہ صاحب نے ان سے کہا کہ پہلے تم اپنی مرضی سے کتابیں پڑھتے رہے، اب میں تمہیں اپنی پسند کی ایک کتاب پڑھاؤں گا اور اس کو پڑھانے کے لئے میں خود تمہارے مکان پر آیا کروں گا۔ ان کے مکان اور حکیم صاحب کے مکان کا درمیانی فاصلہ تقریباً ڈھائی میل تھا۔ چنانچہ علامہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ مکان پر آ گئے اور کہنے لگے: قرآن مجید لاؤ، یہ کتاب میں تمہیں خود پڑھایا کروں گا۔ چنانچہ ان کا معمول تھا کہ وہ صبح آ جاتے اور آکر بھائی صاحب کو قرآن مجید پڑھایا کرتے تھے۔ (درس قرآن دیا کرتے تھے) قرآن مجید کے اٹھارویں پارہ پر درس شروع تھا کہ وہ چند روز بیمار رہ کر انتقال کر گئے۔

ایک بار ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ مرحوم کے ساتھ ایک اور صاحب علامہ آسی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ آپ عربی زبان و ادب کے اتنے بڑے فاضل ہیں، آپ کو کسی اچھے منصب پر ملازمت مل سکتی ہے۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ میں نے عربی زبان قرآن مجید سمجھنے کے لئے پڑھی تھی، ملازمت کرنے کے لئے نہیں۔ حکیم صاحب نے یہ بھی بتایا کہ انہوں نے جو درسی کتب لکھی تھیں وہ طلبہ کو عموماً بلا قیمت بھیج دیا کرتے تھے، اگرچہ ان کی قیمت مقرر کی ہوئی تھی۔ ہمیں کہتے کہ کس نے کتاب منگوائی ہے؟ اگر ہم کہہ دیتے کہ ایک طالب علم ہے، تو آپ فرما دیتے کہ کتاب بلاقیمت بھیج دو، اس کو وی پی نہ بھیجنا۔

علامہ آسی رحمتہ اللہ علیہ نے عربی میں تفسیری کام بھی شروع کر رکھا

تھا۔ اس کا مسودہ بھی ان کے اعزہ کے پاس ہے۔ علامہ مرحوم کی خط و کتابت مولانا اشرف علی تھانوی سے بھی ہوئی تھی۔ یہ بھی عربی زبان میں تھی۔ مولانا اشرف علی تھانوی کے ایک خلیفہ لاہور میں رہائش پذیر تھے۔ وہ بتایا کرتے تھے مولانا اشرف علی تھانوی نے آدھی حدیث کسی مضمون میں نقل کی۔ اس پر آسی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اعتراض کیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر پوری حدیث نقل کردیتا تو ایک طبقے کی دل آزاری ہوتی۔ اس کے جواب میں علامہ آسی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ معاذ اللہ آپ کہنا چاہتے ہیں کہ پیغمبر خدا کے کلام سے کسی کی دل آزاری بھی ہوتی ہے۔ اس خط و کتابت کا ثبوت مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم کے رسالے (غالباً رسالہ امدادیہ) سے بھی ملتا ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ امرتسر سے آمدہ ایک خط کے جواب میں۔ یہ خط علامہ آسی رحمتہ اللہ علیہ ہی لکھا کرتے تھے۔

حکیم صاحب نے بتایا کہ امرتسر کا ماحول مناظرانہ زیادہ تھا اور علمی کم۔ اس وجہ سے علامہ آسی رحمتہ اللہ زیادہ علمی کام نہ کرسکے۔ گویا ماحول اس طرح کا نہ تھا کہ علمی کام کی زیادہ پذیرائی ہوتی۔

تصانیف علامہ محمد عالم آسی پر تعلیقات

حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے استاذ گرامی علامہ محمد عالم آسی رحمتہ اللہ علیہ کی تصنیفات و تالیفات کو بہت احتیاط سے جمع کیا تھا اور ان کو اپنے ذخیرے میں محفوظ کیا تھا۔ فہرست سازی کے دوران ایک روز ان کتابوں کو مطب کی پہلی منزل پر لے آئے اور فرمانے لگے کہ ان کو ایک مقام پر اکٹھا درج کردیں۔ چنانچہ ان کتب کو آپ کی خواہش کے پیش نظر

ایک جگہ پر درج کر دیا۔

(۶) بعد میں علامہ آسی رحمتہ اللہ علیہ کی بعض غیر مطبوعہ کتب کی عکسی نقول تیار کروائیں اور ان کو مجلّہ کی صورت میں اپنے ذخیرہے میں جمع کروایا۔ بعض کتب پر تعلیقات (نوٹس) کا اضافہ کیا تاکہ ان کے بارے میں مزید معلومات درج ہو جائیں اور بعد میں محققین ان سے استفادہ کر سکیں۔ اس سلسلے میں چند کتابوں کے اندراجات ذیل میں دیئے جاتے ہیں اور ان کے آخر میں محترم حکیم صاحب کے نوٹس (Notes) بھی نقل کئے جاتے ہیں:

آسی محمد عالم بیاض مطب الاسی۔ ۱۳۹ اوراق (فارسی' اردو) (قلمی کی فوٹو کاپی ہے) علامہ آسی رحمتہ اللہ علیہ مرحوم کی طبی بیاض زیر شمارہ ۴۳۳۸ اور ۴۳۳۹ ذخیرے میں موجود ہیں۔ یہ علامہ آسی رحمتہ اللہ علیہ مرحوم کی غیر مطبوعہ بیاض ہے۔ حکیم صاحب نے اس پر ۹ مارچ ۱۹۹۲ء کو ایک اہم نوٹ تحریر کیا ہے۔ اس کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

"بحرالعلوم و الفنون حضرت مولانا حکیم محمد عالم آسی امرتسری رحمتہ اللہ علیہ کی یہ بیاض علوم طبیہ اور مجربات نادرہ کا ایک بحر ذخار ہے۔ اس سے صحیح استفادہ عربی دان اطباء کا ایک بورڈ ہی کر سکتا ہے۔ استاذی حضرت آسی قبلہ اعلی اللہ مقامہ کی دوسری طبی بیاض بھی (فوٹو کاپی) میرے ذخیرہ (ذخیرہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری) میں موجود ہے۔ ان بیاضوں کے اصل نسخے حضرت قبلہ آسی صاحب علیہ الرحمہ کے برادر خرد مولانا حکیم محبوب عالم مرحوم کے نبیرہ جناب میاں ضمیر احمد وسیر ایم اے سکنہ موضع راگھو سیداں' براہ کولوتارڑ' تحصیل حافظ آباد' ضلع گوجرانوالہ کے پاس محفوظ ہیں۔ وسیر صاحب کے پاس حضرت آسی رحمتہ اللہ علیہ کے بہت سے علمی تبرکات موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

(۷) ایک اور کتاب

"ان کے نقش پا چراغ" کا اندراج ذیل میں کیا جاتا ہے اس پر محترم حکیم صاحب کا ایک توضیحی نوٹ ملتا ہے۔ فہرست میں اس کا نمبر ۴۳۲۵ ہے:

وسیر، محمد اسلم، ان کے نقش پا چراغ، سوانح مبارکہ، مخزن ہدایت، منبع کرامت فدائے شمع بزم رسالت حضرت قبلہ مولانا غلام احمد صاحب چشتی نظامی رحمتہ اللہ علیہ

لاہور، ۱۹۷۹ء ۹۵ ص (کتابت شدہ کی نقل)

اس پر حکیم صاحب نے ایک نوٹ لکھا ہے: حضرت علامہ محمد عالم آسی رحمتہ اللہ علیہ کے جدامجد حضرت مولانا غلام احمد چشتی مدفون کولوتارڑ (حافظ آباد) اور ان کی اولاد و احفاد کا مختصر تذکرہ جو تاحال شائع نہیں ہوسکا۔

(۸)

علامہ آسی رحمتہ اللہ علیہ کی ایک اور کتاب کا اندراج یہاں پر نقل کیا جاتا ہے۔ یہ ذخیرہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمتہ اللہ علیہ میں زیر شمارہ ۶۶۴۱ موجود ہے:

آسی محمد عالم، سرگزشت گرائمر خان، حاوی جمیع نکات مرفیہ، مشتمل براسرار غوامض نحویہ امرتسر: مصنف ۱۹۱۳ء (اردو) یہ فوٹو کاپی ہے۔

اس کے آخر میں حکیم صاحب نے لکھا ہے:

"اس وقت تک حضرت مولانا نے آسی تخلص اختیار نہیں کیا تھا۔"

غلام احمد، وضع اطوار محمدی، مرتبہ محمد عالم (آسی) لاہور: مطبع رفاہ عام، ۱۲۹۹ھ ۴۸ ص (اردو، پنجابی)

اس کتاب کے شروع میں حکیم صاحب نے ایک نوٹ لکھا ہے:

"رسالہ ھذا (وضع اطوار محمدی) مخدومی و استاذی حضرت علامہ محمد عالم آسی امرتسری رحمتہ اللہ علیہ کی اولین توالیف میں سے ہے۔" (۱۰)

علامہ آسی رحمتہ اللہ علیہ کی ایک اور کتاب کا اندراج ذیل میں دیا جاتا ہے۔ یہ کتاب ذخیرہ حکیم صاحب میں زیر شمارہ ۴۸۳۸ محفوظ ہے:

آسی محمد عالم، المدافعات الفقھیہ فی تردید معقولات الحنفیہ (علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی یعنی خدا کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے تابعدار معقولیت پر قائم ہیں۔) امرتسر: احمد سعید ناظم خدام الحنفیہ (س ن) ۳۲ ص (اردو)

محترم حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے کتاب پر ایک نہایت مفید نوٹ لکھا ہے۔ اس کو یہاں درج کیا جاتا ہے: "استاذی حضرت مولانا حکیم محمد عالم آسی امرتسری مرحوم نے متعدد مضامین و مقالات دوسروں کے ناموں سے شائع کروائے اور کچھ فرضی ناموں سے چھپوائے۔ اسی طرح پیش نظر رسالہ المدافعات الفقیہ کا مضمون استفتاء حضرت آسی کے ایک شاگرد اور دوست جناب مولانا احمد سعید اشرفی مرحوم کے نام سے ہے۔" (۱۱)

علامہ آسی رحمتہ اللہ علیہ کی ایک معروف کتاب "الکاویہ علی الغاویہ" عربی زبان میں ہے۔ اس مخطوطے کی عکسی نقل حکیم صاحب نے کروائی اور اس کو اپنے ذخیرے میں محفوظ کیا۔ فہرست میں اس کا شمارہ ۴۴۰۹ ہے۔ اس کا اندراج ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

آسی محمد عالم۔ الکاویہ علی الغاویہ ۸۹+۵ اوراق (عربی)

یہ مخطوطہ کی فوٹو کاپی ہے اس پر محترم حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے ایک اہم نوٹ یکم محرم الحرام ۱۴۱۳ھ کو تحریر کیا ہے اس کو یہاں درج کیا جاتا ہے۔

"علامۃ الدہر حضرت قبلہ محمد عالم آسی رحمتہ اللہ امرتسری کی یہ تصنیف (الکاویہ علی الغاویہ) عربی زبان میں لکھی جانے والی اولیں مبسوط و مدلل کتب (در رد قادیانیت) میں شمار ہوتی ہے مگر اس لئے طبع نہ کروائی گئی کہ فاضل علام مصنف کے معاصرین نے یہ مشورہ دیا کہ عربی کی بجائے اردو میں چھپوائیں تاکہ عوام الناس بھی اس سے مستفید ہو سکیں۔ چنانچہ حضرت علامہ آسی علیہ الرحمہ نے اس کتاب کو اردو کا جامہ پہنا کر ۱۹۳۱ء میں امرتسر سے چھپوا دیا۔ اس نادر تصنیف کا خطی نسخہ میاں ضمیر احمد وسیر ایم اے ساکن راگھو سیداں، تحصیل حافظ آباد، ضلع گوجرانوالہ کے پاس محفوظ ہے۔ پیش نظر نسخہ غالباً حضرت آسی رحمتہ اللہ علیہ کے شاگرد خاص ڈاکٹر پیر محمد حسن صاحب کا لکھا ہوا ہے۔ محققین کی آگاہی کے لئے یہ تحریر کر دینا بھی ضروری ہے کہ یہ کتاب بخط مصنف بھی میاں ضمیر احمد وسیر کے ہاں موجود ہے۔" (۱۲)

راقم السطور حکیم محمد موسیٰ رحمتہ اللہ علیہ امرتسری کے انتقال کے بعد آپ کے مطب میں حاضری دیتا رہا۔ جنوری ۲۰۰۰ء میں بھی حکیم صاحب کے مطب میں گیا۔ محترم میاں زبیر احمد صاحب (۱۳) اور جناب محمد ریاض ہمایوں سعیدی (۱۴) سے ملاقات ہوئی۔ ۵۵ ریلوے روڈ پر حاضری کے دوران گفتگو کا مرکز و محور حکیم صاحب کی شخصیت ہوتی ہے۔ جب میں اجازت لے کر چلنے لگا تو میاں زبیر احمد صاحب نے ایک دیدہ زیب فائل میرے حوالے کی اور فرمایا کہ اس کو ذخیرہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری میں شامل کر دیں۔

میں نے اس فائل کو کھول کر دیکھا' تو یہ تیرہ صفحات پر مشتمل علامہ محمد عالم آسی رحمتہ اللہ علیہ کا عربی زبان میں غیر مطبوعہ مکتوب تھا جو انہوں نے ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ کو انگلستان ارسال کیا تھا۔ (۱۵) اس مکتوب کے شروع میں حکیم صاحب نے ایک تعارفی نوٹ مختصر انداز میں ۳۰ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو لکھ کر رکھا ہوا تھا۔ اس نوٹ کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ یہ آخری تحریر ہے جو حکیم صاحب نے اپنے ذخیرے کی کسی دستاویز پر لکھی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام

یہ مکتوب (غیر مطبوعہ) فقیر کے استاذی المکرم شیخ الکل علامتہ الدہر محمد عالم آسی امرتسری رحمتہ اللہ علیہ (م ۱۹۴۴ء ۱۳۲۳ھ) مدفون امرتسر کا تحریر کردہ ہے۔ جسے انہوں نے اپنے شاگرد پروفیسر ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ مرحوم سابق صدر شعبہ عربی یونیورسٹی اورینٹل کالج و استاذ شعبہ تاریخ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور المتوفی ۱۹۷۷ء مدفون لاہور کے بعض علمی سوالات جو کہ انہوں نے آکسفورڈ یونیورسٹی (انگلینڈ) سے دوران تعلیم کئے تھے' کے جواب میں مکتوب ھذا تحریر فرمایا تھا۔

پروفیسر شیخ عنایت اللہ مرحوم نے احقر کو یہ علمی شہ پارہ عنایت فرما دیا تھا جسے اب پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں اپنے ذخیرہ کتب کی زینت بنا رہا ہوں۔

خاک راہ دردمنداں

محمد موسیٰ عفی عنہ حضرت لاہور

۳۰ اکتوبر ۱۹۹۹ء

چنانچہ یہ مکتوب آسی رحمتہ اللہ علیہ کے ذخیرے کا حصہ بنا دیا گیا۔ ۲۶

جنوری ۲۰۰۰ء کو میں نے اس کی رسید میاں زبیر احمد صاحب کو بصورت مکتوب بھجوا دی۔ اس چٹھی کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

گرامی قدر میاں زبیر احمد صاحب!

السلام علیکم! مکتوب حضرت علامہ محمد عالم آسی رحمتہ اللہ بنام ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ مرحوم لائبریری میں وصول ہوگیا ہے اس کے ساتھ حضرت حکیم محمد موسیٰ رحمتہ اللہ علیہ امرتسری (المتوفی ۱۷ نومبر ۱۹۹۹ء) کا مکتوب گرامی (بصورت نوٹ) مورخہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۹۹ء بھی ہے جو اس کی اہمیت پر روشنی ڈالتا ہے۔ محترم حکیم صاحب مرحوم نے اس دستاویز کو جس انداز سے محفوظ کیا ہے وہ بہت قابل تعریف و تحسین ہے۔ خوبصورت اور دیدہ زیب فائل کے اندر اس کو رکھا گیا ہے پھر اس کے ہر ورق کو ورق بندی (Lamination) کے عمل سے گزارا گیا ہے۔ اس سے بنیادی طور پر دو عناصر کی واضح طور پر نشاندہی ہوتی ہے۔ اولاً استاذ اور شاگرد کے درمیان رشتے کا تقدس اور احترام۔ ثانیاً اس مکتوب کی اہمیت و افادیت جو شاگرد رشید کے نزدیک بہت زیادہ تھی۔ علمی آثار کو محفوظ کرنے کا یہی جذبہ تھا جو حکیم رحمتہ اللہ علیہ صاحب نے زندگی بھر اپنائے رکھا اور اس کے نتیجے میں ان کے ذخیرہ کتب مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں گیارہ ہزار سے زیادہ کتابوں کی تعداد ہو گئی ہے۔

آپ حکیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے ذخیرے میں اضافہ کے لئے کتابیں بھجواتے رہتے ہیں۔ اس سے زیر حوالہ ذخیرہ کی نشوونما ہو رہی ہے۔ دراصل یہ حکیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا روحانی فیضان ہے جو ان شاء اللہ جاری و ساری رہے گا۔ آپ اور محترم محمد ریاض ہمایوں سعیدی کی کوشش لائق تحسین و توصیف ہے کہ آپ حکیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیمات کی

روشنی کو عام کرنے میں کوشاں ہیں۔ خداوند عالم اس جذبے میں مزید توفیقات ارزانی فرمائے۔ امید ہے آپ کے مزاج بخیر ہوں گے۔ والسلام۔

بخدمت: جناب میاں زبیر احمد صاحب' ۵۵ ریلوے روڈ' لاہور ۷

آپ کا مخلص سید جمیل احمد رضوی چیف لائبریرین

حواشی

(۱) حکیم غلام قادر امرتسری (مرتب) "تذکرہ آسی رحمتہ اللہ علیہ" (ملتان: دارالاشاعت علوم اسلامیہ حسین آگاہی' ۱۹۵۷ء) ص ۳-۷ (مولانا آسی رحمتہ اللہ علیہ پر یہ مضمون مولوی حکیم محبوب عالم برادر خرد مولانا آسی رحمتہ اللہ علیہ کی تحریر ہے)

(۲) حکیم محمد حسین عرشی "سوانح مولانا محمد عالم آسی" مشمولہ "تذکرہ آسی رحمتہ اللہ علیہ" مرتبہ حکیم غلام قادر امرتسری (ملتان: دارالاشاعت علوم اسلامیہ حسین آگاہی' ۱۹۵۷ء) ص ۸-28

(۳) سید جمیل احمد رضوی (مرتب) "فہرست ذخیرہ کتب حکیم محمد موسیٰ امرتسری مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری' لاہور (جلد دوم' لاہور: پنجاب یونیورسٹی' ۱۹۹۷ء) ص ۲۳

(۴) حکیم محمد حسین عرشی' محولہ بالا' ص ۹

(۵) سید سرفراز علی زیدی حکیم صاحب مرحوم کے خاص نیاز مند اور معتمد کی حیثیت سے خدمات بجالاتے رہے۔ ان دنوں ہائر سیکنڈری سکول' گھوڑے شاہ لاہور میں علوم اسلامیہ کے لیکچرار ہیں۔

(۶) ان کتب کی تفصیل درج ذیل حوالے میں دیکھی جاسکتی ہے:

سید جمیل احمد رضوی "فہرست ذخیرہ کتب حکیم محمد موسیٰ امرتسری مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور" (جلد اول' لاہور: مغربی پاکستان اردو

اکیڈمی، ۱۹۹۶ء) ص ۵۰۱-۵۰۷ بعد میں بھجوائی گئی علامہ آسی رحمتہ اللہ علیہ کے مسودات کی عکسی نقول کی تفصیل اسی فہرست کی جلد دوم و سوم میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اس فہرست کی جلد سوم پنجاب یونیورسٹی نے ۱۹۹۸ء میں شائع کی۔

(۷) سید جمیل احمد رضوی، جلد دوم، ص ۲۳

(۸) ایضاً ص ۲۳-۲۴

(۹) ایضاً، جلد سوم، ص ۳۳۲

(۱۰) ایضاً، جلد دوم، ص ۱۹۶

(۱۱) ایضاً، جلد اول، ص ۵۰۴

(۱۲) ایضاً، جلد دوم، ص ۱۱۷

(۱۳) میاں زبیر احمدؒ صاحب، مرحوم کے دست راست کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتے رہے۔ (مرحوم میاں صاحب کو اپنی حیات میں مسند طبابت پر بٹھا گئے۔) کتابوں کی جمع آوری اور ذخیرے کی نشوونما کا فریضہ بھی ان کو سونپ گئے۔ چنانچہ میاں صاحب حکیم صاحب مرحوم کی روحانی نگرانی میں یہ دونوں کام سرانجام دیتے نظر آتے ہیں۔ مطب کا منظر بتاتا ہے کہ حکیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ اس کی معنوی طور پر نگرانی کر رہے ہیں اور میاں صاحب اس نگرانی کے زیر اثر اور زیر سایہ کام کررہے ہیں۔

(۱۴) محمد ریاض ہمایوں سعیدی صاحب مطب میں آنے والے مریضوں کو ادویہ دینے پر مامور ہیں۔ وہ یہ فریضہ کئی سالوں سے خوش اسلوبی سے ادا کررہے ہیں۔ علاوہ ازیں کتابوں کی تلاش اور جستجو کی ذمہ داری بھی ان کے سپرد ہے۔ ذخیرہ کتب حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمتہ اللہ علیہ میں شامل کرنے کے لئے کتابوں کو تیار کرنا بھی ان کے فرائض میں شامل ہے۔ ان کے علاوہ

دیگر خدمات بھی بجا لاتے ہیں۔

(۱۵) حکیم صاحب نے زیر حوالہ مکتوب آسی رحمتہ اللہ علیہ کی عکسی نقل ۲۵ نومبر ۱۹۸۹ء کو کروائی تھی۔ اس کے بعد اس کو مجلد صورت میں ذخیرے میں شامل کرنے کے لئے بھجوایا۔ آپ نے اس پر ایک مفصل نوٹ لکھا جو اس کے حصول اور اہمیت پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس کو فہرست ذخیرہ کتب حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمتہ اللہ علیہ کی جلد اول کے صفحات ۵۰۶ اور ۵۰۷ پر دیکھا جاسکتا ہے۔ راقم السطور نے اپنی ڈائری میں بطور یادداشت جو تحریر محولہ بالا تاریخ کو لکھی تھی اس کو بھی ذیل میں درج کیا جاتا ہے تاکہ محفوظ ہو جائے۔

آج حکیم صاحب نے ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ مرحوم کے بارے میں بتایا کہ یہ امرتسر کے رہنے والے تھے، اپنی وفات سے ایک سال پہلے میرے پاس آئے اور قریب بیٹھ کر اپنے کوٹ سے کاغذات نکالے اور مجھے بتایا کہ یہ خط علامہ آسی رحمتہ اللہ مرحوم امرتسری کا عربی زبان میں ہے جو انہوں نے مجھے انگلستان اس وقت بھیجا تھا جب میں وہاں پر پی ایچ ڈی (عربی) کے سلسلے میں گیا ہوا تھا۔ میں نے کہا کہ میں اس کی فوٹو کاپی کروالیتا ہوں۔ اصل آپ رکھ لیں۔ انہوں نے کہا نہیں آپ اس کو رکھیں۔ حکیم صاحب نے اس خط کی فوٹو کاپی آج کروائی ہے اور اس کو جلد کروا کر اپنے ذخیرے میں رکھنا چاہتے ہیں اس فوٹو کاپی کو میں (راقم السطور) نے بھی دیکھا۔ یہ مکتوب نہایت عمدہ خط میں لکھا ہوا ہے۔ کئی صفحات (تیرہ) پر مشتمل ہے۔ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔

حکیم صاحب نے یہ بھی بتایا کہ ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ صاحب گورنمنٹ کالج لاہور میں پڑھاتے تھے۔ اس وقت بھی جب امرتسر جاتے، تو

علامہ آسی رحمتہ اللہ علیہ سے استفادہ کرتے تھے۔ ان کو عربی پڑھنے کا بہت زیادہ شوق تھا۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے علامہ آسی رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں یہ بات بھی بتائی کہ وہ چاہتے تھے کہ اپنے شاگردوں کو ہر چیز بتا دیں تاکہ وہ علم و فضل میں واقعتاً یگانہ ہو جائیں۔ وہ کوئی علمی بات چھپاتے نہیں تھے۔ ان کی خواہش ہوا کرتی تھی کہ ان کے شاگرد ہر لحاظ سے کامل ہو جائیں۔

کسی نے علامہ آسی رحمتہ اللہ علیہ سے کہا کہ آپ عربی کے اتنے بڑے عالم ہیں، آپ ساری عمر امرتسر میں کالج میں پڑھاتے رہے اگر آپ لاہور جیسے مرکز میں ہوتے تو بہت زیادہ شہرت حاصل کرتے۔ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ میں نے عربی اس مقصد کے لئے نہیں پڑھی تھی بلکہ قرآن مجید سمجھنے کے لئے پڑھی تھی۔ اس سے ان کی علوم دینیہ سے محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی طبیعت میں موجود قناعت پسندی کی صفت بھی نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ حکیم صاحب کے بڑے بھائی حکیم غلام قادر مرحوم نے ایک رسالہ علامہ آسی رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں مرتب کیا تھا جو ان کے ذخیرے میں (زیر شمارہ ۱۰۳۶) موجود ہے۔

ان حواشی کو ختم کرنے سے پہلے "مطب حیدری" کا حوالہ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل فہرست ذخیرہ کتب حکیم محمد موسیٰ امرتسری، جلد اول کے صفحات ۴۷۰ اور ۴۷۱ پر دیکھی جا سکتی ہے۔ "مطب حیدری" کی فوٹو کاپی ذخیرے میں شمارہ ۲۶۸۸ محفوظ ہے اس کے اندراج کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ اس پر دیئے گئے نوٹ میں علامہ آسی رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں ایک اہم اطلاع فراہم ہوتی ہے:

حیدر علی حکیم، مطب حیدری، ۵۰ ص، قلمی کی نقل (فوٹو کاپی)

یہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ اس کی دریافت اور حصول کے بارے میں حکیم صاحب نے نہایت اہم نوٹ کتاب کے سرورق پر تحریر کیا ہے اس کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

"حضرت مولانا حکیم حیدر علی بجنوری مرحوم و مغفور اسلامیہ ہائی سکول امرتسر میں مدرس تھے اور بڑے باکمال طبیب ہونے کے ساتھ ساتھ دولت نور بصیرت سے بھی مالا مال تھے۔ ۱۹۱۹ء میں نفاذ مارشل لاء سے قبل امرتسر کو "آفات کا شہر" قرار دیتے ہوئے آپ ملازمت چھوڑ کر وہاں سے ہجرت کر گئے۔ مارشل لاء کے عذاب کا طویل اور صبر آزما دور ختم ہوا، تو عقیدت مندوں کے بے حد اصرار پر واپس آ گئے۔ تھوڑی ہی مدت کے بعد یہ کہہ کر تشریف لے گئے کہ "اب یہاں امن نہیں رہے گا" حضرت مولانا حکیم حیدر علی اور حضرت مولانا حکیم محمد عالم آسی امرتسری رحمتہ اللہ علیہما ایک دوسرے کے بڑے گہرے دوست تھے۔ چنانچہ جاتی دفعہ اپنا ایک قلمی بیاض موسوم بہ "مطب حیدری" حضرت آسی رحمتہ اللہ کو دے گئے اور "مجربات قیسی" احقر کے والد ماجد جناب فخر الاطباء حکیم فقیر محمد چشتی نظامی امرتسری کو عطا فرما گئے۔ اس لئے کہ والدی ان کے اخص الخواص تلامذہ میں سے تھے۔ حضرت قبلہ آسی اعلی اللہ مقامہ (المتوفی ۱۹۴۴ء) کے وصال کے بعد ان کے بھائی جناب حکیم محبوب عالم مرحوم و مبروران کا ذاتی کتب خانہ اپنے گاؤں راگھو سیداں، تحصیل حافظ آباد لے گئے۔ اس طرح مطب حیدری محفوظ ہو گئی اور میرے بڑے بھائی جناب حکیم غلام قادر چشتی مرحوم (ملتان) نے اس نادر طبی شاہکار کو راگھو سیداں سے منگوا کر نقل کیا اور اس نقل کی فوٹو سٹیٹ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔"

سید جمیل احمد رضوی حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے ذخیرۂ کتب کے امین ہیں۔

پنجاب یونیورسٹی لاہور کی وسیع لائبریری کے چیف لائبریرین ہیں۔ حکیم صاحب کی کتابی مجالس میں گزشتہ گیارہ سال سے منسلک ہیں اور آپ کے ہی اعتماد اور ترغیب کی وجہ سے حکیم صاحب کا ذخیرۂ کتب پنجاب یونیورسٹی لاہور کی لائبریری میں منتقل ہوا اور حکیم صاحب کی زندگی میں پنجاب یونیورسٹی کا ''ذخیرۂ کتب حکیم محمد موسیٰ'' سجا۔ آپ کی محنت اور جانفشانی سے ذخیرۂ کتب حکیم محمد موسیٰ مخزونہ پنجاب یونیورسٹی چار جلدوں میں چھپ کر کتاب شناس اسکالرز تک پہنچا۔ سید جمیل احمد رضوی کے والد سید بشیر احمد رضوی، دلیل پور، کلانور اکبری، گورداسپور مشرقی پنجاب (ہندوستان) سے ہجرت کر کے فیصل آباد میں آباد ہوئے۔ سید جمیل احمد رضوی ۱۹۴۱ء میں دلیل پور میں پیدا ہوئے۔ ایم اے عربی، ایم اے (لائبریری سائنس) کر کے پنجاب یونیورسٹی میں ۱۹۶۳ء میں ملازم ہوئے۔ آپ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ اہل علم و فضل سے گہرا علمی رشتہ رکھتے ہیں اور حکیم محمد موسیٰ امرتسری سے عقیدت و نیازمندی کا رشتہ تادمِ آخر رہا اور آج بھی آپ کے ذخیرۂ کتب کو مرحوم کی معنوی اولاد جان کر حفاظت کر رہے ہیں۔ پتا: چیف لائبریرین پنجاب یونیورسٹی لائبریری، قائداعظم کیمپس، لاہور۔ فون: 5868853

مخدومی حکیم محمد موسیٰ امرتسری کا ایک تاریخی انٹرویو

رضا المصطفیٰ چشتی حکیم صاحب کے مجلسی تھے۔ انہوں نے مرکزی مجلس رضا کے ابتدائی دور میں ایک انٹرویو لیا جسے پندرہ روزہ 'الہام' بہاولپور نے شائع کیا تھا۔ آپ آج سے پچیس سال قبل کی باتیں سن کر خوش ہوں گے اور حکیم صاحب کی خدمات کا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکیں گے۔

آج سے پچیس سال قبل "مرکزی مجلس رضا" اپنے ابتدائی مراحل سے گزر رہی تھی۔ حکیم اہل سنت رحمتہ اللہ علیہ اپنے مٹھی بھر ساتھیوں سے مل کر بے سرو سامانی کے عالم میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے علمی مقامات اور افکار پر لٹریچر شائع کر کے ملک کے گوشے گوشے میں پھیلا رہے تھے۔ محمد رضا المصطفیٰ چشتی نظامی نے آپ سے ایک انٹرویو لیا جو ہفت روزہ الہام (اپریل ۱۹۷۵ء) بہاولپور میں چھپا۔ حکیم صاحب پر "جہان رضا" کا خصوصی نمبر چھپنے لگا تو "مرکزی مجلس رضا" کے پہلے صدر فضیلت الشیخ الحکیم محمد عارف صاحب ضیائی مدنی مدظلہ العالی نے اپنے ریکارڈ سے یہ تحریر مدینہ منورہ سے خصوصی طور پر ارسال کی۔ ہم یہ تاریخی انٹرویو جناب الشیخ الحکیم محمد عارف صاحب ضیائی (جو سابقہ بائیس سال سے مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہیں) کے شکریہ سے شائع کر رہے ہیں۔ (ایڈیٹر)

"مرکزی مجلس رضا" لاہور کے زیر اہتمام سالانہ جلسہ "یوم رضا" منعقدہ ۲ مارچ ۱۹۷۵ء بمطابق ۱۸ صفر ۱۳۹۵ھ بمقام جامعہ مسجد نوری بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور میں شرکت کا موقع ملا۔ اس اجلاس کی عظیم کامیابی سے متاثر ہو کر

اور مطبوعات "مرکزی مجلس رضا" کے مطالعہ کے بعد یہ خیال پیدا ہوا کہ اس ادارے کی تاریخ اور آئندہ کے عزائم معلوم کیے جائیں۔ چنانچہ اراکین مجلس کے مشیر اعلیٰ حضرت مخدومی الحاج حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی کے پاس چند سوالات لے کر حاضر ہوا۔ انہوں نے ازراہ کرم میرے سوالات کے جو جوابات دیئے، وہ اس قابل ہیں کہ عوام اہل سنت بالخصوص عشاق "امام احمد رضا" کو بھی ان سے مطلع کیا جائے۔

س: مجلس رضا کب اور کس نے قائم کی؟

ج: میرے مشورے سے الحاج محمد عارف رضوی ضیائی صاحب نے چند مخلص احباب کے تعاون سے ۱۹۶۸ء میں اپنے مکان واقع روشن سٹریٹ، نیا مزنگ، لاہور میں قائم کی اور وہی مجلس کے پہلے صدر مقرر ہوئے اور اس سلسلے میں انہوں نے انتھک محنت سے کام لیا، مگر دو سال بعد ذاتی مصروفیات کے باعث ۱۹۷۰ء میں مجلس کی صدارت سے علیحدہ ہوگئے لیکن ان کی تمام تر دلی ہمدردیاں آج بھی مجلس کے ساتھ ہیں اور "مرکزی مجلس رضا" کے صحیح بانی وہی ہیں۔

س: مجلس رضا کے قیام کے مقاصد پر روشنی ڈالئے۔

ج: امام اہل سنت اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ اس پایہ کے عالم دین ہیں کہ گزشتہ دو سو سال میں ان کے مرتبہ اور مقام کا فقیہ اور متنوع علوم و فنون پر حاوی کوئی اور شخصیت نظر نہیں آتی اور جو شخص بھی ان کی کتابوں کا بنظر عمیق مطالعہ کرے گا اسے میری اس رائے سے لازماً متفق ہونا پڑے گا مگر افسوس کا مقام یہ ہے کہ اس رجل عظیم کے بارے میں اپنوں نے تو کچھ بھی کام نہ کیا اور جو کیا وہ جدید تقاضوں کو پورا نہیں کرتا مگر دوسری طرف مخالفین اہل سنت نے اس عظیم و جلیل شخصیت کے بارے میں کذب بیانی اور دروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے عوام و خواص کے اذہان میں اعلیٰ حضرت کے

خلاف پراپیگنڈا کر کے غلط تاثرات پیدا کر دیئے تھے۔ اندریں حالات "مرکزی مجلس رضا" کے قیام کی شدید ضرورت محسوس کی گئی اور اس نے سیاست سے علیحدہ رہ کر اعلیٰ حضرت عظیم المرتبت کے صحیح علمی منصب اور علو مرتبت نیز ان کی ناقابل فراموش دینی و ملی خدمات سے عامتہ الناس کو روشناس کرانے کا بیڑا اٹھایا۔

س: الحاج محمد عارف قادری ضیائی کی علیحدگی کے بعد پھر یہ کام کس کے سپرد ہوا؟

ج: جناب ضیائی صاحب کے بعد ڈاکٹر اختر حسین صاحب صدر جناب میاں محمد شفیع رضوی نائب صدر جناب ظہور الدین خان صاحب سیکرٹری اور جناب محمد مقبول احمد قادری ضیائی خازن مقرر ہوئے اور موخر الذکر دونوں حضرات کی خدمات بہت زیادہ ہیں اور حق یہ ہے کہ ان ہی کی وجہ سے "مجلس رضا" روز افزوں شاہراہ ترقی پر گامزن ہے۔ حضرت الحاج صاحبزادہ سید محمد حسن شاہ صاحب گیلانی نوری ضیائی مدظلہ العالی اس مجلس کے سرپرست ہیں۔

س: "مرکزی مجلس رضا" کا دفتر نوری مسجد سے ملحقہ عمارت میں کب منتقل ہوا؟

ج: الحاج محمد عارف رضوی ضیائی کے استعفیٰ کے بعد۔

س: "مرکزی مجلس رضا" نے آج تک کون کون سی کتابیں شائع کی ہیں؟

ج: جو کتب و رسائل مجلس رضا کی طرف سے طبع ہو کر اطراف و اکناف عالم میں مقبول خاص و عام ہو چکے ہیں، ان کے نام یہ ہیں:

(۱) تجلی المشکوۃ از اعلیٰ حضرت قدس سرہ (۵ ہزار) (۲) اعلیٰ حضرت بریلوی کا فقہی مقام از مولانا اختر شاہجہانپوری (۱ ہزار) (۳) فاضل بریلوی اور ترک موالات از ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد (ایم۔ اے، پی۔ ایچ ڈی) (۳ ہزار) (۴) پیغامات یوم

رضا از محمد مقبول احمد قادری رضوی ضیائی (۱ ہزار) (۵) مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری از ملک شیر محمد خاں اعوان (۳ ہزار) (۶) سوانح سراج الفقہاء از مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری (۱ ہزار) (۷) فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں، از ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد ایم۔ اے، پی ایچ ڈی (۴ ہزار) (۸) فاضل بریلوی کا فقہی مقام از مولانا غلام رسول سعیدی (۲ ہزار) (۹) المجمل المعدد والتالیفات المجدد از علامہ ظفرالدین بہاری رحمہ اللہ تعالیٰ (۱ ہزار) (۱۰) محاسن کنزالایمان از ملک شیر محمد خان اعوان (۱۰ ہزار) (۱۱) اعلیٰ حضرت کی شاعری پر ایک نظر از سید نور محمد قادری (ایک ہزار)

یہ کتابیں پاک و ہند کے علاوہ دنیا کے اکثر ممالک کے اہل علم و فضل و کمال کے پاس پہنچ چکی ہیں۔ جن ممالک میں مجلس کی مطبوعات جا چکی ہیں، ان کے نام یہ ہیں: حجاز مقدس، مصر، کویت، شارجہ، ترکی، تھائی لینڈ، امریکہ، برطانیہ، کینیڈا، ایران، افغانستان، مسقط، ماریشس وغیرہ۔ آپ نے جلسہ یوم رضا پر حضرت مولانا شاہ محمد عارف اللہ قادری سے سنا ہو گا کہ انہوں نے برطانیہ کے حالیہ دورہ کے دوران مجلس رضا کی تصانیف وہاں کے اکثر اہل علم کے ہاتھوں میں دیکھیں۔ ان تصانیف میں سے بعض متعدد مرتبہ طبع ہوئی ہیں۔

س: جلسہ "یوم رضا" کے انعقاد کے بارے میں بھی کچھ ارشاد کیجئے؟

ج: "مرکزی مجلس رضا" نہ صرف خود "یوم رضا" کو نہایت تزک و احتشام سے مناتی ہے بلکہ ہر قصبہ اور ہر شہر کے عوام سے بذریعہ اخبارات یہ اپیل بھی کرتی رہی ہے کہ وہ ہر سال اعلیٰ حضرت کی یاد میں یہ نورانی مجلس منعقد کیا کریں۔ چنانچہ اس کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا اور الحمدللہ کہ اب پورے ملک میں یوم رضا کی تقاریب انعقاد پذیر ہونے لگی ہیں اور بیرونی ممالک ماریشس (افریقہ) اور انگلستان وغیرہ میں بھی اس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

س: مجلس رضا کے آئندہ کے عزائم کے متعلق بھی آپ اظہار خیال مناسب سمجھیں گے؟

ج: مجلس کی طرف سے اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز پر متعدد کئی تصانیف وقتاً فوقتاً منصہ شہود پر جلوہ گر ہوتی رہیں گی اور سابقہ مطبوعات کی طباعت و اشاعت بھی پروگرام میں شامل ہے۔

س: جبکہ "مرکزی مجلس رضا" ایسی قیمتی اور دیدہ زیب کتابیں طبع کرا کر بلا قیمت تقسیم کرتی ہے تو ان کے مصارف کے انتظام کی کیا صورت ہے؟

ج: مجلس رضا کا کام صرف اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر چل رہا ہے۔

س: مصارف کے انتظام کی کیا صورت ہے؟

ج: جب کوئی کتاب چھاپنے کا پروگرام بنتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طباعت کے اسباب بھی خود ہی پیدا فرما دیتا ہے۔ دوست احباب سے حسب ضرورت مطالبہ کر لیا جاتا ہے اور یہ خدمت تقریباً جناب مقبول احمد قادری ضیائی صاحب کے سپرد ہے۔ موصوف خود ہی احباب سے مطالبہ کرتے ہیں اور ان کے اخلاص کا ہاتھ کبھی خالی رہا ہی نہیں اور وہ اپنی گرہ سے بھی بہت کچھ صرف کرتے رہتے ہیں جزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

س: مجلس رضا کی کئی سال کی کوششوں کے نتائج پر بھی روشنی ڈالئے؟

ج: کار خیر ہمیشہ نتائج سے بے پروا ہو کر کرنا چاہیے۔ چنانچہ مجلس کا کام اسی اصول کے تحت ہو رہا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو رائیگاں نہیں کرتا لہٰذا غایت درجہ مفید نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ تحدیث نعمت کے طور پر چند مثالیں عرض ہیں۔ آج سے آٹھ سال قبل تک اخبارات میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا نام لکھا جانا بھی محال تھا۔ اب آپ دیکھتے ہیں کہ ہر سال اخبارات میں آپ سے متعلق بکثرت مضامین شائع ہوتے ہیں۔ اردو "دائرۃ المعارف پنجاب یونیورسٹی"

میں اعلیٰ حضرت پر "رضا بریلوی" کے عنوان کے تحت پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب کا ایک تحقیقی مقالہ چھپ چکا ہے اور اکثر غیر جانب دار محققین اس عظیم شخصیت کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں۔ ریڈیو ٹیلی ویژن پر بھی آپ پر تقاریر ہونے لگی ہیں۔

اعلیٰ حضرت پر ایم۔ اے کے مقالے لکھے جا چکے ہیں اور ایک صاحب ان پر پی۔ ایچ۔ ڈی بھی کر رہے ہیں۔ ملک کے مشہور مورخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے اپنی انگریزی تالیف "علماء ان پالیٹکس میں تحریک ترک موالات میں اعلیٰ حضرت کے اہم کردار کا ذکر" مرکزی مجلس رضا کی شائع کردہ کتاب "فاضل بریلوی اور ترک موالات" کے حوالے سے کیا ہے۔ یکم اپریل ۱۹۷۵ء کے اردو ڈائجسٹ لاہور میں جناب مقبول جہانگیر کا اعلیٰ حضرت پر ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ اردو ڈائجسٹ ایسے پرچے سے قبل ازیں یہ توقع عبث تھی۔ ۱۹۷۴ء کے عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر مرکزی مجلس رضا کے معاون علمی جناب حفیظ تائب صاحب نے اعلیٰ حضرت کی نعت گوئی پر نہایت پر مغز تقریر کی اور امسال ۲۵ صفر ۱۳۹۵ھ کو کراچی ٹیلی ویژن سے جناب حسن مثنیٰ ندوی نے فاضلانہ تقریر کی جو سب اسٹیشنوں سے ٹیلی کاسٹ ہوئی۔ ازیں علاوہ مجلس بیرونی ممالک کے علماء کو اعلیٰ حضرت کی خدمات جلیلہ سے متعارف کرانے کی مساعی کر رہی ہے۔ "مرکزی مجلس رضا" لاہور کی موثر خدمات کے مفید نتائج سے مخالفین اہل سنت حواس باختہ ہو گئے ہیں۔ چنانچہ "ہفت روزہ اہل حدیث" لاہور نے ۲۱ مارچ کے شمارے میں رونا رویا ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا چرچا کیوں ہو رہا ہے اور خاص طور پر یہ شکایت کی ہے کہ ان کے ریڈیو پر کیوں پروگرام نشر ہوتے ہیں۔

س: کسی کام کی اہمیت کا اندازہ اس کی مخالفت سے ہوتا ہے۔ آپ بتا سکتے

ہیں کہ اپنوں یا بیگانوں میں مجلس رضا کی مخالفت کی کیا نوعیت ہے؟

ج: اپنوں میں سے چند حاسدوں یا شہرت کے بھوکوں کے سوا جملہ اہل سنت کارکنان مرکزی مجلس رضا کے لیے دعا گو ہیں اور بیگانوں کی مخالفت ظاہر و باہر ہے۔ چنانچہ بعض وہ لوگ جو اہل سنت کو تنگ نظری کا طعنہ دیتے نہیں تھکتے۔ احقر (حکیم محمد موسیٰ امرتسری) سے صرف اس لیے ناراض ہو گئے ہیں کہ میرا مرکزی مجلس رضا سے تعلق کیوں ہے۔ مثلاً مشہور خطاط نفیس رقم صاحب کو جب علم ہوا کہ مرکزی مجلس رضا کے ساتھ احقر کا کچھ تعلق ہے تو وہ انقطاع تعلقات پر مجبور ہو گئے۔ اس موقع پر جناب نفیس کی وسعت قلبی کا ایک اور واقعہ بتانا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ "مکتبہ نبویہ لاہور" والوں نے انہیں "فتاویٰ رضویہ" کا ٹائٹل لکھنے کو بھیجا اور انہوں نے اس کی کتابت سے انکار کر دیا۔ یعنی وہ اپنے قلم سے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کا نام خاص و اسم گرامی لکھنا نہیں چاہتے تھے۔ یہ بات ایک دوسرے خطاط صوفی منش تک پہنچی تو انہوں نے اسے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمتہ کی کرامت قرار دیا۔ یعنی اعلیٰ حضرت نے اپنا نام اپنے مخالف سے لکھوانا پسند نہیں کیا اور خود اپنے قلم سے خوبصورت ٹائٹل لکھا جو فن خطاطی میں ایک بے مثال نمونہ بن گیا۔ کراچی کے ایک اور رند دیوبندی نے کھل کر کہہ دیا کہ ہم تو آپ کے اعلیٰ حضرت کو دفن کر چکے تھے مگر آپ نے پھر زندہ کر دیا ہے۔ لہٰذا اب ہمیں مزید پچاس سال رات دن کام کرنا پڑے گا۔ اس پر احقر نے کہا "گویا آپ کو مزید پچاس سال کذب و افترا کا وظیفہ پڑھنا پڑے گا اس پر وہ خاموش ہو گیا۔ میں ان لوگوں کی اس روش سے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مرکزی مجلس رضا نے معقولیت کے ساتھ جو کام کیا ہے اس سے یہ بوکھلا گئے ہیں اور مجلس کے کام کے موثر ہونے کی یہ بین دلیل ہے۔

س: آپ اس موقع پر کوئی ایسی بات بتانا پسند فرمائیں گے جس سے یہ معلوم

ہو سکے کہ اعلیٰ حضرت کے مخالفین کس کس قسم کے کذب و افترا سے کام لیتے ہیں؟

ج: چند سال کی بات ہے کہ نقشبندیہ سلسلہ کی ایک خانقاہ کے ایک ایسے منتظم جو دیوبندی مذہب اختیار کر چکے ہیں اور اپنے اسلاف کو بھی دیوبندی ثابت کرنے میں کوشاں نظر آتے ہیں۔ وہ لاہور آئے تو پروفیسر محمد اقبال مجددی صاحب انہیں اس غرض سے ملنے گئے کہ مجدد الف ثانی قدس سرہ کے بارے میں اگر ان کے ہاں کوئی لٹریچر ہو تو اسے ان کے پاس جا کر دیکھا جائے۔ دوران گفتگو پیر صاحب نے تکلف برطرف یہ کہہ دیا کہ مولوی احمد رضا خاں بریلوی نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی تکفیر و تکذیب کی تھی اور پھر مخالفت کے خوف سے اس نے واپس لے لیا تھا۔ محمد اقبال صاحب مجددی نے مجھے یہ بات سنائی تو میں نے انہیں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمتہ کی حسب ذیل تحریر دکھائی جس میں ان لوگوں کی ایسی بہتان تراشیوں کا ذکر کیا ہے۔ وھوھذا۔ "عوام مسلمین کو بھڑکانے اور دن دہاڑے ان پر اندھیری ڈالنے کو یہ چال چلتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علمائے اہل سنت کے فتویٰ تکفیر کا کیا اعتبار، یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر کافر کہہ دیتے ہیں۔ ان کی مشین میں ہمیشہ کفر ہی کے فتوے چھپا کرتے ہیں۔ اسماعیل دہلوی کو کافر کہہ دیا۔ مولوی اسحٰق صاحب کو کہہ دیا۔ مولوی عبدالحئی صاحب کو کہہ دیا، پھر جن کی حیا اور بڑھی ہوئی ہے وہ اتنا اور ملاتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کو کہہ دیا، شاہ ولی اللہ صاحب کو کہہ دیا، حاجی امداد اللہ صاحب کو کہہ دیا، مولانا فضل الرحمٰن صاحب کو کہہ دیا، پھر جو پورے ہی حد حیا سے اونچے گزر گئے، وہ یہاں تک بڑھتے ہیں کہ معاذ اللہ! عیاذ باللہ!! حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کو کہہ دیا۔ غرض جیسے جس کا زیادہ معتقد پایا اس کے سامنے اسی کا نام لے دیا کہ انہوں نے اسے کافر کہہ دیا۔ یہاں

تک کہ ان کے بعض بزرگواروں نے مولانا مولوی شاہ محمد حسین صاحب الٰہ آبادی مرحوم و مغفور سے جاکر جڑ دی کہ معاذ اللہ معاذ اللہ حضرت سیدنا شیخ اکبر محی الدین بن عربی قدس سرہ کو کافر کہہ دیا۔ مولانا کو اللہ تعالیٰ جنت عالیہ عطا فرمائے۔ انہوں نے آیتہ کریمہ ان جاء کم فاسق بنبا فتبینوا پر عمل فرمایا۔ خط لکھ کر دریافت کیا، جس پر یہاں سے رسالہ "انجا البری عن وسواس المفتری" لکھ کر ارسال ہوا اور مولانا نے مفتری، کذاب پر لاحول شریف کا تحفہ بھیجا۔ غرض ہمیشہ ایسے ہی افترا اٹھایا کرتے ہیں"۔ (تمہید ایمان، بآیات قرآن، ص۶۹-۶۸)

س: آپ مرکزی مجلس رضا کے کس عہدے پر فائز ہیں؟

ج: میں مجلس کا رکن بھی نہیں، عہدے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں اراکین مجلس مجھ سے حسنِ ظن رکھنے کی وجہ سے میرے مشوروں کو قبول کرتے ہیں اور میں ایک سنی ہونے کی حیثیت سے حتی المقدور ان سے تعاون کرتا ہوں۔

س: میں نے مجلس رضا کی مطبوعات میں آپ کو مجلس کا روح رواں لکھا دیکھا ہے۔

ج: یہ سوال لکھنے والوں سے کیجئے۔ مجھ جیسا کمزور اور بے روح انسان ایسے عظیم ادارے کی روح کیسے ہو سکتا ہے؟

س: کیا مجلس رضا کا کسی سیاسی جماعت سے تعلق ہے؟

ج: جہاں تک مجھے معلوم ہے مجلس کا کوئی ذمہ دار شخص کسی سیاسی جماعت سے متعلق نہیں ہے اور علمی اداروں کے اراکین کو سیاست سے کنارہ کش رہنا ضروری بھی ہے۔ سیاست میں الجھنے والے کبھی علمی کام نہیں کر سکتے۔

س: "مرکزی مجلس رضا" کی کوئی شاخ قائم ہوئی ہے؟

ج : گوجرانوالہ میں مجلس رضا کے نام سے ایک ادارہ قائم ہوا ہے جس کا الحاق "مرکزی مجلس رضا" سے ہے۔ یہ لوگ "مرکزی مجلس رضا" کی اعانت کرتے ہیں۔ اس ادارہ کے صدر علامہ محمد فرید رضوی ہیں۔ حال ہی میں ایک شاخ انگلستان میں بھی قائم ہوئی ہے۔ جناب الحاج محمد الیاس صاحب سٹاک پورٹ کی مساعی جمیلہ سے یہ ادارہ معرض وجود میں آیا ہے۔ انگلستان کی یہ شاخ "مرکزی مجلس رضا" لاہور کی مطبوعات کے انگریزی تراجم شائع کرے گی۔ چنانچہ انہوں نے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ایم اے، پی ایچ ڈی کی مقبول ترین تالیف "فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں" کا انگریزی ترجمہ شروع کرا دیا ہے جو بہت جلد مانچسٹر سے طبع ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ العزیز۔ اور وہ لوگ مانچسٹر میں باقاعدگی سے یوم رضا منایا کریں گے۔ اس کے علاوہ بعض احباب جن کا تعلق بمبئی مالی گاؤں (انڈیا) سے ہے مجلس کی مطبوعات کا ترجمہ گجراتی زبان میں عنقریب شائع کروائیں گے۔ ان شاء اللہ گجراتی کا یہ کام مولانا نیاز احمد مصطفوی اور مولانا محمد میاں صاحب کریں گے۔

س : آپ "مرکزی مجلس رضا" کے ذمہ دار حضرات کا اگر مختصر تعارف کرا دیں تو بہتر ہو گا؟

ج : "مرکزی مجلس رضا" کے بانی اور سابق صدر جناب الحاج پیر محمد عارف رضوی ضیائی لاہور کی ارائیں برادری کے ایک جواں سال چشم و چراغ ہیں۔ زمیندار ہیں اور ضیاء الملت والدین حضرت مولانا ضیاء الدین احمد قادری رضوی مہاجر مدنی مدظلہ العالی خلیفہ مجاز اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ سے بیعت ہیں اور حضرت مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن قادری رضوی مدظلہ سے اجازت یافتہ بھی ہیں۔ سرپرست جناب الحاج صاجزادہ پیر طریقت سید محمد معصوم شاہ قادری نوری رحمتہ اللہ علیہ زمیندار ہیں۔ تاجر ہیں، پیر ہیں۔ شاہ صاحب

موصوف ضیاء الملت والدین حضرت احمد قادری مدنی سے بھی فیض یافتہ ہیں۔
صدر محترم الحاج اختر حسین صاحب حضرت سید محمد معصوم شاہ قادری کے مرید رشید ہیں اور پنجاب ہوٹل کے مالک ہیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نہایت نیک، مخلص اور متدین انسان ہیں۔ نائب صدر میاں محمد شفیع رضوی صاحب حضرت علامہ ابوالحسنات قادری رحمتہ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ اور مقبول عام پریس لاہور اور ہجویری پبلشرز کے مالک ہیں۔ سیکرٹری جناب ظہور الدین خاں صاحب کسی دفتر میں ملازم ہیں اور اعلیٰ حضرت کی تعلیمات کے شیدائی ہیں۔ انہوں نے مجلس کے لیے اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے۔ خازن جناب الحاج مقبول احمد قادری رضوی ضیائی مدظلہ العالی بہترین پاٹن میکر اور حضرت ضیاء الملت و الدین مولانا ضیاء الدین احمد قادری مدنی مدظلہ العالی کے مرید صادق ہیں۔
اراکین مجلس رضا پر حضرت ضیاء الملت والدین مدنی مدظلہ العالی کی خاص الخاص نگاہ کرم ہے۔ گویا اس مجلس کی حقیقی روح حضرت موصوف کا فیضانِ نظر ہے۔
اس موقعہ پر مولانا عبدالحکیم اختر شاہجہان پوری، مولانا الحاج باغ علی نسیم، پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی ایم۔ اے، جناب بشیر حسین ناظم ایم۔ اے، جناب ابوالطاہر فدا حسین مدیر "مہرو ماہ" لاہور، جناب محمد عالم مختار حق صاحب اور مورخ لاہور جناب میاں محمد الدین کلیم کا ذکر نہایت ضروری ہے۔ یہ حضرات "مرکزی مجلس رضا" کے یوم تاسیس سے ہی خصوصی معاونت فرما رہے ہیں۔ تقریباً عرصہ ۴ سال سے فاضل جلیل مولانا عبدالحکیم شرف قادری اور مولانا الحاج محمد منشاء تابش قصوری چشتی سیالوی مخلصانہ تعاون فرما رہے ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب ایم۔ اے، پی ایچ ڈی پرنسپل گورنمنٹ کالج (سندھ) کی کرم فرمائیوں کا تو شکریہ ادا کرنا مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر سے نوازے۔ آمین۔

س: آپ نے کبھی سیاست میں حصہ لیا ہے؟

ج: تحریک پاکستان کے دنوں میں مشائخ کرام بالخصوص مرشدی شیخ المشائخ حضرت میاں علی محمد خاں سجادہ نشین بسی شریف رحمتہ اللہ علیہ کے ارشاد کے مطابق مسلم لیگ میں کام کیا مگر تشکیل پاکستان کے بعد کسی سیاسی جماعت سے کوئی تعلق نہیں رہا اور اب گوشہ تنہائی کی تلاش ہے۔

س: میں آپ کا شکرگزار ہوں کہ آپ نے اپنا قیمتی وقت ضائع کر کے مرکزی مجلس رضا کے بارے میں نہایت قیمتی معلومات بہم پہنچائیں اور اب میں آپ سے کچھ مزید استفسارات کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ یہ کہ فیض الاسلام راولپنڈی اور دیگر جرائد میں آپ نے بعض ایسے علماء پر مضامین لکھے ہیں جو اہل سنت کے مخالفین میں شمار ہوتے ہیں؟

ج: آپ نے مجھ سے بڑی اہم بات پوچھی۔ میں یہ جواب دے کر آپ کو مطمئن کر سکتا ہوں کہ میں نے وہ سب مضامین ایک مورخ کی حیثیت سے لکھے ہیں لیکن میں تاویلات اور ہیر پھیر کی گفتگو کا عادی نہیں۔ لہٰذا واضح طور پر کہتا ہوں کہ ایسی سب تحریریں میرے "دور جاہلیت" کی یادیں ہیں جنہیں میں مسترد کرتا ہوں۔

محترم چشتی صاحب میں نے آپ نے استفسارات کے جوابات اپنے علم کے مطابق دے دیئے ہیں۔ اب میری معروضات بھی سنئے۔ "مرکزی مجلس رضا" اہل سنت کے ایک اہم ادارے کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ اس کے سرپرست سید محمد حسن شاہ صاحب قبلہ اور دیگر ذمہ دار حضرات کو اس مجلس کو وسعت دینے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جناب الحاج محمد عارف ضیائی صاحب کو مجبور کر کے پھر مجلس میں لانا چاہیے اور خدمت مشورہ حضرت مولانا محمد عبدالحکیم خاں اختر شاہجہان پوری مدظلہ العالی کے سپرد ہونی چاہیے۔ اس لیے کہ موصوف ذی علم

ہونے کے ساتھ ساتھ راسخ العقیدہ انسان ہیں اور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلک کے صحیح ترجمان ہیں۔ حضرت اختر صاحب اعلیٰ حضرت پر ایک ضخیم کتاب بنام معارف رضا بھی لکھ رہے ہیں جو بلاشبہ اس موضوع کا انسائیکلوپیڈیا ہوگی۔

فاتخذت من دونهم حجابا فارسلنا اليها روحنا فتمثل لها بشرا سويا
قالت اني اعوذ بالرحمن منك ان كنت تقيا قال انما انا رسول ربك لا
هب لك غلاما زكيا قالت انى يكون لي غلام ولم يمسسني
بشر ولم اك بغيا قال كذلك قال ربك هو علي هين و
لنجعله آية للناس ورحمة منا وكان امرا مقضيا فحملته فانتبذت به مكانا
قصيا فاجاءها المخاض الى جذع النخلة قالت يا ليتني مت قبل هذا وكنت نسيا منسيا

گلہائے رنگا رنگ

تاریخ و تذکرہ کے منفرد قلم کار محمد صادق قصوری اپنے باکمال محسن کی باتوں کے موتی چن چن کر لائے ہیں۔

گل ہر رنگ را چیدم بہ پیشت بستہ آوردم!

استاذی حکیم ملت حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری ثم لاہوری قدس سرہ (۱۹۲۷ء - ۱۹۹۹ء) کی وفات حسرت آیات پر ملک بھر کے علماء و مشائخ اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے وابستہ حضرات نے "ختم قل شریف" (۱۹ نومبر ۱۹۹۹ء بروز جمعۃ المبارک) اور "ختم چہلم شریف" (۲۱ جنوری ۲۰۰۰ء بروز جمعۃ المبارک) جامع مسجد داتا گنج بخش لاہور میں تشریف لا کر خراج تحسین پیش کیا۔ جو حضرات تشریف نہ لا سکے انہوں نے تعزیتی خطوط یا اخباری بیانات کے ذریعے اپنے احساسات، جذبات اور تاثرات کا اظہار کر کے "اعتراف عظمت" کیا۔ خلاصہ درج ذیل ہے :

۱ - امانت و دیانت اور تقویٰ و طہارت میں ایک مثالی درجہ رکھتے تھے۔ (مجاہد ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی)

۲ - ان کی ذات گرامی قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی سچی تصویر تھی۔ (صاحبزادہ محمد مطلوب الرسول للہی)

۳ - بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ (فخرالمشائخ میاں جمیل احمد شرقپوری)

۴ - ان کی رحلت اہلسنّت کا عظیم نقصان ہے۔ (ڈاکٹر محمد سرفراز احمد نعیمی، لاہور)

۵ - فیض یافتگان داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ میں سے ایک منفرد شخصیت تھے۔
(صاحبزادہ سلیم حماد، سجادہ نشین حضرت داتا گنج بخش، لاہور)

۶ - ان عظیم شخصیات میں سے تھے جن کے لئے موت کا لفظ استعمال کرنا زبان پر گراں گزرتا ہے۔ (مولانا علی احمد سندیلوی، لاہور)

۷ - " فکر رضا " کے فروغ کے لئے بے لوث کام ان کا منفرد کارنامہ ہے۔ (پیر طریقت میاں محمد حنفی سیفی)

۸ - ان کا وجود مسعود ہمارے لئے سرچشمہ علم و دانش تھا۔ (پیر محمد اجمل چشتی، چشتیاں شریف)

۹ - " افکار رضا " کی اشاعت کے لئے باقاعدہ اور منظم کوششیں کیں۔ (سید حامد سعید کاظمی، ملتان)

۱۰ - میرے بزرگ تھے، عمر کے لحاظ سے بھی اور علم و فضل کے لحاظ سے بھی۔ (صاحبزادہ محمد سعد سراجی، موسیٰ زئی شریف)

۱۱ - اندر بھی زمیں کے ہو روشنی ☆ مٹی میں چراغ رکھ دیا ہے
(سید محمد فاروق القادری)

۱۲ - شب و روز تسبیح و تہلیل اور درود و سلام کے اوراد میں گزرتے تھے۔ (حکیم سید امین الدین احمد، لاہور)

۱۳ - عالم اسلام کا عظیم سرمایہ تھے۔ (پیر علی اصغر چشتی، لاہور)

۱۴ - نامور ادیب اور صاحب قلم انسان تھے۔ (مولانا محمد سعید احمد مجددی، گوجرانوالہ)

۱۵ - چلتی پھرتی تاریخ تھے۔ (صاحبزادہ محب اللہ نوری، بصیرپور شریف)

۱۶ - ایسی شخصیات صدیوں میں پیدا ہوتی ہے۔ (صوفی غلام سرور نقشبندی، لاہور)

۱۷ - مرد جلیل اور درویش بے گلیم تھے۔ (پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، لاہور)

۱۸ - ان کا وصال امت مسلمہ کا ناقابل تلافی نقصان ہے۔ (جسٹس میاں نذیر اختر، جج لاہور ہائیکورٹ)

۱۹ - وہ ایک بین الاقوامی سرمایہ تھے۔ (جسٹس ڈاکٹر محمد منیر مغل، جج لاہور ہائیکورٹ)

۲۰ - درویش اور ولئی کامل تھے۔ (بشیر حسین ناظم، وزارت مذہبی امور، اسلام آباد)

۲۱ - ایسے سپوت روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ (سید محمد حسن شاہ گیلانی، گجرات)

۲۲ - ایک منارۂ نور کی حیثیت رکھتے تھے۔ (میاں محمد محبوب الٰہی، چونیاں)

۲۳ - رواداری کے پیکر عظیم تھے۔ (میاں نعیم انور چشتی، لاہور)

۲۴ - سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ (میاں خالد حبیب الٰہی ایڈووکیٹ لاہور)

۲۵ - جو کچھ مطب سے کمایا مسلک پر لگایا۔ (ڈاکٹر ضیاء الحق، میو ہسپتال لاہور)

۲٦ - امت مسلمہ کے لئے ان کی وفات بہت بڑا سانحہ ہے۔ (پروفیسر محمد سلیم، شاہدرہ لاہور)

۲۷ - ہر سنی کی آنکھ اشکبار ہے۔ (سردار محمد خان لغاری، جے یو پی)

۲۸ - ایک بلند پایہ مصنف اور محقق دوراں تھے۔ (میاں غلام شبیر قادری، سیکرٹری جے یو پی، پنجاب لاہور)

۲۹ - تازیست عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شمع فروزاں رکھی۔ (صاحبزادہ رب نواز درانی' لاہور)

۳۰ - ان کے جلائے ہوئے چراغ ان شاء اللہ قیامت تک روشن رہیں گے۔ (مولانا محمد علیم الدین' جہلم)

۳۱ - ایسے لوگ مرتے کب ہیں ؟ جنہوں نے گلی گلی' نگر نگر دیئے جلا دیئے ہوں۔ (ریاض احمد مفتی' گجرات)

۳۲ - پورا عالم اسلام گوہر گراں مایہ سے محروم ہو گیا۔ (سید ریاض الحسن گیلانی' ایڈووکیٹ لاہور)

۳۳ - اس دور خرابات میں مرد حر تھے۔ (برکات احمد نیاز سیالوی' سپرنٹنڈنٹ خاک خانہ جات لاہور)

۳۴ - ایسی شخصیتوں کا خلا صدیوں بعد پر ہوتا ہے۔ (سید مسعود الحسن گیلانی' ہمدانی' لاہور)

۳۵ - معلومات کا انسائیکلوپیڈیا تھے۔ (ڈاکٹر انجم رحمانی' ڈائریکٹر عجائب گھر' لاہور)

۳۶ - صوفیانہ اور عالمانہ مزاج رکھتے تھے۔ (محمد اکرام چغتائی' ڈائریکٹر اردو سائنس بورڈ' لاہور)

۳۷ - عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نشتر سے بدعقیدگی کے ناسور کو اکھاڑ کر ملت کا شافی و صافی علاج فرمایا۔ (محمد اکرم ربانی' نیشنل بینک آف پاکستان' لاہور)

۳۸ - باب تحقیق بند ہو گیا۔ (حافظ زاہد رازی' لاہور)

۳۹ - علم و تحقیق اور حکمت کے متلاشی یتیم ہو گئے۔ (حافظ محمد شاہد اقبال' لاہور)

۴۰ - نامور محقق، مدقق اور صحیح معنوں میں عاشق رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تھے۔ (پروفیسر غلام سرور رانا، لاہور۔)

۴۱ - سراپا خلوص و محبت، مجسم مہر و وفا، مدبر و مفکر اور محسن ملت تھے۔ (پروفیسر ضیاء المصطفیٰ قصوری، لاہور)

۴۲ - اے مستور الحال درویش ! تجھے زمانہ روئے گا برسوں۔ (ڈاکٹر ایم ایس ناز، بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد)

۴۳ - بے لوثی کا ہر روزن اور اخلاص کا ہر باب بند ہو گیا۔ (راجا رشید محمود، مدیر "نعت" لاہور)

۴۴ - ایک ہمہ جہت شخصیت اور فرد واحد کی بجائے انجمن تھے۔ (اسلم کاشمیری، لاہور)

۴۵ - بہت بڑے محقق، نہایت ملنسار اور سچے مسلمان تھے۔ (سید سبط الحسن ضیغم، لاہور)

۴۶ - نہایت شفیق مہربان دوست تھے۔ (ڈاکٹر قریشی احمد حسین قلعہ داری، گجرات)

۴۷ - ان کا طرز عمل ایک عالم سے زیادہ ایک صوفی کا تھا۔ (ڈاکٹر مختار الدین آرزو، علی گڑھ، بھارت)

۴۸ - کسی زندہ قوم میں ہوتے تو اس نابغہ علم و ادب کی قدر ہوتی۔ (خلیل احمد رانا، جہانیاں منڈی)

۴۹ - ان کا مطب ایک دانش کدہ تھا۔ (مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی، کراچی)

۵۰ - ایک شخصیت نہ تھے بلکہ ایک تحریک تھے۔ (راجہ محمد طاہر رضوی ایڈووکیٹ، جہلم)

۵۱ - بلامبالغہ علمی و تحقیقی دنیا کی بہار تھے۔ (صاحبزادہ واحد رضوی اٹک)

۵۲ - اہلسنت ایک عبقری رہنما اور مخلص انسان سے محروم ہو گئے۔ (عبدالوہاب قادری، سوات)

۵۳ - علم و حکمت، فہم و دانائی ان کا اوڑھنا بچھونا تھی۔ (محمد عطا الرحمٰن قاری، ٹھوکر نیاز بیگ، لاہور)

۵۴ - درویش، متواضع اور عالم فاضل انسان تھے۔ (محمد ریاض حسین رحمانی بابا، رینالہ خورد، اوکاڑہ)

۵۵ - وہ ایسا گھنا اور سایہ دار درخت تھے جس پر کوئی کانٹا نہیں تھا۔ (محمد نذیر رانجھا، راولپنڈی)

۵۶ - علمائے بدایوں اور بریلی کے مکتبہ فکر کے ترجمان تھے۔ (پروفیسر محمد اقبال مجددی، لاہور)

۵۷ - ان کی علم دوستی اور معارف پروری معروف ہے۔ (سید جمیل احمد رضوی، چیف لائبریرین پنجاب یونیورسٹی، لاہور)

۵۸ - ہر کسی سے نہایت اخلاق کے ساتھ ملتے تھے۔ (خواجہ عابد نظامی، مدیر اعلیٰ "درویش" لاہور)

۵۹ - علم و دانش کی ایک شمع بجھ گئی ہے۔ (ڈاکٹر سفیر اختر، اسلام آباد)

۶۰ - ان کے محققانہ انداز فکر سے برصغیر کے دانشوروں نے استفادہ کیا۔ (عمران نقوی، روزنامہ "نوائے وقت" لاہور)

۶۱ - طبعاً" نسیم سحر تھے۔ (پروفیسر محمد صدیق، لاہور)

۶۲ - صاحب دل، صاحب نظر اور صاحب قلم تھے۔ (میاں عطاء اللہ

ساگر وارثی، لاہور)

۶۳ - علم و عرفان کے روشن مینار، جود و سخا کے پیکر اور عارف ربانی تھے۔ (صاحبزادہ وحید سبحانی، لاہور)

۶۴ - تنظیم ساز کریکٹر کے مالک تھے۔ (ظہور الدین خان، لاہور)

۶۵ - صیحح معنوں میں مقبول خلائق تھے۔ (مشفق خواجہ، کراچی)

۶۶ - لاکھوں میں ایک تھے۔ (صاحبزادہ سید خورشید احمد گیلانی، لاہور)

۶۷ - ان کے انسانی خصائل اور علمی فضائل ایک دوسرے پر غالب تھے۔ (ڈاکٹر عارف نوشاہی، اسلام آباد)

۶۸ - نابغہ روزگار اور عبقری عصر تھے۔ (حکم قریشی ایڈووکیٹ، لاہور)

۶۹ - احقاق حق اور ابطال باطل میں نہایت جری تھے۔ (ڈاکٹر محمد انعام الحق کوثر، کوئٹہ)

۷۰ - ایسا شفیق اور مہربان استاد اب ڈھونڈے سے بھی نہ ملے گا۔ (محمد صادق قصوری)

۷۱ - عصر حاضر کے عظیم حق گو بزرگ تھے۔ (حضرت صابر براری، کراچی)

۷۲ - علمی، ادبی اور تحقیقی خدمات تادیر یاد رہیں گی۔ (ڈاکٹر ایس ایم زمان، اسلام آباد)

۷۳ - عظیم اسلامی سکالر تھے۔ (میاں محمد افضل، لاہور)

۷۴ - تادم آخر علم کی روشنی بکھیرتے رہے۔ (صاحبزادہ محمد سعادت علی قصوری)

۷۵۔ علم کی شمع کو روشن جو کیا کرتے تھے
زندہ رہتے ہیں وہ ہمیشہ کہاں مرتے ہیں
(پروفیسر سید خورشید احمد بخاری، شیخوپورہ)

۷۶۔ شہرۂ آفاق جید عالم، فاضل اور طبیب تھے۔ (سید انیس شاہ جیلانی، محمد آباد، صادق آباد)

۷۷۔ پورے ملک میں ان کا نام روشن تھا۔ (پروفیسر راؤ ارتضٰی حسین اشرفی، لاہور)

۷۸۔ نرم دم گفتگو گرم دم جستجو کی عملی تصویر تھے۔ (حضرت طارق سلطانپوری، حسن ابدال)

۷۹۔ بقیہ السلف اور عمدۃ الخلف تھے۔ (قمر یزدانی، پنوانہ ضلع سیالکوٹ)

۸۰۔ باطل کے خلاف شمشیر برہنہ تھے۔ (مولانا ابوداؤد محمد صادق، گوجرانوالہ)

جناب محمد صادق قصوری مورخ تذکار صوفیاء ۱۹ مئی ۱۹۴۲ء کو برج کلاں ضلع قصور میں پیدا ہوئے۔ گنڈا سنگھ والا قصور سے ۱۹۶۰ء میں میٹرک پاس کیا۔ ۱۹۶۷ء کو ایف اے کا امتحان دیا۔ محکمہ زراعت میں ملازمت اختیار کی۔ تاریخ و صوفیاء کرام کے تذکروں کا وسیع مطالعہ کیا۔ پیر سید محمد حسین علی پوری خلف الرشید امیر ملت حافظ جماعت علی شاہ علی پوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے۔ مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی سے ۱۹۹۹ء میں خلافت حاصل کی۔ ۱۹۷۲ء سے حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے علمی حلقہ سے وابستہ ہوئے اور تا دمِ آخر ان کی مجالس کے جلیس رہے۔ اکابر تحریک پاکستان (۲) حضرت امیر ملت اور ان کے خلفاء، (۳) تذکرہ مشائخ نقشبندیہ خیریہ، (۴) تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت بریلوی جیسی اہم کتابیں لکھیں جو علمی حلقوں میں مقبول ہوئیں۔ وہ ایک ریسرچ سکالر ہیں۔ ان کا قلم اہل محبت کو اپنی تحریروں سے نوازتا رہتا ہے۔ پتا: برج کلاں، قصور۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی تاریخ گوئی

حکیم محمد موسیٰ امرتسری اپنے علوم وفنون کی بلندیوں کے ساتھ ساتھ تاریخ گوئی میں بے مثال کمال رکھتے تھے۔ ان کے چالیس سالہ رفیق مجالس مولانا محمد عالم مختار حق نے آپ کی بیاض سے نادر ونایاب تواریخی مادے جمع کیے ہیں جو آپ کے آسمان علمیہ کے آفتاب و ماہتاب بن کر سامنے آرہے ہیں۔

ولادت، وفات، تاریخی واقعات، عمارتوں کی تعمیر وغیرہ کے سنین قلمبند کرنے کا ایک نادر طریقہ فارسی شاعری سے ہوتا ہوا اردو شاعری میں در آیا۔ اس لیے اردو تاریخ گوئی میں تمام لوازمات، پیمانے اور اصطلاحیں جیسے تعمیہ، تخرجہ، کلک قضا، ہاتف، ملہم اور ہاتف غیبی وغیرہ وہی ہیں جو فارسی تاریخ گوئی میں استعمال ہوتی ہیں۔ اس طریقہ کی بنیاد حروف ابجد کی عددی قدروں پر ہے۔ ہندسوں میں یا لفظوں میں لکھی گئی تاریخیں اکثر کاتبوں کے ہاتھوں مسخ ہو جاتی تھیں اور اس طرح تاریخی واقعات کی حقیقی تاریخوں میں خلل کا اندیشہ رہتا تھا۔ لہٰذا حروف ابجد کی عددی قدروں سے یہ نادر طریقہ ایجاد کیا گیا جو "تاریخ گوئی" کے نام سے موسوم ہوا۔ یہ ایک ایسا فن ہے جو مسلمانوں کو دیگر اقوام عالم سے ممتاز کرتا ہے۔ یہ خاصا مشکل اور محنت طلب فن ہے۔ چنانچہ حکیم محمد موسیٰ مرحوم فرمایا کرتے تھے "تاریخ نمی آید تا 'ریخ' نمی آید" یعنی

خشک سیروں دلِ شاعر کا لہو ہوتا ہے
تب نظر آتی ہے اک مصرعۂ تر کی صورت

ابتدا میں تاریخ گوئی کے لیے شاعری سے لگاؤ چنداں ضروری نہ سمجھا جاتا تھا۔ تاہم مرور وقت کے ساتھ جب تاریخ گوئی نے ایک الگ صنف کی صورت اختیار کرلی تو یہ شاعری کالازمی جزو قرار پائی اور شعراء نے اسے بطور ایک صنف سخن کے اپنا لیا۔ پھراس میں موشگافیاں ہونے لگیں۔ اگر کسی لفظ کی عددی قیمت میں مطلوبہ سنہ کے اعداد میں کمی بیشی واقع ہوتی تو اس کے لیے تعمیہ و تخرجہ ہونے لگا۔ یعنی اگر مادہ تاریخ میں کوئی عدد کم ہو اور اسے کسی لفظ یا حرف کے اعداد کے اضافے سے پورا کیا جائے تو وہ "تعمیہ" کہلاتا ہے اور اگر اعداد زیادہ ہوں اور کسی لفظ یا حرف کے اعداد کی کمی کرنا پڑے تو اسے "تخرجہ" کہتے ہیں اور یوں یہ اعداد کا دلچسپ کھیل رو بہ ترقی ہوا۔

اب تو یہ فن ہمارے ہاں زوال پذیر ہے اور اپنی تمام تر اہمیت کے باوصف شعرائے حال کی اکثریت نے اسے نظر انداز کر رکھا ہے۔ الاماشاء اللہ وگرنہ آپ حالیہ دور سے پیشتر کے شعراء کے کلام کا مطالعہ کر کے دیکھیں تو آپ پر یہ حقیقت مبرہن ہو جائے گی کہ اس دور کے شعراء کی مہارت فن کو جانچنے کا ایک معیار یہ بھی تھا کہ وہ شاعر کسی شعر یا مصرعے سے مادۂ تاریخ برآمد کر سکتا ہے یا نہیں اور اب تو اچھے خاصے ادباء و شعراء مادۂ تاریخ کی تصنیف تو در کنار پہلے سے مستخرجہ مادہ تاریخ سے حروف کی عددی قیمتوں کی ناواقفیت کے سبب صحیح سال بھی برآمد نہیں کر سکتے۔ غرضیکہ تاریخ گوئی ایک ایسا ملکہ ہے جو فطری اور خداداد ہے۔ تاہم فنی اعتبار سے ایسا مادۂ تاریخ موزوں تر کہلانے کا مستحق ہے جس سے صحیح اعداد برآمد ہوں اور فن شاعری کے لحاظ سے بھی قطعۂ تاریخ مستحسن اور قابل تعریف ہو اور اس میں تعمیہ و تخرجہ کا تکلف نہ برتا گیا ہو اور جو حشو و زواید سے کلی طور پر پاک ہو۔ راقم کے نزدیک سب سے اچھے وہ مادہ ہائے تاریخ ہیں جن میں آیات قرآنیہ سے استشہاد کیا گیا ہو۔ جیسے حکیم اہل سنت حکیم محمد

موسیٰ امرتسری کے سانحۂ ارتحال پر ہمارے فاضل نوجوان ملک محمد شہزاد مجددی صاحب نے "سورۂ سبا" کی (آیت نمبر ۳۴) وھم فی الغرفٰت اٰمنون سے مرحوم کا سال وفات ۱۹۹۹ عیسوی استخراج کیا ہے۔ ہم ایسی تاریخوں کو الہامی تاریخیں کہہ سکتے ہیں جو مرحومین کے لیے باعث وسیلہ مغفرت ہیں اور ان کے قرب خداوندی کی نشاندہی بھی کرتی ہیں۔ اس کے بعد فنی اعتبار سے وہ مادہ ہائے تاریخ قابل ذکر ہیں جن سے مرنے والے کی زندگی کے مختلف گوشے اجاگر ہوتے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ؒ ۱۲۳۹ھ میں عالم جاودانی کو سدھارے تو مشہور شاعر حکیم مومن خاں مومنؔ نے ایک نہایت پردرد اور پرسوز مرثیہ تحریر کیا جس کے درج ذیل مقطع کے دوسرے مصرعہ سے آپ کی صرف تاریخ وفات ہی برآمد نہیں ہوتی بلکہ آپ کے علم و فضل، زہد و تقویٰ اور مکارم اخلاق کے مختلف پہلو اظہر من الشمس ہو جاتے ہیں اور یوں مومن نے تاریخ گوئی کا حق ادا کر دیا۔

دستِ بیدادِ اجل سے بے سروپا ہوگئے
فقر و دیں، فضل و ہنر، لطف و کرم، علم و عمل (۱۲۳۹ھ)

ان مثالوں کے بعد اب رشتہ جوڑیئے سابقہ مضمون سے کہ جب فن تاریخ گوئی نے اپنی الگ حیثیت منوا لی تو پھر اس فن پر کتابیں بھی لکھی جانے لگیں۔ کسی نے سال بہ سال تاریخی مادے نکال کر تاریخ گویوں کو دماغ سوزی سے بچانے کی کسی حد تک کوشش کی کیونکہ یہ مادے عام واقعات میں ممد ومعاون ثابت نہیں ہوتے۔ کسی نے ابتدائے سنہ ہجری سے اپنے زمانے تک کے مشہور واقعات کو اپنے فن کی جولانگاہ بنایا تو کسی نے اس پورے دور میں کہے گئے قطعات کا مجموعہ تیار کیا، کوئی اپنے ہی کہے ہوئے قطعات کو کتابی صورت میں منصۂ شہود پر لے آیا جبکہ بعض نے کسی ایک شخصیت کے سانحۂ ارتحال پر کہے گئے قطعات کا گلدستہ تیار کر لیا۔ اس طرح اس فن اور اس کے متعلقات پر ایک

قابل قدر ذخیرہ جمع ہو گیا جس کا احاطہ ایک الگ صحبت کا متقاضی ہے۔ البتہ بطور مشتے نمونہ از خروارے کتابوں کے اس انبار سے قارئین "جہان رضا" کی معلومات میں اضافہ کی خاطر ایک نہایت نادر الوجود کتاب کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔ اس کتاب کا نام "مفتاح التواریخ" ہے اور اس کا مصنف ایک مستشرق تھامس ولیم بیل[۱] تھا۔ جس کا شروع میں تعلق کچہری صدر بورڈ اکبر آباد (انڈیا) سے تھا۔ اسے فارسی زبان پر کامل عبور حاصل تھا۔ اسے کتب تاریخ کے مطالعہ کے دوران منظومہ تاریخ ہائے وفات، ولادت و جلوس پادشاہان و بنا و اتمام مساجد و اماکن و سوانح حالات عجیبہ و غریبہ کے جو قطعات تاریخ نظر آئے انہیں اس کتاب میں یکجا کر دیا گیا ہے۔ اور یہ قطعات بلامبالغہ سیکڑوں کی تعداد میں ہیں۔ اس میں آغاز سنہ ہجری سے سنہ تالیف کتاب ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء تک کے نہایت نادر و کمیاب قطعات محفوظ کر دیے گئے ہیں۔ مولف کو فن تاریخ گوئی پر بھی عبور حاصل ہے۔ چنانچہ کتاب میں جگہ جگہ اس کے اپنے کہے ہوئے قطعات تاریخ بھی موجود ہیں۔ اس فن پر اس کی گرفت کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیں کہ اس نے اپنا نام بطور معمہ مندرجہ ذیل رباعی میں پیش کیا ہے۔

قلب کن لفظِ سماط و بعد ازاں اے بے نظیر (طامس)
چار حرفِ اولیں را از ولی محمود گیر (ولیم)

---

[۱] تھامس ولیم بیل: بورڈ آف ریونیو نارتھ ویسٹ پراونسز کے دفتر میں کلرک تھا۔ اس کی شہرت کا سبب تو "مفتاح التواریخ" مطبوعہ کلکتہ ۱۸۴۹ء ہی ہے مگر اس کے علاوہ اس نے "دی اورنیٹل بایو گرافیکل ڈکشنری" بھی ترتیب دی جو ۱۸۸۱ء میں کلکتہ سے چھپی۔ یہ کتاب اغلاط و اوہام سے پُر ہے۔ اسے "فال آف مغل ایمپائر" کے مصنف مسٹر ایچ جی کین (فیلو آف یونیورسٹی کلکتہ) نے ترمیم و اضافہ کے بعد لنڈن سے ۱۸۹۴ء میں شائع کیا۔ اس کا ایک عکسی ایڈیشن سندھ ساگر اکادمی لاہور سے ۱۹۷۳ء کے لگ بھگ شائع ہوا۔ تھامس بیل نے آگرہ میں ۱۸۷۵ء میں طویل عمر پا کر وفات پائی۔ (بشکریہ جناب پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب، وائس چانسلر مولانا مظہر الحق عربی و فارسی یونیورسٹی پٹنہ، ہندوستان)

باز چوں گیری سہ حرفِ آخریں از سلسبیل (بیل)
مے شوی اے جان من آگہ ز نامِ ایں حقیر

حضرات محترم! جس شخصیت کے اعزاز میں یہ بزم آراستہ کی گئی اور تمہید "لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم" کے مصداق طولانی ہوتی گئی۔ بارے اب اس کا بیاں بھی ہو جائے۔ یہ ہیں اس بزم تاریخ گویاں کے صدر نشین جناب حکیم اہلِ سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری نوراللہ مرقدہٗ۔ حکیم صاحب کے آبا و اجداد میں جہاں تک تحقیق کا تعلق ہے کسی شخص کو تاریخ گوئی جیسے فن لطیف سے وابستگی نہیں رہی۔ حکیم صاحب اپنے خانوادہ میں پہلے واحد شخص ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس نعمت سے نوازا۔ اس فن کا تعلق کسب سے زیادہ موہبت خداوندی سے ہے اور حکیم صاحب کو اللہ تعالیٰ نے اس کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ یہی سبب تھا کہ اس کے حصول کے لیے انہوں نے کسی استاذ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا۔ سچ ہے:

یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے

حکیم صاحب نے ذہن رسا پایا تھا اس لیے انہوں نے بدوِ شعور سے ہی تاریخی مادے نکالنے شروع کر دیئے تھے۔ حکیم صاحب امرتسر سے ہجرت کر کے لاہور پہنچے تو اس زمانہ میں محلّہ چلہ بی بیاں اندرون موچی دروازہ لاہور میں بجوار مزار حضرت سید احمد توختہ ترمذی (والد بی بیاں پاک داماناں) پیر غلام دستگیر نامی فروکش تھے جو تاریخ گوئی میں نظیر نہ رکھتے تھے۔ غالباً تاریخ گوئی کی اسی قدر مشترک نے دونوں صاحبوں کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا۔ راہ و رسم بڑھی تو پیر صاحب نے معمول بنا لیا کہ روزانہ شام کے وقت حکیم صاحب کے پاس کم و بیش دو گھنٹے تک تشریف فرما رہتے۔ حکیم صاحب پر بڑی شفقت فرماتے۔ مختلف موضوعات پر تبادلۂ خیالات ہوتا۔ بعد میں دیگر اہلِ علم نے بھی ان مجالس میں

حصہ لینا شروع کر دیا۔ پیر صاحب نے بلا مبالغہ ہزاروں تاریخیں کہیں جو ایک رجسٹر میں محفوظ تھیں۔ مگر ان کے سانحۂ ارتحال کے بعد پسماندگان کی عدم توجہی کے سبب ان کا مکان منہدم ہو گیا تو جہاں دیگر قیمتی و نادر و نایاب مخطوطات و کتب کا خزانہ تباہ ہوا' وہاں یہ رجسٹر بھی برباد ہو گیا۔ اس کے باوجود سیکڑوں کی تعداد میں ان کی کہی ہوئی تاریخیں ان کی کتب "تعلیم الاخلاق" اور اردو ترجمہ "سفینۃ الاولیاء" میں محفوظ ہیں۔ پیر صاحب کا حکیم صاحب پر اتنا اعتماد بڑھا کہ اپنے ادارہ "دائرۃ الاصلاح" سے جو کتابیں فی سبیل اللہ تقسیم کے لیے چھاپتے تو ان کی تقسیم کا فریضہ حکیم صاحب کے سپرد کر دیا۔ پیر صاحب کی بعض کتابوں کے سنین طباعت کے قطعات حکیم صاحب کے کہے ہوئے چھپے ہیں مگر حکیم صاحب کو شاعری سے فطری لگاؤ نہ تھا۔ اس لیے پیر صاحب نے انہیں مشورہ دیا کہ شاعری آپ کے بس کا روگ نہیں۔ آپ مادہ ہائے تاریخ تو بے شک نکال دیا کریں، نظم کا جامہ میں پہنا دیا کروں گا۔ چنانچہ پیر صاحب کی بہت سی کتابوں کی طباعت کے مادے حکیم صاحب کے ذہن کی تخلیق ہیں اور منظومات نامی صاحب کے ذہن کی پیداوار۔

اسی طرح علامہ حکیم محمد حسین عرشی متوفی ۴ جون ۱۹۸۵ء (مدیر فیض الاسلام راولپنڈی) حکیم صاحب پر اپنے ایک غیر مطبوعہ مضمون (مخزونہ میاں زبیر احمد علوی گنج بخشی قادری ضیائی) میں بیان کرتے ہیں کہ "خود میرا یہ حال ہے کہ برے بھلے شعر اردو و فارسی میں کہہ لیتا ہوں لیکن ابجد کے حساب سے مادۂ تاریخ نکالنا میرے بس کا روگ نہیں۔ تخلیق پاکستان کے بعد سے اب تک میں نے جتنی تاریخیں لکھی ہیں (عموماً تاریخ ہائے وفات) ان کے مادے پہلے منشی غلام قادر فرخ مرحوم امرتسری سے بنوا لیا کرتا تھا۔ وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ان کے بعد سالہا سال سے میرا یہ کام حکیم صاحب نے سنبھال رکھا ہے۔ جب بھی کوئی

فرمائش آتی ہے، ان کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ عموماً نہایت مناسب و برجستہ ایک سے زیادہ مادے نکال کر عطا فرماتے ہیں کہ کوئی تو سلک نظم و وزن میں منسلک ہو ہی جائے گا۔"

فرخ امرتسری کا انتقال ۲۰ نومبر ۱۹۵۸ء کو ہوا۔ لہٰذا ان کے انتقال کے بعد سے لے کر جناب عرشی صاحب کے کہے ہوئے قطعات تاریخ کے مادے حکیم صاحب کی فکر صائب کا نتیجہ ہیں۔ عرشی صاحب کے یہ قطعات تاریخ ان کے فارسی مجموعہ کلام "نقش ہائے رنگ رنگ" گرد آوردہ محمد حسین تسبیحی مطبوعہ راولپنڈی ۱۹۷۵ء اور مجموعہ کلام اردو "رسوا کیا مجھے" مرتبہ سید عبدالرشید فاضل ادارہ تنویرات علم و ادب کراچی ۱۹۷۴ء سے ماخوذ ہیں۔ ان کے علاوہ جس دوسری کتاب یا رسالہ سے کوئی قطعہ یا مادۂ تاریخ اخذ کیا گیا ہے، اس کا حوالہ بھی ساتھ دے دیا گیا ہے اور یہ سب حوالے راقم نے اپنے ذاتی کتب خانہ سے تلاش کر کے حوالہ قلم و قرطاس کیے ہیں۔ چونکہ حکیم صاحب نے اپنے تخریج کردہ مادہ ہائے تاریخ کا کوئی ریکارڈ محفوظ نہیں رکھا اس لیے ان کے اس کام کا احاطہ کرنا ایک فرد واحد کا کام نہ تھا۔ لہٰذا خوانندگان گرامی سے التماس ہے کہ اس مضمون کے مطالعہ کے بعد ان کے علم میں حکیم صاحب کا کہا ہوا کوئی اور مادۂ تاریخ ہو تو ازراہ ادب پروری بلکہ حکیم پروری راقم کو حکیم صاحب کے مطب ۵۵ ریلوے روڈ لاہور کے پتا پر بھیج دیں تاکہ اس سارے ذخیرہ کو بعد میں یکجا کر کے کتابی صورت میں بیادِ حکیم صاحب چھاپ دیا جائے۔ فقط

~ بر رسولاں بلاغ باشد و بس

(الف) شخصیات جن کے سنینِ وفات کے مادے حکیم صاحب کی فکر سلیم کا نتیجہ ہیں:

مفتی غلام سرور لاہوری (م ۱۸۹۰-۸-۱۴) مورخ، تاریخ گو، مصنف کتب کثیرہ۔

(۱) سرور مشتاق ۱۳۰۷ھ (مکتوب بنام پیر غلام دستگیر نامی)

میاں شیر محمد شرقپوری (م ۲۸-۸-۲۰) پنجاب کے مشہور صوفی بزرگ۔

(۲) سالِ وفاتش موسیٰ گفت "بحرِ سعادت شیر محمد" (۱۳۴۷ھ)

(۳) قدسی صفات شیر محمد = ۱۳۴۷ھ

(سوانح حیات حضرت میاں شیر محمد صاحب، پیر غلام دستگیر نامی، مدنی کتب خانہ چوک گنپت روڈ لاہور)

قاضی عبدالعزیز (م ۱۹۳۵-۸-۲۹) ہمارے محترم دوست اور پنجاب یونیورسٹی شعبہ لائبریری سائنس کے استاذ قاضی افضل حق قرشی صاحب کے جد بزرگوار، ممتاز عالم دین، پیدائش ایبٹ آباد ۱۸۸۲ء۔ فقہ اور اصول فقہ کی تعلیم مولانا عبدالرحمٰن چھوروی (مصنف مجموعہ صلوٰۃ الرسول) کے خلیفہ مولانا محمد اسمٰعیل کوکلوی سے حاصل کی جبکہ حدیث مولانا عبدالجبار غزنوی سے پڑھی۔ آپ کاکول (ایبٹ آباد) میں درس و تدریس سے منسلک رہے اور رحلت کے بعد وہیں پیوند خاک ہوئے۔

(۴) آہ بدر اسلام شدہ مستور = ۱۳۵۴ھ

(۵) عالم نامی قاضی عبدالعزیز = ۱۳۵۴ھ

(۶) زیب فضیلت فقیہ العصر = ۱۹۳۵ء

سید برکت علی خلجیانوی (م ۴۰-۱۱-۱)

(۷) مخزن کرامات ۱۳۵۹ھ

(اذکار جمیل (حالات سید برکت علی خلجیانوی) حکیم محمد موسیٰ امرتسری، تعلیمی پرنٹنگ پریس لاہور ۱۹۶۳ء)

حضرت مولانا محمد عالم آسی (م ۴۴-۸-۱۸) حکیم محمد موسیٰ کے استاذ گرامی قدر- پروفیسر عربی ایم- اے او کالج امرتسر- الکاویہ علی الغاویہ (رد مرزائیت) کے علاوہ کئی کتابوں کے مصنف- عربی کے بحر زخار، تلامذہ میں ڈاکٹر پیر محمد حسن، ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ، مفتی محمد حسن جامعہ اشرفیہ، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، حکیم فقیر محمد چشتی نظامی وغیرہ شامل ہیں- حکیم صاحب نے استاذ محترم کے انتقال پر سنہ ہجری و سنہ عیسوی سے ۲۳ مادے استخراج کیے اور فرمایا کہ میں سنہ بکرمی سے بھی مادہ تاریخ نکالنا چاہتا تھا مگر اتنی دماغ سوزی کے بعد تھک چکا تھا- (ارشاد ۹۸-۱۱-۲۱)

(۸) تواریخ وصل ہادی ۱۳۶۳ھ (۹) قدوۃ فی الاذکیا ۱۳۶۳ھ

(۱۰) ارتحال قدوۃ الاصفیا ۱۳۶۳ھ (۱۱) مغفور اول ۱۳۶۳ھ

(۱۲) مولانا محمد عالم آسی محمدی رحمتہ اللہ علیہ ۱۳۶۳ھ

(۱۳) حقا فوت عالم فوت عالم ۱۳۶۳ھ (۱۴) آہ موت فاضل ۱۳۶۳ھ

(۱۵) شمع شبستان علم ۱۳۶۳ھ (۱۶) داخل خلد آسی طبیب ۱۳۶۳ھ

(۱۷) پاک سیرت سخی ۱۳۶۳ھ

(۱۸) نتیجہ افکار حاجی حکیم محمد موسیٰ عفی عنہ ۱۳۶۳ھ

(۱۹) تلمیذ آسی ولی اللہ ۱۳۶۳ھ (۲۰) جناب والا حضرت مولانا محمد عالم آسی ۱۹۴۴ء

(۲۱) علامہ یگانہ حضرت محمد عالم آسی ۱۹۴۴ء

(۲۲) مولانا صوفی محمد عالم آسی مغفور ۱۹۴۴ء

(۲۳) غم مرد خدا دان ۱۹۴۴ء (۲۴) وریغا بلند مراتب ۱۹۴۴ء

(۲۵) داغ فخر جہاں ۱۹۴۴ء (۲۶) منبع خیر زینت شہر ۱۹۴۴ء

(۲۷) بحر فضل عزیز خلق ۱۹۴۴ء (۲۸) شریعت پناہ مہر سخا ۱۹۴۴ء

(۲۹) از زیب ادب حکیم محمد موسیٰ چشتی امرتسری ۱۹۴۴ء

(۳۰) تواریخ ارتحال وحید جہاں ۱۹۴۴ء

حافظ غلام محی الدین چشتی قصوری ؒ (م ۴۷-۱۱-۲۲)

(۳۱) آہ مہر سما شدہ مستور ۱۳۶۷ھ

(مزارات اولیائے قصور احمد بدر اخلاق شاد باغ لاہور ۱۹۹۶ء)

حکیم محمد جلال الدین (م ۴۸-۴-۳۰) حکیم محمد موسیٰ ؒ کے برادر حقیقی۔

"برادر گرامی حکیم محمد جلال الدین نے بعمر ۲۸ سال ۲۰ جمادی الاخریٰ ۱۳۶۷ھ مطابق ۳۰ اپریل ۱۹۴۸ء بروز جمعہ انتقال کیا--- انا للہ وانا الیہ راجعون O آپ ہجرت کے بعد پاک پتن شریف مقیم ہوگئے تھے مگر عمر نے وفا نہ کی۔ آناً فاناً موت نے آ دبوچا۔ نماز جنازہ درگاہ شریف حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ میں پڑھی گئی۔ اعلیٰ حضرت الحاج میاں علی محمد صاحب مدظلہ العالی شریک جنازہ ہوئے۔ قبرستان عبداللہ شاہ ولی (فرزند دلبند حضرت بابا فرید گنج شکر ؒ) (پاک پتن شریف) میں دفن کیا گیا۔ نور اللہ مرقدہ۔ (بالفاظ حکیم صاحب)

(۳۲) تواریخ سال ارتحال ۱۹۴۸ء

(۳۳) سر آمد روزگار آں برادر | زبان غیب پیغام اجل گفت
چو پرسیدم ز ہاتف سال فوتش | جلال الدین فی الجنت دخل گفت

(۱۳ ھ ۶۷) (عرشی)

(۳۴) جلال الدین خجستہ خصال ۴۸ ۱۹ء

جلال الدین عزیزاں را دل و جاں | بہ تیر ہجر در روز جمعہ سفت
ز امرت سر رسیدہ در اجودھن | بشد حاصل وصال بابا اش مفت
قریب مرقد پور شکر گنج | بنوشیں خواب آں شیریں جواں خفت
بتاریخ وفاتش ابن حامد | "جلال الدین فی الجنت دخل" گفت

(۱۳۶۷ھ) (نامی)

فرخ امرتسری (م ۵۸-۱۱-۳۰) نعت گو شاعر۔

(۳۵) حضرت فرخ کہ از فکر رسا — در رموز شعر استاد آمدہ
رفت از دنیای فانی سوی خلد — برکمالش از ملک داد آمدہ
سال رحلت جستم و آواز غیب — "ھست فرخ در جنان شاد" آمدہ

۵۸ ۱۹ء (عرشی)

(۳۶) صدا عالم غیب سے آ رہی ہے — سنے گا وہی جو کرے گا ادھر رخ
یہ دنیا اقامت کی منزل نہیں ہے — سوئے دار عقبیٰ بھی کرائے بشر رخ
نہیں ہے مفر جس سفر سے کسی کو — کبھی اس کے ساماں کی جانب بھی کر رخ
ستم ہے، رہیں غرق بحر ہوس میں — تفکر، تخیل، توجہ، نظر، رخ
وہ شاعر جو تھا علم و فن میں یگانہ — نظر میں تھا جس کی زمانے کا ہر رخ
ہوا رخصت آخر کو دار فنا سے — نہ چاہا دوبارہ کرے پھر ادھر رخ
پئے سال ترحیل کی فکر عرشی — تو ہاتف پکارا "ہوا فوت فرخ"

۱۳۷۸ھ (عرشی)

پروفیسر احمد شاہ پطرس بخاری (م ۵-۱۲-۵۸) مشہور ماہر تعلیم، اردو، انگریزی کے صاحب طرز ادیب، منفرد مزاح نگار، کامیاب سفیر، وفات نیویارک میں ہوئی اور اجنبی دیار میں ہی پیوند خاک ہوئے۔

(۳۷) گیا جب وہ دنیا سے رضواں پکارا — کہ "جنت میں آیا بخاری" سفر

۱۳۷۸ھ (مطبوعہ)

استاد کرم الدین کرم امرتسری (م ۱۳-۱-۵۹) پنجابی زبان کے مشہور شاعر

(۳۸) رفت استاد زین جہان فنا — دُر معنی بہ عمر خود سفتا!
سال ترحیل جستم از ہاتف — "دخل الجنتہ کرم" گفتا!

۱۳۷۸ھ (عرشی)

(۳۹) ز مرگ آن سخن گستر به دلہا درد و غم آمد
ز ہاتف سال ترحیلش "سخن پرور کرم" آمد

۱۳۷۸ھ (عرشی)

(۴۰) استاد کرم گزرے یہ صدمہ یہ غم ہائے
ہاتف نے کہا رو کر "تربت میں کرم ہائے"

(عرشی)

(خفتگان خاک لاہور - پروفیسر محمد اسلم، ادارۂ تحقیقات پاکستان دانش گاہ پنجاب لاہور ۱۹۹۳ء)

کرم بی بی (حکیم محمد موسیٰ کی سوتیلی والدہ ماجدہ) (م ۵۹-۴-۲۷) (بالفاظ حکیم صاحب) "محترمہ والدہ ماجدہ کرم بی بی بنت میاں محمد جھنڈا وسیر (جاٹ) نے ۲۶-۲۷ اپریل ۱۹۵۹ء کی درمیانی شب کو بمقام بورے والا برادر گرامی حکیم محمد نور الدین صاحب مدظلہ کے پاس انتقال فرمایا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون ○ ۲۷ اپریل کو برادر اکبر حکیم غلام قادر صاحب دام ظلکم ان کی نعش کو ملتان لے گئے اور وہیں سپرد خاک کیا۔ نور اللہ مرقدہا۔"

(۴۱) چو شد مادر ما ز دار فنا بتقدیر رب سوئے ملک بقا
ز روح قمر دیں [1] آمد ندا "بباغ ارم آمدہ ام ما"

۱۳۷۸ھ

(۴۲) مادر ما چو شد جدا از ما تیر غم سینہ عزیزاں سفت
بہر سال وفات آں مادر "رفت در جنت ام" موسیٰ گفت

۱۳۷۸ھ

(۴۳) کرم بی بی ام فضیلت پناہ کہ بُد در پناہ خدائے غفور
ازیں دار فانی بجنت رسید بیکدم ز افلاک کردہ عبور

[1] اشارہ ایست بجانب برادرم قمر الدین مرحوم - متوفی ۱۹۳۶ء مدفون امرتسر - (محمد موسیٰ)

"فضیلت پناہ" است تاریخ او دگر داں "پناہ خدائے غفور"

۷۸ ھ ۱۳ ۵۹ ء ۱۹

(۴۴) "مادر گرامی رحلت کرد" ۱۳۷۸ھ

مولانا غلام محمد ترنم (م ۵۹-۷-۲۴) مقرر، مبلغ، بانی جامعہ اسلامیہ امرتسر، بانی و خطیب جامع مسجد سول سیکرٹریٹ پنجاب لاہور- آپ کا شعری سرمایہ حکیم محمد موسیٰ صاحب نے "مولانا غلام محمد ترنم اور ان کا نعتیہ کلام" کے عنوان سے انجمن تبلیغ الاحناف لاہور سے ۱۹۷۱ء میں شائع کر دیا-

(۴۵) بفوت او بموسیٰ گفت ہاتف "ترنم داخل خلد" است تاریخ

۱۹۵۹ء

(غلام محمد ترنم اور ان کا نعتیہ کلام)

(۴۶) فاضل حکمت = ۱۳۷۹ھ (۴۷) رحلت شیریں مقال = ۱۳۷۹ھ

حضرت علامہ مفتی غلام جان ہزاروی ثم لاہوری (م ۵۹-۸-۱)

(۴۸) معارف آگاہ مفتی اعظم = ۱۹۵۹ء

(۴۹) فوت شد مفتی جہاں = ۱۳۷۹ھ

(تذکرہ اکابر اہل سنت- محمد عبدالحکیم شرف قادری، مکتبہ قادریہ لاہور، ۱۹۷۶ء)

محمود نظامی (م ۶۰-۱-۱۱) ریڈیو پاکستان کراچی کے ڈپٹی ڈائریکٹر

(۵۰) بیک جست طی کردہ راہ دراز ز دنیای فانی بہ جنت شدہ
پی سال ترحیلش از ملک غیب شنیدم "نظامی بہ رحمت شدہ"
۱۹۶۰ء (عرشی)

(۵۱) دریغا کہ دارای علم و ادب نظامی سوی دار عقبیٰ بشد
چو پرسیدم از ہاتفش سال فوت بگفتا "نظامی ز دنیا بشد"
۷۹---۱۳ھ (عرشی)

(۵۲) ہوا حکم سے اس کے محمود رخصت — سر عجز رکھ پیش معبود اے دل
ندا غیب سے گوش دل میں یہ آئی — "ہوا داخل خلد محمود" اے دل
۱۳۷۹ھ (عرشی)

استاذ الاطباء حکیم عبدالمجید احمد سیفی (م - ۶۰-۸-۲۴)

(۵۳) سیفی شدہ در بہشت - ۱۳۸۰ھ (ماہنامہ "شمس الاسلام" بھیرہ، بابت دسمبر ۱۹۷۰ء)

ابوالحسنات سید محمد احمد قادری (م ۶۱-۱-۲۰) خطیب مسجد وزیر خاں لاہور، مفسر قرآن، مصنف کتب کثیرہ، غازی کشمیر، حکیم حاذق۔

(۵۴) مشہور زمان مفسر قرآن = ۱۳۸۰ھ

(۵۵) جلیل المراتب سید ابوالحسنات - ۱۳۸۰ھ

(دونوں مادے سید مرحوم کی لوح مزار پر کندہ ہیں)

(۵۶) لقد دخل الجنتہ مولانا = ۱۳۸۰ھ

(کلام المرغوب اردو ترجمہ کشف المحجوب، ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، المعارف گنج بخش روڈ لاہور ۱۳۹۳ھ)

(۵۷) ہوئے رخصت محمد احمد آہ! — وہ شہید زماں ابوالحسنات
جن کے فرزند ہیں خلیل احمد — بھائی جن کے ہیں ایک ابوالبرکات
فکر تاریخ جب تھی موسیٰ کو — بولا یہ ہاتف ستودہ صفات
کہو تم "سیدی ابوالحسنات — ہوئے مستور" بہر سال وفات
۱۳۸۰ھ (یادداشتہائے موسیٰ)

خواجہ دل محمد ایم-اے سابق پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور (متوفی ۱۹۶۱-۵-۲۸)

(۵۸) ز دنیائے فانی چو شد دل محمد — ز دلہا بہ لب آمد آہ وفغانے
ز ہاتف رسید ایں ندائے بموسیٰ — بگو "آہ خواجہ برفت از جہانے"
۱۳۸۰ھ

(روزنامہ "امروز" (مرحوم) لاہور، مورخہ ۱۹۶۱-۶-۴)

بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق (م ۶۱-۸-۱۶)

(۵۹) امام اردو بدار النعیم رفت - ۱۹۶۱ء (یادداشت نامی)

خواجہ غلام صمد انبالوی مسلم لیگی راہنما، صوفی باصفا، کارکن تحریک پاکستان۔

(۶۰) افسوس مرتحل شد آں خوش خصال خواجہ
که بود ملک سیرت ہمدرد قوم و ملت
از بہر فوتش در فکر بود موسیٰ
آمد ندا ز ہاتف "خواجہ شدہ بجنت"

۱۳۷۹ھ

پیر غلام دستگیر نامی (م ۶۱-۱۲-۱۶) پیر مصنف، مورخ، سجادہ نشین درگاہ حضرت عبدالجلیل چوہڑ شاہ بندگی، متولی اوقاف اشرف، فن تاریخ گوئی کے امام، ۱۷۲ کتابوں کے مصنف، مرتب، مترجم، مسائل وراثت میں درجہ اختصاص حاصل تھا۔ حکیم محمد موسیٰ صاحب سے خصوصی تعلق۔

(۶۱) انور غمگین آج - ۱۳۸۱ھ (۶۲) اب شمع خاموش ہوئی ۱۳۸۱ھ

(۶۳) آج گل ہوگیا چراغ جلیلہ ۱۳۸۱ھ

(۶۴) رحمت حق تجھ پے اے نامی ہو مدام ۱۳۸۱ھ

(۶۵) غم گسار ہے ۱۳۸۱ھ (۶۶) ارتحال شیریں مقال ۱۳۸۱ھ

(۶۷) گئے حضرت نامی فرزند جلیلہ اب ۱۹۶۱ء (۶۸) وہ رحلت تاریخ نامی ۱۹۶۱ء

(۶۹) مولوی غلام دستگیر نامی ۱۹۶۱ء (۷۰) مورخ کبیر بہ خاندان جلیلہ نامی ۱۹۶۱ء

(۷۱) حکیم سال وصال ہم نے "مخلد قدسی صفات" لکھا

۱۳۸۱ھ

(۷۲) ندا آئی ہاتف کی بہر وفات گیا فخر ملت یہ موسیٰ لکھو

۱۳۸۱ھ

(۷۳) ہوا نامی صاحب کا بھی انتقال   مچی علمیت میں تھی جن کی دھوم
سن رحلت ان کا یہ موسیٰ لکھو   "بجھا آج ہائے چراغ علوم"
۱۳۸۱ھ   (قلمی یادداشت ہائے حکیم)

(آخری شعر ماہنامہ آستانہ زکریا ملتان کے فروری ۶۲ء کے شمارہ میں بھی چھپا)

(۷۴) نامی والا حسب مخلد بریں رسید = ۱۳۸۱ھ (روزنامہ امروز لاہور، ۶۱-۱۲-۱۸)

(۷۵) گوہر علم مستور شد = ۱۳۸۱ھ   (ماہنامہ رہنمائے تعلیم دہلی برائے مارچ ۱۹۶۲ء)

مفتی ضیاء الدین ضیاء (م ۶۸-۱-۳۰) بڑے فاضل بزرگ تھے۔ متحدہ ریاست جموں و کشمیر کے مفتی اعظم تھے۔ تقسیم ملک کے بعد ہجرت کر کے پاپڑ منڈی لاہور میں آبسے اور یہیں پیر محمد شاہ نازکی کے مکان پر انتقال ہوا۔ ان کے دو جنازے پڑھے گئے۔ پہلا جنازہ شاہی مسجد لاہور میں بمطابق وصیت اور دوسرا جنازہ گورنمنٹ کالج میرپور (آزاد کشمیر) میں پڑھا گیا اور مالاغار میرپور مزار شہداء آزاد کشمیر میں دفن ہوئے۔ فارسی سے طبیعت کو خصوصی مناسبت تھی اور اس میں مشق سخن بھی کرتے تھے۔ حکیم صاحب کا متخرجہ مادہ تاریخ "ارتحال شیریں مقال" انہوں نے اس طرح منظوم کیا ہے:

(۷۶) دریغا شد از دہر عین الکمال   نکو زمزمہ سنج بے قیل و قال
بہ لاہور بودہ بلا کیف و کم   چہ خوش نکتہ داں بے بدل بیمثال
جہانے ز تودیع وے حسرتا   خصوصاً بہ پنجاب شد پائمال
غلامے ز دل حضرت دستگیر   چو خیر القروں فے العیاں لامحال
کہ منظور دربار خیر الوریٰ   شدہ اقترانش بعز و جلال
بہ آل عباء ہم نوا روز حشر   ز الطافہا حضرت لا یزال
ضیاء ہاتفی سال فوتش چنیں   بگفتا کہ "ارتحال شیریں مقال"
۸۱ ھ ۱۳

(۷۷) بھری بزم سے سوئے دار بقا — بڑا محترم شخص رخصت ہوا
جو ہاتف سے پوچھا گیا سال فوت — تو "ہو داخل خلد نامی" کہا
۱۳۸۱ھ (عرشی)

(۷۸) وہ نامی بزرگ گرامی صفات — جہاں چھوڑ کر جا بسا خلد میں
سنا میں نے رضواں سے سال وفات — کہا اس نے "داخل ہوا خلد میں"
۱۳۸۱ھ (عرشی)

پیر محمد شاہ اندرابی امرتسری ثم لاہوری (م ۶۲-۸-۹)

(۷۹) سوی جنت شد محمد شاہ پیر — شیوہ اش یزدان پرستی بودہ است
از سر یاسین سال رحلتش — گفت ہاتف "رحلت یزدان پرست"
+ ۱۰ — ۱۳ھ ۷۲
میزان ۱۳۸۲ھ (عرشی)

مولوی محمد داؤد وکیل (قصور) (م ۶۳-۱-۱۴)

(۸۰) مولوی داؤد آن قدسی صفات — سیر گشت از سیر گلزار حیات
فکر کردم بہر سال رحلتش — گفت ہاتف "رحلت قدسی صفات"
۱۳۸۳ھ (عرشی)

(۸۱) نکو نام داؤد قدسی سرشت — بہ حکم خداداد دنیا بہ ہشت
پی سال رحلت نوا سنج غیب — بفرمود "در بزم باغ بہشت"
۱۹۶۳ء (عرشی)

سائیں فیروز (م ۶۳-۳-۸) شاعر

(۸۲) چو شد فیروز سایین سوی جنت — ز قرب حق روانش گشت مسرور
ز خوی دل نوازش بود محبوب — شدہ تاریخ او "محبوب مغفور"
۱۳۸۳ھ (عرشی)

(۸۳) شاعر عارف آن فیروز کرد چون عزم باغ ارم
سال وفاتش گفت سروش "داخل جنت اهل کرم"
۱۳۸۳ھ عرشی)

(۸۴) فیروز چو برد رخت ازین دار رویش ز جهانیاں نہفتہ
جستم ز سروش سال ترحیل مغفور خدای پاک گفتہ
۱۹۶۳ء (عرشی)

ابوالرشید مفتی محمد عبدالعزیز مزنگوی (م ۶۳-۱۲-۱۶) خطیب جامع مسجد جنازگاہ لاہور- کئی فقہی کتابوں کے مصنف، قرآن مجید و مشکوٰۃ شریف اور منیتہ المصلی وغیرہ کے مترجم-

(۸۵) آہ خوش سیر عبدالعزیز - ۱۳۸۳ھ

(تذکرہ اکابر اہل سنت، محمد عبدالحکیم شرف قادری، مکتبہ قادریہ لاہور ۱۹۷۶ء)

غلام فرید الدین (م ۶۴-۱۲-۴) ابن حکیم شمس الدین ابن فخر الاطباء حکیم فقیر محمد چشتی نظامی امرتسری کہ مرقدش در پاک پتن است-

(۸۶) آن فروزان جمال فرد فرید صورتش نور و ہمنشین ہم نور
گفت تاریخ رحلتش ہاتف "آہ اجمل فرید شد مستور"
۱۳۸۳ھ (عرشی)

چودھری ظفر علی پسر چودھری صدر علی صاحب-

(۸۷) نیک سیرت ظفر علی مغفور جس نے پائی تھی اہل خلد کی خو
بزم عالم سے اس کا سال وداع "داخل اب خلد میں ہوا" لکھ دو
۱۹۶۴ء (عرشی)

(۸۸) دریغا دریغا جدائی جدائی مسافر کو یاد آگیا اپنا گھر آج
جو ہاتف سے رحلت کی تاریخ پوچھی تو بولا "گیا خلد میں ہے ظفر آج"
(عرشی) ۱۹۶۴ء

(۸۹) حکیم سید اکبر حسین بخاری (م ۶۶-۱۲-۲۸) ان کی وفات کا مادہ تاریخ حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے نکالا تھا جسے حکیم نیرواسطی نے منظوم کیا تھا لیکن وہ قطعہ تاریخ مزار پر نہیں لگایا گیا۔

(خفتگان خاک لاہور، پروفیسر محمد اسلم ادارہ تحقیقات پاکستان دانش گاہ پنجاب لاہور ۱۹۹۳ء)

پیر رحمت شاہ چند مہلو، راولپنڈی

(۹۰) پیر نیکو سرشت رحمت شاہ گشت راہی بسوی منزل دور
از سر آہ گفت ہاتف غیب سال ترحیل--- بندۂ مغفور
(عرشی) (۱۳۸۷ھ)

بیگم چودھری صدر علی مرحوم داماد حکیم طغرائی رحمتہ اللہ علیہ

(۹۱) خاتون نیک، مونس صدر علی دریغ سوز دروں سے برسوں رہیں تلخ کام غم
رخصت ہوئیں جہاں سے دم شام زندگی آئی ندائے ہاتف غیب "آہ شام غم"
(عرشی) ۱۳۸۷ھ

مولوی محمد اقبال (شاہ کوٹ)

(۹۲) غم نامہ ز شاہ کوٹ آمد عالم داد اطلاع ناگاہ
بدرود جہان محمد اقبال پیمود بسوی آخرت راہ
تاریخ وفات گفت ہاتف "مستور صفا و صدق شد آہ"
(عرشی) ۱۳۸۷ھ

مولوی محمد شمس الدین تاجر کتب نادرہ۔ مدفون بجوار حضرت طاہر بندگی لاہور (م ۶۸-۱-۱۱)

(۹۳) چون شمس سمای علم و عرفان — در غرب فنا نهفته طلعت
تاریخ وفات گفت ہاتف — "مشہور زمان نمود رحلت"
۱۳ ۸۷ ھ (عرشی)

(۹۴) در دهر خازن کتب نادرۂ شہیر — آن شمس دین زملک جہان رخت بست وای
از بہر سال رحلت او از زبان غیب — "ہاتف گشتہ نہان شمس علم ہای"
۱۳ ۸۷ ھ (عرشی)

حکیم پیر فتح شاہ (راولپنڈی)

(۹۵) در ابر اجل نہفت رویش — انجم ہمہ اہل طب و مہ پیر
گفت از سر آہ ہاتف غیب — "غفران پناہ فتح شہ پیر"
۱۹۶۹ء (عرشی)

عارف کامل مولانا سید امیر علوی اجمیری (م ۷۰-۱۰-۶)

(۹۶) شمع ہدیٰ خاموش ہے ۱۳۹۰ھ

(تذکرہ اکابر اہل سنت، محمد عبد الحکیم شرف قادری، مکتبہ قادریہ لاہور، ۱۹۷۶ء)

میاں دین محمد رحمتہ اللہ علیہ (والد حکیم محمد حسین عرشی) (م ۷۱-۳-۶)

(۹۷) راہی عقبیٰ ہوئے والد مرے — سب اسی رہ کے لیے مجبور ہیں
جب کیا فکر از پئے سال وصال — غیب سے آئی ندا "مغفور ہیں"
۱۳۹۱ھ (عرشی)

(۹۸) "جنت نصیب پدر عرشی" — "او مغفور خدای پاک"
۱۳۹۱ھ — ۱۹۷۱ء
"جلوہ ریز باغ بہشت" — "حمیدہ صفات از دنیا رفت"
۱۹۷۱ء — ۱۳۹۱ھ (عرشی)

مولانا پیر سید امانت علی شاہ چشتی نظامی المتخلص بہ نظامی (م ۷۱-۳-۶)

سجادہ نشین آستانہ عالیہ دارالامان لاہور (کذا)

(۹۹) چو پیر سید امانت علی نظامی شاہ   ز دھر کردہ سفر، سوی کبریا آمد
برای سال رحیلش ز ہاتف غیبی   "شہید عشق امانت علی" ندا آمد
۱۳   ھ   ۹۱   (عرشی)

حکیم عبدالمجید عتیقی (م۱۷-۴-۲۵) مرکزی پاکستان طبی کانفرنس لاہور کے جنرل سیکرٹری- مصنف کتب طب

(۱۰۰) آن عتیقی، آن حکیم نامور   رخت خود بر بست از حکم الٰہ
سال ترحیلش ز ہاتف آمدہ   "شد حکیم نامور مستور آہ"
۱۳۹۱ھ   (عرشی)

(۱۰۱) از رحلت عتیقی، شام غم است شامم
یا ویلتیٰ حبیبی! یا ویلتیٰ رفیقی!
امیدہا شکستم، در کنج غم نشستم
ہاتف بگفت سالش "شام غم عتیقی"
۱۹۷۱ء (عرشی)

اہلیہ محترمہ حضرت الحاج میاں علی محمد خاں صاحب چشتی نظامی- سجادہ نشین بسی شریف مقیم حال پاک پتن-

(۱۰۲) عارف سالک فرید روزگار   صاحب سجادہ و فخر بسی
جن کے عرفان و تصوف کی ضیا   آج ہے چشم پتن کی روشنی
ان کی مونس اور دم ساز حیات   جانب جنت روانہ ہوگئی
سال ترحیل کنیز عائشہ   ہے یہ برحق "خلد میں داخل ہوئی"
۱۳۹۰ھ (عرشی)

(۱۰۳) مونس سجادہ آرائے بس ساکنان خلد میں شامل ہوئی
سالِ ترحیلِ غلامِ عائشہ ہے یہ برحق "خلد میں داخل ہوئی"
(۱۳۹۰ھ) (عرشی)

غلام فاطمہ (م ۷۲-۵-۲۵) والدہ ماجدہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری"

(۱۰۴) عارفہ، طیبہ، نیکو خصال از نظر اہل جہاں دور شد
سال ترحیل آمدہ از نطق غیب "عارفہ، طیبہ، مستور شد"
۱۳۹۲ھ (عرشی)

(ماہنامہ مہروماہ، لاہور جولائی اگست ۱۹۷۲ء، مدیر ابوالطاہر فدا حسین فدا)

شاعر شہیر پنجابی پیر فضل حسین فضل گجراتی (م ۷۲-۸-۲۲) سجادہ نشین حضرت شاہ دولہ دریائی۔ گجرات۔

(۱۰۵) پیر فضل آن شاعر پنجاب استاد غزل
رفت ازین دنیا و سوی خلد شد اقدام فضل
چون شستم بہر سال رحلتش در کنج فکر
گفت ہاتف "فات فاضل" نیز گفت "اتمام فضل"
۱۳۹۲ھ ۱۳۹۲ھ (عرشی)

استاذ العلماء، سراج الفقہاء مولانا سراج احمد خانپوری۔ (م ۷۲-۱۲-۱۲)

(۱۰۶) فات فاضل = ۱۳۹۲ھ (۱۰۷) خدا دوست سراج احمد = ۱۳۹۲ھ

(۱۰۸) رحلت عالی مراتب ۱۳۹۲ھ

(تذکرہ اکابر اہل سنت محمد عبدالحکیم شرف قادری، مکتبہ قادریہ لاہور ۱۹۷۶ء)

اعجاز احمد نبیرۂ حکیم طغرای"

(۱۰۹) عزیز اعجاز احمد زین جہان رفت کہ رفتن قسمت ہر مرد راہ است
زہاتف سال او پرسیدم و گفت "دریغا حسرتا اعجاز آہ" است

۱۹۷۲ء (عرشی)

حفیظ ہشیار پوری (م ۷۳-۱-۱۰) شاعر، ریڈیو پاکستان سے بطور ڈائریکٹر جنرل ریٹائر ہوئے۔ اردو، فارسی، گجراتی، سندھی پر عبور حاصل تھا۔ تصانیف میں "مقامِ غزل"، "مشرقی پاکستان کے اردو ادیب" شامل ہیں۔

(۱۱۰) چو رخت بست زین جہان بجانب جنان حفیظ
غم فراق ترکہ داد بہر دوستان حفیظ
برای سال رحلتش بکنج فکر پازدم
ز ہاتف آمد این ندا کہ "آہ خوش بیان حفیظ"
۱۹۷۳ء (عرشی)

صدر المشائخ مولانا فضل عثمان فاروقی مجددی (م ۷۳-۴-۱۸)

(۱۱۱) حاجی ہادی غفرہ اللہ = ۱۳۹۳ھ

(تذکرہ اکابر اہل سنت محمد عبد الحکیم شرف قادری مکتبہ قادریہ لاہور ۱۹۷۶ء)

حکیم حاجی محمد علی امرتسری (م ۷۴-۱-۱۶) مدفون گوجرانوالہ (پاکستان)
تلمیذ حکیم اجمل خاں و مولانا محمد عالم آسی و مولانا نور احمد امرتسری

(۱۱۲) محمد علی آن طبیب لبیب ز چشم اعزہ احبا نہفت
ز ہاتف چو پرسیدم از رحلتش "نجیب جہان داخل خلد" گفت
۱۳ ھ ۹۳ (عرشی)

(۱۱۳) ترک دنیا گفت، کردہ عزم ملک آخرت
محرم اسرار طب ھم آشنای راز غیب
سال ہجر حاذق عصر از تفکر جستہ ام
"ھای ہجر حاذق عصر" آمدہ آواز غیب
۱۳۹۳ھ (عرشی)

فیلڈ مارشل محمد ایوب خان سابق صدر پاکستان (م ۷۴-۴-۲۰)

(۱۱۴) شیر ببر رفت = ۱۳۹۴ھ

(۱۱۵) صدر ایوب خاں آن شجاع جری شہرۂ شہرہا بود احوال او
چون شد از بزم دنیا سوی عقبیٰ "زینت رزم رفت" آمده سال او
۱۳ ھ ۹۳ (عرشی)

حضرت پیر سید غلام محی الدین (م ۷۴-۶-۲۲) خلف الصدق حضرت قطب عالم پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی

(۱۱۶) عالی گوہر، نیکو سیرت پیر غلام محی الدین
سوی بقا از منزل فانی رفت و سلام رخصت گفت
فکر سخن در گوشہ خلوت جانب ہاتف راجع شد
سال غم آن نیکو سیرت "رحلت نیکو سیرت" گفت
۹۳ ھ ۱۳ (عرشی)

مولانا محمد سلیمان فاروقی (م ۷۳-۸-۶) (ابن مولانا نور احمد نقشبندی امرتسری) خطیب مدینہ مسجد لاہور و مہتمم نور کمپنی لاہور

(۱۱۷) شد آن مرد مومن بہ باغ جنان کہ اہل ادب راست دارالامان
بہ پای ادب رفت. ہاتف سرود محمد سلیمان بہ باغ جنان
۲ + ۱۳۹۲ = ۱۳۹۴ھ

(۱۱۸) فاروقی خوش کلام آخر در گوشہ مرقدی بیاسود
تاریخ وفات، نطق ہاتف "فاروقی خوش کلام" فرمود
۱۳ ھ ۹۴ (عرشی)

(۱۱۹) سلیمان بہ دنیا بسی بود مغموم
بہ عقبیٰ بہ باغ جنان باد مسرور

ز ہاتف چو ترحیل را سال جستم
ز غیب آمد آواز "ترحیل مغفور"
۱۹۷۴ء (عرشی)

شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی لاہوری (م ۷۴-۱۲-۶)

(۱۲۰) کامل نکو از دہر رفت حاذق جہان مغفور شد
ہاتف فلک فریاد زد "نادر الزمان مستور شد"
۱۳۹۴ھ (عرشی)

والدہ ماجدہ جناب خالد اسحاق ایڈووکیٹ (کراچی)

(۱۲۱) ام خالد بشد در خلد رخت ز ملک دنیا بست
ہاتف گفتا در تاریخ "ام خالد در خلدست"
۱۹ ۶ ۷۴ (عرشی)

الحاج میاں علی محمد خاں چشتی نظامی فخری (پاک پتن شریف) (م ۷۵-۱-۲۸)

(۱۲۲) یہ سانحہ الیم ہے، یہ حادثہ عظیم ہے
ہوئے ہیں میر کارواں، کارواں سے جدا
ہوئی جو فکر رحلت علی محمد آہ!
"امیر کشور حقیقت" آئی غیب سے صدا
۱۳۹۵ھ (عرشی)

(۱۲۳) آہ گل ہوا چراغ چشت = ۱۹۷۵ء

(۱۲۴) سلطان کشور طریقت = ۱۳۹۵ھ

(اکابر تحریک پاکستان محمد صادق قصوری، مکتبہ رضویہ گجرات ۱۹۷۶ء)

پنڈت برہم ناتھ دت قاصر (م ۷۵-۱۱-۲۵) تلمیذ فیروز الدین فیروز و طغرائی امرتسری صاحب طرز ادیب مصنف "ڈال ڈال پات پات" وغیرہ

(۱۲۵) دانش ور نکتہ داں برہم ناتھ مشہور بلاد عالم آمد
خاموش شد آں ادیب اعظم دل ہا بہ شکنجۂ غم آمد
تاریخ وفات از ہاتف "خاموش ادیب اعظم" آمد

۱۹۷۵ء

(نوادرات عرشی امرتسری، ڈاکٹر تصدق حسین راجا۔ فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ لاہور ۱۹۹۱ء)

مفتی اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید محمد احمد قادری اشرفی لاہور (م ۷۸-۹-۲۴)

(۱۲۶) نور حق مخفی شد = ۱۳۹۸ھ

(مخزن برکات رضاء المصطفیٰ چشتی، مکتبہ مخزن برکات گنج بخش روڈ لاہور ۱۹۷۸ء)

حکیم عبدالواحد چشتی امرتسری، مالک چشتی دواخانہ چوک نسبت روڈ لاہور (م ۷۹-۹-۸)

(۱۲۷) نیک خو چشتی شد از دار فنا
روئے خود از مردم دنیا نہفت
بہر سال رحلتش کردم چو فکر
نطق ہاتف "نیک خو چشتی" بگفت

۱۳۹۹ھ (عرشی)

(خفتگان خاک لاہور، پروفیسر محمد اسلم، ادارہ تحقیقات پاکستان دانش گاہ پنجاب لاہور، ۱۹۹۳ء)

علامہ حکیم سید علی احمد نیر واسطی (م ۸۲-۵-۲۶) فاضل علوم شرقیہ، شاعر، اردو، فارسی، عربی، انگریزی، ترکی اور فرانسیسی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ کئی کتابوں کے مصنف، اعزازی ڈگری پروفیسر آف ہسٹری آف میڈیسن استنبول یونیورسٹی کی طرف سے عطا ہوئی۔

(۱۲۸) داد داغ فراق ما را ہائے نیر واسطی ز دہر نہفت
فکر کردم برائے سال وفات "ہائے داغ فراق" ہاتف گفت
۱۴۰۲ھ (عرشی)

(۱۲۹) نیر سعد بخت آہ زما روئے خود درنقاب گور نہفت
از پے سال رحلتش ہاتف "نیّر سعد بخت" آہ گفت
۱۴۰۲ھ (عرشی)

(خفتگان خاک لاہور، پروفیسر محمد اسلم ادارہ تحقیقات پاکستان دانش گاہ پنجاب لاہور، ۱۹۹۳ء)

میر جان کابلی نقشبندی مجددی (م ۱۹۸۸-۱۱-۸)

(۱۳۰) داغ فراق حبیب = ۱۴۰۸ھ

(میر جان کابلی نقشبندی مجددی، میاں اخلاق احمد ایم۔اے، شادباغ لاہور ۱۹۸۸ء)

مفتی عزیز احمد قادری بدایونی (م ۱۹۸۹-۷-۶)

(۱۳۱) مقیم خلد مفتی اہل ہدیٰ = ۱۴۰۹ھ

(۱۳۲) وائے حسرت رحلت والا جاہ = ۱۴۰۹ھ

(احوال و آثار مفتی عزیز احمد قادری بدایونی غلام اویس قرنی، ادارہ معارف نعمانیہ لاہور ۱۹۹۱ء)

راشدہ زاہرہ (م ۱۹۹۲-۱۲-۱۶) دختر نیک اختر سید جمیل احمد رضوی، چیف لائبریرین پنجاب یونیورسٹی لائبریری قائداعظم کیمپس لاہور۔

(۱۳۳) دختر حمیدہ خصال = ۱۹۹۲ء (۱۳۴) داغ قلب و جگر جمیل = ۱۴۱۲ھ

(۱۳۵) راحت جان جمیل رضوی بود = ۱۴۱۲ھ

حکیم محمد شمس الدین چشتی نظامی (م ۱۹۹۳-۶-۱۴) آپ حکیم محمد موسیٰ صاحب کے برادر عزیز ہیں۔ طبیہ کالج ملحقہ پنجاب یونیورسٹی لاہور سے سند یافتہ۔ پاک پتن میں مطب کرتے تھے۔ حضرت میاں علی محمد خاں صاحب سجادہ نشین بسی شریف (ہوشیارپور) سے بیعت تھے۔ آپ کو خطاطی سے بھی لگاؤ تھا۔

رحلت کے بعد قبرستان خواجہ عبدالعزیز مکی (صحابی رسول) پاک پتن کے جوار رحمت میں سپرد خاک ہوئے۔

(۱۳۶) حکیم عصر مہر خلق = ۱۴۱۳ھ (۱۳۷) حاذق عصر مرد = ۱۴۱۳ھ

(۱۳۸) زبدۂ حکما مغفور = ۱۴۱۳ھ (۱۳۹) پاک دین مغفور = ۱۴۱۳ھ

(۱۴۰) بحکم خدا رحلت نمود = ۱۴۱۳ھ

(۱۴۱) وائے غروب شد شمس دین = ۱۹۹۳ء

مولانا سید خلیل احمد قادری خطیب مسجد وزیر خاں لاہور (م ۱۹۹۸-۳-۲۶)

(۱۴۲) واہ نور نظر = ۱۴۱۸ھ (۱۴۳) صاحب مرتبہ خلیل = ۱۴۱۸ھ

(۱۴۴) واہ فخر کشور = ۱۴۱۸ھ (۱۴۵) بود فخر کشور = ۱۴۱۸ھ

(۱۴۶) تاج زمانہ در بہشت = ۱۴۱۸ھ (۱۴۷) بابصیرت چشتی = ۱۴۱۸ھ

(۱۴۸) داخل خلد خلیل جہاں = ۱۹۹۸ء

مولانا خلیل احمد قادری مرحوم کے مادہ ہائے تاریخ حکیم صاحب نے ملک محمد شہزاد مجددی صاحب (دارالاخلاص لاہور) کو ہبہ کر دیئے تھے۔ مجددی صاحب نے "واہ نور نظر" کو مندرجہ ذیل قطعہ میں سمو دیا ہے۔

جہاں سے جب اٹھتا ہے کوئی خلیل ۔۔۔ بھلا آہ کرتی ہے کب کچھ اثر
مگر عالم دین حق کے لیے ۔۔۔ بہرحال ہے فیض دیں کا ثمر
ہوئے واصل حق جو سیّد خلیل ۔۔۔ سنہ وصل تھا شاق شہزادؔ پر
مگر فکر موسیٰ نے کی یوں کمک ۔۔۔ کہ تاریخ ہو "واہ نور نظر"

۱۴۱۸ھ

(ب) مجوزہ تاریخی اسماء

جناب محمد صادق قصوری (خانوادہ پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری اور تاریخ پاکستان پر متعدد کتابوں کے مصنف) کے نومولود بچے کے دو تاریخی نام حکیم محمد موسیٰ صاحب نے تجویز کیے۔

(۱۴۹) فاروق ریاض - ۱۳۹۸ھ (۱۵۰) اعظم فاروق = ۱۳۹۸ھ

افسوس کہ یہ بچہ کم سنی ہی میں مورخہ ۱۹۷۹-۲-۲۵ کو داغ مفارقت دے گیا۔ اناللہ و انا الیہ رٰجعون O (یاد فاروق۔ محمد صادق قصوری، برج کلاں ضلع لاہور ۱۹۸۰ء)

(۱۵۱) الہامی نام: نعمان اختر = ۱۴۱۲ھ

(بروایت قاری محمد اسلم صاحب نوشاہی مرید کے)

(ج) سہرا: بتقریب شادی خانہ آبادی حافظ نور محمد انور خلف الرشید حافظ خیر محمد مرحوم

(۱۵۲) مبارک باد اے نور محمد
که گشت از کدخدائی خاطرت شاد
بشد باغ دلت خوش از ہزارے
ترا از نغمہ اش دل خوش بما ناد
چه خوش از بائے بسم اللہ موسیٰ
بگفتا "خانۂ حافظ شد آباد"

۱۹۵۹ء (مطبوعہ)

(د) کتابیں جن کے سنین طباعت کے مادے حکیم صاحب نے تخلیق کیے:

اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ ترجمہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی فرید بک سٹال، اردو بازار لاہور۔ ۱۹۸۱ء

(۱۵۳) مظہر نور ۱۴۰۱ھ (۱۵۴) ریاض رسول عزیز (صلی اللہ علیہ و سلم) ۱۴۰۱ھ

(۱۵۵) ریاض رسول باکمال (صلی اللہ علیہ و سلم) ۱۴۰۱ھ

اصلاح رسوم۔ پیر غلام دستگیر نامی۔ دائرۃ الاصلاح لاہور ۱۹۵۹ء

(۱۵۶) پئے اصلاح رسم ہائے زبوں شد رقم ایں رسالہ بااسناد
بہر تاریخ طبع آں موسیٰ ہاں بگوئی "مفیض امت باد"

۱۳۷۸ھ

(۱۵۷) یہ نوائے وقت ہے اور برمحل قوم مسلم جب غریق نوم ہے
پوچھیں گر تاریخ تو موسیٰ کہو "وعظ نامی کا مفید قوم" ہے

۱۳۷۸ھ

اصلاح معاشرہ۔ پیر غلام دستگیر نامی۔ دائرۃ الاصلاح لاہور ۱۹۵۹ء

(۱۵۸) "حافظ دین یہ رسالہ ہے" ۱۳۷۹ھ

تذکرۂ اسلاف۔ محمد بہاء الحق قاسمی خطیب جامع مسجد ماڈل ٹاؤن لاہور۔ ۱۹۶۴ء

(۱۵۹) مستحسن طیب تذکرہ = ۱۹۶۴ء

تذکرہ حضرت آغا سید سکندر شاہ گیلانی پشاوری۔ احمد بدر اخلاق شادباغ لاہور۔ ۱۹۹۲ء

(۱۶۰) ریاض عرفان ۱۴۱۲ھ (۱۶۱) روضہ عرفاں ۱۴۱۲ھ

تذکرہ حضرت امام اعظم- پیر غلام دستگیر نامی- دائرۃ الاصلاح لاہور ۱۳۷۸ھ

(۱۶۲) مطبوع یہ رسالہ موسیٰ ہوا ہے لکھ دو
"ذکر ادیب امت" تاریخ بر محل ہے
۱۳۷۸ھ

(۱۶۳) کہا ہاتف نے موسیٰ لکھو باجہد کہ "ذکر پیشوائے دین احمد"
۱۲ + ۱۳۶۶ = ۱۳۷۸ھ

تعارف علمائے اہل سنت- مولانا محمد صدیق ہزاروی- مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور- ۱۹۷۹ء

(۱۶۴) مولانا صدیق نے لکھا بعون ذوالجلال عالمانِ اہلِ سنت کا مکمل تذکرہ
مستند حالات تفصیلات و ایثار و کمال ہر طرح سے ہے یہ تالیف اک مدلل تذکرہ
جو بجھایا ہے حکیم اہل سنت نے مجھے سال تصنیف اس کا ہے محمود "اجمل تذکرہ"
۱۳۹۹ھ

(ناظم راجا رشید محمود مدیر ماہنامہ "نعت" لاہور)

تعلیم الاخلاق- پیر غلام دستگیر نامی مرحوم- سٹار بک ڈپو اردو بازار لاہور- ۱۹۶۱ء

(۱۶۵) تعلیم الاخلاق نبوی ۱۳۸۱ھ

حضرت امیر حمزہ- پیر غلام دستگیر نامی دائرۃ الاصلاح لاہور- ۱۹۵۸ء

(۱۶۶) جانِ فزع نکل گئی تذکرۂ حمزہ جب چھپا

سفینتہ الاولیاء- شہزادہ دارا شکوہ- اردو ترجمہ از پیر غلام دستگیر نامی- سٹار بک ڈپو اردو بازار لاہور-

(۱۶۷) ابن خرم ذی حشم دارا شکوہ جس نے تصنیفوں میں محنت کی ہے خوب

طرز تحریر و عبارت بھی ہے خوب — ہے جو انداز بیاں معجز اثر
بادۂ توحید کی مستی ہے خوب — جذبۂ عشقِ محمد کا خمار
رحمت حق اس پہ ہاں برسی ہے خوب — تھا مشائخ کا وہ دل سے معتقد
حق تعالیٰ کی عبادت کی ہے خوب — لو لگا کر اولیائے پاک سے
اور شراب معرفت بھی پی ہے خوب — بندگان حق کا تھا دل سے غلام
داد دارا شکوہ کی اب دی ہے خوب — نامی حامد نے کر کے ترجمہ
ہاں امین بھٹی نے اب چھاپی ہے خوب — یہ کتاب نادر دارا شکوہ
لکھ دیا "تالیف دارا کی ہے خوب" — بہرِ نامی موسیِ چشتی نے یہ

۱۳۸۰ھ

سلوک الملوک (فارسی) از فضل اللہ بن روزبہان اصفہانی کا انگریزی ترجمہ "مسلم کنڈکٹ آف سٹیٹ" از پروفیسر محمد اسلم۔ یونیورسٹی آف اسلام آباد پریس۔ ۱۹۷۴۔

(۱۶۸) سلوک الملوک است باغ معارف
ز سیرش شوی از گل علم عارف
پی سال تکمیل آن خلد معنی
ز رضوان شنیدم کہ "باغ معارف"
۱۳ ھ ۹۳ (عرشی)

(۱۶۹) استاد محمد اسلم اینک در ترجمہ گوہر ہنر سفت
ہاتف از بہر سال طبعش "مرغوب ملوک آمدہ" گفت
۱۳ ھ ۹۴ (عرشی)

نوٹ: کتاب میں صرف پہلا قطعہ تاریخ چھپا ہے۔

سوانح حیات حضرت بابا فرید گنج شکرؒ۔ پیر غلام دستگیر نامی۔ مدنی کتب خانہ

چوک گنپت روڈ لاہور۔

۱۷۰) فرید آں اہلِ دل را دستگیرے   بباطن بادشاہ ظاہر فقیرے
چو ذکرش نامی حامد رقم زد   بگو موسیٰ "کتابِ دلپذیرے"
۱۳۷۹ھ

۱۷۱) سال تالیف گر بجوی مزید   ہست نامی "ریاضے دین فرید"
۱۳۷۹ھ

۱۷۲) گر طلب اور ابن حامد ہے   تو وہ تاریخ "ذکر مرشد" ہے
۱۳۷۹ھ

(۱۷۳) ہے گر مطلوب شمسی سال تم کو
تو اچھی ہے "غذائے روح" سن لو
۱۹۵۹ء

سوانح حیات حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ" - پیر غلام دستگیر نامی- مدنی کتب خانہ چوک گنپت روڈ لاہور

۱۷۴) بگو موسیٰ بجان جان تاریخ   کہ "حالِ خواجۂ من مرشدِ من"
۱۳۷۸ + ۱ = ۱۳۷۹ھ

سوانح حیات حضرت شاہ ابوالمعالیؒ" - پیر غلام دستگیر نامی- مدنی کتب خانہ چوک گنپت روڈ لاہور۔

(۱۷۵) گلشن سید خیرالدین ۱۳۷۹ھ (۱۷۶) محفلے شاہ خیرالدین ۱۳۷۹ھ

سوانح حیات حضرت شمس تبریز صاحب- پیر غلام دستگیر نامی- مدنی کتب خانہ چوک گنپت روڈ لاہور۔

۱۷۷) اگر پوچھیں تاریخ موسیٰ تو تم   کہو شمس تبریز کا ذکر ہے
۱۹۶۰ء

سیاحِ لامکان۔ الحاج سیّد ابوالفیض قلندر علی سہروردی۔ ادارہ سہروردیہ فی مخزن علوم اسلامیہ اعظم مارکیٹ لاہور

(۱۷۸) کنز علم فیض رسول ۱۴۰۳ھ (۱۷۹) ریاض نور کونین ۱۴۰۳ھ

مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی اردو ترجمہ از مولانا محمد سعید احمد نقشبندی۔ مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی۔ ۱۳۹۰/۱۹۷۰ء

(۱۸۰) کلام تصوف مجدد الف ثانی ۱۳۹۰ھ (۱۸۱) مکتوبات نقشبندیہ ۱۳۹۰ھ

(۱۸۲) کتاب فیض الہام ۱۳۹۰ھ

(یہ تینوں مادہ ہائے تاریخ نکالے تو سہی مگر بوجوہ شریک اشاعت نہ ہو سکے)

چھپتے چھپتے:

سید محمد ریاست علی قادری (م ۹۲-۱-۳) مصنف۔ صدر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی۔

(۱۸۳) وحید جہاں قادری مستور شد = ۱۴۱۲ھ

(۱۸۴) مستور شد ماہ ما قادری = ۱۴۱۲ھ

(۱۸۵) مستور شد پاک دین قادری = ۱۴۱۲ھ

(۱۸۶) مستور شدہ زیب بیان قادری = ۱۴۱۲ھ

(۱۸۷) گلشن فیض علی بود = ۱۴۱۲ھ

جسٹس شمیم حسین قادری (م ۹۳-۱-۱۳) ریٹائرڈ چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ۔ تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن، متعدد کتابوں کے مصنف، تحریک پاکستان اور اسلام پر بہت سے مضامین لکھے۔ ۱۹۷۱ء میں "ستارۂ پاکستان" کا اعزاز ملا۔

(۱۸۸) حاکم منعم خلد مکیں ۱۴۱۳ھ (۱۸۹) شمیم صبح بہار قادریت = ۱۴۱۳ھ

شاہ ابوالحسن زید فاروقی (م ۹۳-۱۲-۲) سجادہ نشین درگاہ حضرت شاہ ابوالخیر چتلی قبر دہلی، متعدد کتابوں کے مصنف، اپنے والد حضرت شاہ ابوالخیر عبداللہ محی الدین فاروقی دہلوی کے احوال و فضل و کمال کے متعلق ایک ضخیم تذکرہ "مقامات خیر" ترتیب دیا۔

(۱۹۰) شاہ جلیل مخفی شد = ۱۴۱۳ھ (۱۹۱) آہ مرد صالح مخفی شد = ۱۴۱۳ھ

(۱۹۲) آہ نور عالم مخفی شد = ۱۴۱۳ھ (۱۹۳) ہائے داغ فراق = ۱۴۱۳ھ

اجمل اعظم (سوانح حیات حکیم اجمل خاں دہلوی) انتظار حسین۔ یادگار اجمل گلبرگ لاہور۔ ۱۹۹۵ء

(۱۹۴) لیل و نہار اجمل اعظم = ۱۴۱۷ھ (۱۹۵) باغ طبابت = ۱۴۱۷ھ

(۱۹۶) ریاض داتا = ۱۴۱۷ھ (۱۹۷) فخر کشور طب = ۱۴۱۷ھ

یہ تاریخی مادے حکیم صاحب نے استخراج تو کیے مگر شریک اشاعت نہ ہو سکے۔

محبوب الوارثین میاں عطاء اللہ ساگر وارثی، وارثی منزل سمن آباد لاہور ۱۴۱۵ھ

(۱۹۸) شاداب گلشنِ وارث = ۱۴۱۵ھ

علامہ تاج الدین احمد تاؔج عرفانی (م ۱۹۵۹-۵-۱۱) مشہور صحافی، بلند پایہ شاعر، نامور طبیب --- اپنے والد ملا محمد بخش صحافی کے جاری کردہ اخبارات "ہنٹر" اور "جعفر زٹلی" شائع کرتے رہے۔

(۱۹۹) گئے دنیا سے آہ تاج الدین تھی بڑی شان شاعری جن کی
ان کی تاریخ موت لکھ موسیٰ تاجِ عرفانی، عارفِ ربانی
۱۳۷۸ھ

مولوی خدا بخش ڈھڈی، کوٹ ادوی (متوفی ۱۹۵۹-۱-۲۲) درویش صفت، مرید حضرت خواجہ کمال الدین مہاروی، مصنف اصول بیعت، عملیات چشتیہ، فیض چشتیائی، کوٹ ادو میں بجوار مزار سید عبداللطیف شاہ شہید پیوند خاک

ہوئے۔

(۲۰۰) آہ رحلت یزداں پرست (۱۳۷۸ھ)

(۲۰۱) آں عاشق قدسی برفت (۱۳۷۸ھ)

(فیضان نور۔ میاں اخلاق احمد ایم۔اے، انجمن غلامان اولیاء اللہ۔ کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ ۱۹۸۶ء)

مولانا محمد حفیظ الرحمٰن حفیظ بہاولپوری (م ۱۹۵۹-۱۱-۳۰) علمی و ادبی شخصیت۔ متعدد کتابوں کے مصنف و مترجم جن میں چچ نامہ (تاریخ سندھ) کا اردو ترجمہ بھی شامل ہے۔ بہاولپوری زبان میں قرآن مجید کا مکمل ترجمہ کیا جو ان کے پریس عزیز المطابع بہاولپور سے ۱۳۷۶ھ میں اشاعت پذیر ہوا۔

(۲۰۲) شد از جہانے حفیظ = ۱۳۷۹ھ

صاحبزادہ محمد عمر (متوفی ۱۹۶۷-۸-۲۶) بیربل شریف ضلع سرگودھا۔ خلیفہ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری، متعدد کتابوں کے مصنف۔

(۲۰۳) فقد فاز فوزاً عظیما (۷۱:۳۳) (۱۳۷۹ھ)

شیخ الاسلام قطب مدینہ حضرت شاہ ضیاء الدین احمد قادری رضوی مہاجر مدنی (م ۱۹۸۱-۱۰-۲) خلیفہ مجاز امام اہل سنت حضرت شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی (آرام گاہ جنت البقیع مدینہ شریف)

(۲۰۴) پاک زاد عاشق رسول خدا ۱۴۰۱ھ (۲۰۵) رخصت قطب ۱۴۰۱ھ

میاں اخلاق احمد (م ۱۹۸۷-۱۱-۹) پنجاب یونیورسٹی سے فارغ التحصیل تھے۔ پاکستان ریلویز میں ملازمت کرتے رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ علمی و ادبی مشاغل سے بھی وابستگی رہی۔ صوفیہ کرام کے حالات پر چند تذکرے بھی تصنیف کیے۔

(۲۰۶) داغ فراق حبیب ۱۴۰۸ھ

میاں محمد دین کلیم قادری (م ۸۹-۱۰-۲۴) مورخ لاہور، تذکرہ نویس۔ لاہور کارپوریشن میں اکاؤنٹس آفیسر رہے۔ ساتھ کے ساتھ تصنیف و تالیف کا مشغلہ

بھی جاری رکھا۔ بزرگوں کے حالات پر دو درجن سے زائد کتابیں لکھیں۔ ان میں "مدینۃ الاولیاء" خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

(۲۰۷) مرغوب انسان ۱۴۱۰ھ (۲۰۸) آہ محمد دین غم پنہاں ۱۴۱۰ھ

(۲۰۹) خوشا نیک بخت ۱۹۸۹ء

سیدہ شمیم بی بی دختر حضرت خواجہ شاہ اکرام حسین چشتی سیکری مدظلہ العالی۔

(۲۱۰) تواریخ ارتحال صالحہ ۱۹۹۱ء (۲۱۱) غریق رحمت پاکباز ۱۹۹۱ء

(۲۱۲) تاریخ شمیم بلند قدر ۱۹۹۱ء (۲۱۳) دختر اکرام حسین مکرم زمن ۱۹۹۱ء

(۲۱۴) دختر اکرام حسین شاہ اکمل ۱۹۹۱ء

(۲۱۵) دختر سید پاک اکرام حسین سیکری ۱۹۹۱ء

(۲۱۶) شمیم مریم منش ۱۴۱۲ھ (۲۱۷) آہ نور نظر ۱۴۱۲ھ

(۲۱۸) راحت جان پدر مسیح کردار ۱۴۱۲ھ

(۲۱۹) اہل دانش بذار البقا رفت ۱۴۱۲ھ

(۲۲۰) عظمت بود ۱۴۱۲ھ (۲۲۱) آہ آہ شمیم مستور شد ۱۴۱۲ھ

(۲۲۲) از کلک حکیم محمد موسیٰ چشتی قادری ۱۴۱۲ھ

(۲۲۳) باوفا غریق رحمت ۲۰۴۸ بکرمی

(سہ ماہی اکرام المشائخ ڈیرہ نواب صاحب بابت اپریل تا جون ۱۹۹۲ء)

وحیدہ نسیم (م ۱۹۹۶-۱۰-۲۸) ادیبہ، شاعرہ از کراچی

(۲۲۴) وحیدہ غریقۂ رحمت ۱۹۹۶ء

حکیم عبدالرشید قادری سلطانی، صوفی درویش کامل (م ۱۹۹۸-۱-۱۰)

خلیفہ حضرت صاحبزادہ محبوب عالم سلطانی

(۲۲۵) داخل خلد حق طلب (۱۴۱۸ھ) (۲۲۶) خجستہ شیم ۱۴۱۸ھ

جناب متین کاشمیری کے ہاں مورخہ ۶ مئی ۱۹۹۰ء کو پیدا ہونے والے نومولود "وامق بلال" کے مجوزہ تاریخ اسماء

(۲۲۷) فضل متین (الہامی مادہ) ۱۴۱۰ھ (۲۲۸) افتخار حسین ۱۴۱۰ھ

(۲۲۹) شیخ متین ۱۴۱۰ھ

شیخ المشائخ حضرت سید فتح علی شاہ قادری (م ۱۹۵۸-۱-۱۸) کھروٹہ سیداں ضلع سیالکوٹ مصنف، صوفی صفت، عالم دین، قیام پاکستان کے سلسلے میں مختلف تحریکوں میں بھرپور حصہ لیا۔ آپ کی تصانیف میں معیار صداقت، چہل حدیث، سچا ایمان، مجموعۂ وعظ اور مجموعہ اشعار شامل ہیں۔

(۲۳۰) رحلت اہل بصیرت ۱۳۷۶ھ

(عنوان "چھپتے چھپتے" کی معلومات کی فراہمی کے لیے راقم الحروف جناب محمد صادق قصوری، جناب پروفیسر محمد سرفراز قادری اور جناب متین کاشمیری کا سپاس گزار ہے)

محمد عالم مختار حق ایک محقق، کتاب دوست اور تاریخ کے بلند پایہ سکالر ہیں۔ وہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی علمی اور ادبی مجالس میں چالیس سال سے جلیس رہے ہیں۔ آپ نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے تحقیقاتی اور علمی مقالات لکھے جو ملک کے مختلف رسائل میں چھپے اور اہل علم و فضل نے ان کی تحریروں کو ہمیشہ پسند کیا۔ آپ ۱۳۴۹ھ شوال المکرم/ ۴ مارچ ۱۹۳۱ء کو لاہور کے ایک مضافاتی گاؤں جھگیاں شہاب الدین ملتان روڈ میں پیدا ہوئے۔ والد مکرم کا اسم گرامی میاں محمد حسین نقشبندی قادری ہے۔ اہل خانہ نے آپ کا نام محمد عالم رکھا مگر پیر غلام دستگیر نامی (م ۱۹۶۱ء) نے تاریخی نام "محمد عالم مختار حق" تجویز کیا اور یہی نام آپ کی علمی پہچان بن گیا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مقامی سکول سے حاصل کی۔ ۱۹۴۳ء میں وکٹوریہ سکالرشپ حاصل کیا۔ ملازمت کے دوران علمی مراحل طے کیے اور علم و ادب کا گہرا مطالعہ کیا۔ پنجاب یونیورسٹی سے فاضل فارسی کی ڈگری لی۔ ذوقِ مطالعہ نے آپ کے علمی اور ادبی مقام کو بلندیوں پر پہنچا دیا۔ کتابی ذوق کی وجہ سے آپ کی ذاتی لائبریری (ذخیرۂ کتب) میں کم و بیش دس ہزار کتابیں موجود ہیں جن میں اکثر نادر و نایاب ہیں۔ آج سے چالیس سال قبل سیرت

النبی کی کتابوں پر تحقیق کرنے کے لیے آپ حضرت مولانا ابوالحسنات خطیب جامع مسجد وزیر خان، لاہور (م ۱۹۵۷ء) کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے۔ مولانا ابوالحسنات نے آپ کو حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی خدمت میں حاضر ہونے اور استفادہ کرنے کا مشورہ دیا، چنانچہ ۶ فروری ۱۹۵۷ء کو آپ نے حکیم صاحب سے پہلی بار رابطہ کیا۔ یہ رابطہ آہستہ آہستہ دوستی، محبت، خلوص اور رفاقت میں تبدیل ہوتا گیا۔ چنانچہ آپ حکیم صاحب کے دم آخرین تک رفیق علم و ادب رہے۔ آپ بلاناغہ ہفتہ کی صبح کو حکیم صاحب کے مطب میں حاضر ہوتے۔ کئی کئی گھنٹے آپ سے علمی گفتگو کرتے اور حکیم صاحب کی بعض علمی دستاویزات آپ کے پاس محفوظ ہوتیں۔ آپ کے بے شمار علمی مقالات علمی رسالوں میں چھپتے رہے، جن میں سیارہ ڈائجسٹ، نقوش اور جہان رضا کے خصوصی نمبر اہل علم کو دعوت مطالعہ دے چکے ہیں۔ آپ نے حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی یادوں کا ایک مرقع بنام 'صحبتے با حکیم' مرتب کیا ہے جو ابھی زیر طبع ہے۔ حکیم صاحب کی تاریخ گوئی پر ایک مبسوط مقالہ بڑی محنت سے لکھا جو حکیم صاحب کے خصوصی نمبر میں شائع ہو رہا ہے۔

پتا: جھگیاں شہاب الدین، ڈاک خانہ اعوان کالونی، ملتان روڈ، لاہور۔ فون: 7576257

مکتب سے مطب

نامور جواں سال قلمکار جناب متین کاشمیری کے سحر انگیز قلم سے لکھی ہوئی میٹھی تحریر ایک خاص رنگ لے کر سامنے آئی ہے، آپ اسے پڑھ کر علمی تربیت کے خیابانوں کی پگڈنڈیوں پر چلنے کی تمنا کریں گے۔

لاہور کے ایک مشہور ادیب حکیم احمد شجاع نے "لاہور کا چیلسی" اندرون بھاٹی گیٹ کے زیر عنوان ایک جاندار مقالہ تحریر کیا تھا۔ اسی طرح مورخ لاہور میاں محمد دین کلیم قادری مرحوم نے بھی "لاہور کا دوسرا چیلسی" (مطب حکیم محمد موسیٰ امرتسری) کے عنوان سے ایک مقالہ تحریر کیا جو تاہنوز طبع نہ ہوسکا، اسی مقالے کو مدنظر رکھتے ہوئے راقم الحروف نے بھی حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی صحبت کے اثر سے اپنے چند مشاہدات اور تاثرات قلمبند کیے ہیں جو میرے زمانہ طالب علمی سے لے کر بحیثیت مبتدی یا طفل مکتب کی حیثیت سے مطب حکیم صاحب تک تلاش حق یا منزل مقصود پانے تک پھیلے ہوئے ہیں۔ راقم السطور کی طبیعت اور مزاج کچھ اس قسم کا ہے جسے جبلت یا فکری رجحان بھی کہا جاسکتا ہے کہ مجھے منزل مقصود پانے کی آرزو، تمنا اور جستجو نہ تھی لیکن حکیم صاحب موصوف سے ملنے کے بعد امید کی راہ اور روشنی کی کرن نظر آئی تو میں سلسلہ لامتناہی کے پیش نظر آپ کے خادم خاص کی حیثیت سے قریب تر ہوگیا اور آپ کی معیت میں ایسے دینی، علمی، روحانی سفر کا آغاز کیا جسے ایک مسافر

منزل مقصود پانے کے لیے، ایک طالب طلب علم کے لیے، ایک سالک مراحل سلوک طے کرنے کے لیے اور ایک منتہی روحانیت کی معراج حاصل کرنے کے لیے اختیار کرتا ہے۔ اس میں راقم کے علاوہ کتنے ہی متلاشیان حق شریک سفر تھے کہ "میر کارواں راہی ملک بقا ہو گئے۔"

اب قحط الرجال ہے۔ ایسی ہستی کہاں ملے گی چراغ رخ زیبا لے کر بھی ڈھونڈیں تو ان کا ملنا محال ہے جو ہماری دستگیری و راہنمائی کرے اور کون ہے جو ہم جیسے نااہلوں پر نظر کرم اور توجہ خاص فرمائے لیکن جتنا ان سے مستفید و مستفیض ہوا اس کے بارے میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ

تیرے فیض نے ایسی بخشی ضیا
کہ جس سے میری فکر ہے تابدار

غالباً یہ ۸۱-۱۹۸۰ء کا ذکر ہے کہ راقم السطور کا قیام لاہور کے دوران مخدوم الاولیاء سیدنا حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہ کی درگاہ پر ہر جمعرات حاضری کا معمول تھا۔ ایک مرتبہ بعد از نماز عصر مواعظ و تقاریر کا سلسلہ شروع ہوا۔ تلاوت کلام مجید اور نعت سرکار ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد گورنمنٹ کالج کے نوجوان طالب علم محمد ارشد رانا کو دعوت تقریر دی گئی جنہوں نے اپنے پرجوش، پردرد اور پراثر انداز میں خطاب فرمایا۔ اس نوجوان کا تعلق طلبہ کی ایک ملک گیر نمائندہ تنظیم انجمن طلبہ اسلام سے تھا جو نوجوانوں کے قلوب میں عشق مصطفیٰ علیہ التحیہ والثناء کی شمع جلائے ہوئے ہے اور اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ احمد رضا بریلوی کی روایات کو زندہ کیے ہوئے ہے۔ یہی ان کی تقریر کا لب لباب تھا۔ بعد از نماز مغرب طلبہ کی کثیر تعداد اس نوجوان کے اردگرد جمع ہو گئی جو مختلف دینی و علمی اور تنظیمی امور کے سوالات کر رہے تھے۔ راقم نے بھی ان سے دریافت کیا کہ یہ اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کون بزرگ ہیں؟

کیونکہ میں لاہور میں نووارد تھا۔ میرے لیے یہ ایک نیا نام تھا اور میں اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ نوجوان نے تاجدار بریلی کے بارے میں چند معلوماتی باتیں کیں جن سے راقم بہت متاثر ہوا اور مزید کچھ جاننے کے لیے کتب و رسائل کے بارے میں دریافت کیا کہ یہ کہاں سے فراہم ہوسکتے ہیں؟ اس پر نوجوان کے دوسرے طالب علم ساتھی عبدالرؤف صاحب نے فوراً کہا کہ اعلیٰ حضرت پر لٹریچر کے سلسلے میں آپ کو ایک ایسی شخصیت سے ملواتے ہیں جو اندرون و بیرون ملک علمی، ادبی، تحقیقی دنیا میں اعلیٰ حضرت کو متعارف کرانے میں ایک مرکزی حیثیت کی حامل ہے۔

اگلے دن ہم دونوں اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق ۵۵— ریلوے روڈ ایک مطب پر پہنچے جہاں ایک پچاس سالہ بزرگ اور درویش اپنی نشست پر جلوہ فرما تھے جن سے ہم نے سلام و مصافحہ کیا تو انہوں نے ہمیں ایک طرف بیٹھنے کا اشارہ فرمایا۔

وہ مسیحائے صادق مریضوں کی تشخیص فرما رہے تھے۔ میرے ساتھی نے مجھے بتایا کہ یہ حکیم محمد موسیٰ صاحب ہیں جنہوں نے حضرت مولانا احمد رضا بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کو متعارف کرانے کے لیے مرکزی مجلس رضا قائم کی ہے۔ اس اثناء میں مریضوں سے فراغت کے بعد حکیم صاحب ہماری طرف متوجہ ہوئے تو میرے ساتھی نے حضرت سے عرض کی اور میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ انجمن طلبہ اسلام کے نئے رضاکار ہیں، یہ ہمارے طالب علم ساتھی ہیں، ان کا تعلق کوٹ ادو سے ہے۔ اگر آپ انہیں مجلس رضا کی کتب مطالعہ کے لیے عنایت فرمائیں تو بڑی نوازش ہوگی۔ حکیم صاحب نے تبسم فرمایا اور ڈھیر ساری کتابوں کا سیٹ عنایت فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ آئندہ بھی آتے جاتے رہنا اور نئی کتب چھپنے والی لے جانا۔

مجھے ایسا محسوس ہوا کہ آپ کتابیں دینے کے لیے شاید ہمارا ہی انتظار کر رہے تھے۔ اتنی ساری کتابیں، جن میں علم جفر، زمین ساکن ہے، تمہید ایمان، محاسن کنزالایمان، فضائل درود و سلام، سات ستارے شامل تھیں، دیکھ کر میں نیم پاگل ہوگیا کیونکہ آج کل کتاب خریدنا بہت مشکل کام ہے جبکہ یہ درویش کتابوں کا خزانہ لٹا رہے ہیں۔ یہ وہ چند لمحات تھے جہاں سے مجھے حد درجہ فرحت و انبساط محسوس ہوئی اور مجھے علم و ادب سے شغف کی پہلی گھٹی ملی۔

یہ وہ دور تھا جب مرکزی مجلس رضا پورے عروج و شباب پر تھی۔ دھڑا دھڑ مسلک رضویت پر کتابیں شائع ہو کر اندرون و بیرون ملک بلاقیمت بھیجی جا رہی تھیں اور نوری جامع مسجد ریلوے اسٹیشن میں اعلیٰ حضرت کی یاد میں عظیم الشان یوم رضا کی تقاریب ہوا کرتی تھیں جن میں علماء، مشائخ اور مفکرین کے علاوہ انجمن طلبہ اسلام کے قائدین کو بھی نمائندگی دی جاتی تھی۔ ان تمام معاملات میں حکیم صاحب کا بڑا ہاتھ تھا اور وہ بہت متحرک نظر آتے تھے کیونکہ وہ ازخود گھر گھر، گلی گلی، نگر نگر، بستی بستی جا کر یوم رضا کے لیے سامعین و مقررین کو مدعو کرتے اور پروگرامز کے اشتہارات اپنے ہاتھوں سے در و دیوار پر چسپاں کرتے۔ علاوہ ازیں مجلس رضا کے تمام کام کو اپنے روزمرہ کے معمولات پر ترجیح دیتے تھے۔ آپ کے دست راست اور قریبی ساتھی رضا پبلی کیشنز کے مالک جناب میاں زبیر احمد صاحب بھی آپ کے قدم بقدم اور شانہ بشانہ ہوتے۔

راقم نے جب حلقہ راوی روڈ میں انجمن طلبہ اسلام کا یونٹ قائم کیا تو اس کا کنوینر منتخب ہوا تو میں اور میرے دوسرے ساتھی اپنے اپنے علاقوں کی مساجد کے لیے اور دیگر لائبریریوں کے لیے حکیم صاحب سے کتابیں لے جا کر تقسیم کرتے اور اعلیٰ حضرت کے نظریات کو متعارف کراتے رہے۔ حکیم موصوف کالج، یونیورسٹی اور مساجد و مدارس کے طلبا پر بڑی شفقت فرماتے اور نوجوان

طلبہ سے بڑی توقعات رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ہمارے ایک تنظیمی ساتھی جناب ریاض ہمایوں سعیدی صاحب کو حکیم صاحب کی شخصیت میں ایسی جاذبیت اور کشش نظر آئی کہ وہ "فنافی الحکیم" ہوگئے۔ آج بھی ان کا شمار حکیم صاحب کے خاص معتمدوں میں ہوتا ہے۔

اسی دوران انجمن طلبہ اسلام کے ایک سرکردہ عہدیدار جناب طاہر انجم صاحب سے بھی متعارف ہوا جو تنظیم کے فعال ورکر ہونے کے ساتھ ساتھ حکیم صاحب کے عقیدت منداور محب صادق تھے۔ راقم کو سب سے پہلے حکیم صاحب کے دولت خانہ پر واقع شادباغ ان ہی کے ہمراہ جانے کا اتفاق ہوا جہاں ہم نے حکیم صاحب سے انجمن طلبہ اسلام کی علاقائی تنظیم سازی کی ہدایات حاصل کیں۔

اسی طرح انجمن طلبہ اسلام کے دیگر ساتھی بھی حکیم صاحب کی خدمت اقدس میں دست بستہ رہتے۔ ان میں بڑے بڑے اہل علم و دانش حضرات کے نام آتے ہیں جس کی فہرست سازی کے لیے ایک طویل عرصہ درکار ہے۔

حکیم صاحب کا مطب پچھلے وقتوں کی یاد کو تازہ کرتا ہے جس طرح حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت حماد باس رحمتہ اللہ علیہ کے مطبات پر تشنگان علوم ظاہر و باطن کا جمگھٹا رہتا تھا۔ یہ صرف مطب ہی نہیں بلکہ ایک درسگاہ اور خانقاہ تھی جہاں صاحبان معرفت و عرفان اور تشنگان علم مبتدی سے لے کر منتہی تک اپنی اپنی بساط کے مطابق سیراب ہوتے اور ہر مستفیض و مستفید ہونے والے کی یہ کیفیت ہوتی۔

مکتب عشق کا دیکھا ہے نرالا دستور
اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

کیونکہ یہاں پر ہر شعبہ علمی پر تحقیقی گفتگو اور اصلاح پر بحث ہوتی تو علم و ادب

سے شغف رکھنے والے اور فہم و فراست رکھنے والے یہیں کے ہو جاتے۔
مثال کے طور پر اگر کوئی طالب علم گفتگو کرتے ہوئے تلفظ کی غلطی کرتا یا تحریر میں کوئی لفظی غلطی ہوتی تو آپ اس کا نوٹس لیتے اور اس کی اصلاح کرنے کے ساتھ ثبوت کے طور پر قدیم نادر و نایاب لغات سے مطلوبہ الفاظ کی نقول فراہم کرتے تھے۔

۱۲/ دسمبر ۱۹۸۴ء کو آپ سے آٹوگراف لیا۔ اس وقت سید نور محمد قادری مرحوم بھی مطب پر موجود تھے۔ حکیم صاحب نے تحریر فرمایا کہ ''ہمیشہ طالب علم رہو'' اور اپنے دستخط ثبت فرمائے۔ یہ آپ کا علم و دانش کی طرف اشارہ تھا جو آپ اکثر انجمن طلبہ اسلام کے کارکنوں کو فرمایا کرتے اور انہیں مزید تعلیم جاری رکھنے کی تلقین کرتے۔ آپ نہ پڑھنے والوں کو بھی علم حاصل کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ اس لیے یہ جملہ لکھ کر دریا کوزے میں بند کر دیا۔ ''جو ''دریا بہ حباب اندر، دنیا بہ کتاب اندر'' کے مصداق ہے۔ علم کی فضیلت آیات قرآنی اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔ حضرت علی المرتضٰی شیر خدا کرم اللہ وجہہ کا قول ہے ''تمام خوبیوں کا مجموعہ علم سیکھنا اور اس پر عمل کرنا اور دوسروں کو سکھانا ہے۔''

حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے ''میں علم حاصل کرتے کرتے قطب بن گیا۔''

حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ ''جاہل شخص خدا کو نہیں پہچان سکتا۔''

حضرت امام محمد غزالی علیہ الرحمتہ کا بیان ہے کہ ''جب تک تم اپنا سب کچھ علم کو نہ دے ڈالو علم تمہیں اپنا کوئی حصہ بھی نہیں دے گا۔''

۱۹۸۵ء کے اواخر میں راقم کو کوٹ ادو میں کاروبار کے سلسلے میں جانا پڑا۔

میں جب کبھی لاہور آتا تو حکیم صاحب کے مطب یا دولت خانہ پر ضرور حاضر ہوتا۔ میں ۱۹۹۵ء تک وہاں رہا۔ اس عرصہ میں میری آپ سے خط و کتابت بھی رہی۔

انہوں نے مجھے بہت سا علمی مواد ارسال کیا جس میں کتب، رسائل، اخبارات، مطبوعہ و غیر مطبوعہ مضامین، مشاہیر کے مکاتیب شامل تھے۔ راقم کے ننھیال اولیائے کرام سے غایت درجہ عقیدت رکھتے ہیں اور میرے نانا جان حضرت مولوی خدا بخش رحمتہ اللہ علیہ کو سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ فخریہ مہارویہ میں اجازت و خلافت حاصل تھی جن کے حالات پر مشتمل کتاب ''فیضان نور'' مطبوعہ ۱۹۸۷ء حکیم صاحب کی تحریک پر جناب میاں اخلاق احمد صاحب مرحوم و مغفور نے مرتب فرمائی۔ اس پر حکیم صاحب نے بھی سخنان چند تحریر فرمائے جن میں انہوں نے میرے حق میں بھی دعا فرمائی کہ ''اللہ تعالیٰ انہیں (متین) خود لکھنے پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔'' اس وقت روزنامہ نوائے وقت کے معروف کالم نگار جناب سید سبط حسن ضیغم صاحب بھی موجود تھے۔ یہ ان کی دعا کا اثر ہے کہ راقم نے بھی متعدد کتب تصنیف کر لیں جو درج ذیل ہیں:

احوال و آثار میاں اخلاق احمد رحمتہ اللہ علیہ (مطبوعہ)، احوال و آثار علامہ عبدالعزیز پرہاروی چشتی نظامی (مطبوعہ)، جموں تا لاہور (غیر مطبوعہ)، گلہائے عقیدت (مطبوعہ)، حضرت حکیم امام الدین پاکپتنی رحمتہ اللہ علیہ اور ان کا سلسلہ تلمذ (غیر مطبوعہ)، مورخ لاہور (غیر مطبوعہ)

کچھ عرصہ بعد حکیم صاحب نے مجھ سے کوٹ ادو میں مدفون ایک بہت بڑی علمی اور روحانی شخصیت شیخ الاسلام علامہ عبدالعزیز پرہاروی قدس سرہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کے بارے میں کیا کچھ جانتے ہو۔ میں نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا تو فرمایا کہ اپنے علاقے کے صوفیائے کرام کے بارے میں بھی کچھ نہیں

جانتے؟ ان سے باخبر رہا کرو۔ یہ سننا تھا کہ مجھے علامہ پرہاروی کے بارے میں کچھ جاننے کا تجسّس پیدا ہوا۔ تو پتا چلا یہ تو ہمارے ہی سلسلے کے عظیم الشان بزرگ ہیں۔ اس پر میری دلچسپی میں اضافہ ہوتا گیا اور میں نے علامہ پرہاروی پر لکھنا شروع کر دیا۔ جب میں نے اس کا اظہار حکیم صاحب سے کیا تو انہوں نے بھی خوشی و مسرت کا اظہار فرمایا اور مجھے علامہ پرہاروی پر مواد بھیجنا شروع کر دیا جس کی راہنمائی میں ۱۹۹۳ء میں راقم نے کتاب "احوال و آثار حضرت علامہ عبدالعزیز پرہاروی چشتی نظامی" تالیف کی جسے جناب صوفی منصور اصغر صاحب سرپرست مجلس خدام اسلام نے شائع کیا۔ میں نے اس کتاب کے انتساب کے لیے جناب منصور اصغر صاحب سے عرض کی کہ میرا دل چاہتا ہے کہ اس کا انتساب حضرت حکیم صاحب کے نام ہو کیونکہ مجھے علامہ پرہاروی اور حکیم صاحب کی شخصیت میں نام و کام مذہب و مشرب کے حوالے سے کافی مناسبت و مطابقت نظر آتی ہے اور اس کتاب کے محرک بھی وہی ہیں۔ میری یہ بات منصور صاحب کو بہت پسند آئی تو انہوں نے اس کتاب کا انتساب حکیم صاحب کے نام کیا۔ جب کتاب شائع ہو کر منظرعام پر آئی تو ایک صاحب انتساب دیکھ کر تڑپ اٹھے اور مجھ سے کہنے لگے تم نے ایسا کیوں کیا، عالم اسلام کی عظیم شخصیت علامہ پرہاروی کی طرح موجودہ دور کی کسی ایسی ہی شخصیت کے نام معنون کرتے تو زیادہ بہتر تھا۔ اس پر راقم نے ان صاحب سے کہا کہ میرے علم کے مطابق اس کتاب کے انتساب کی حقدار ماسوائے حکیم صاحب کے دوسری کوئی شخصیت نہیں ہو سکتی اور دیگر اہل علم و فضل بھی میری تائید کریں گے۔

پروفیسر محمد اسلم مرحوم کا تاریخ کے حوالے سے بہت بڑا نام ہے۔ وہ رئیس شعبہ تاریخ پنجاب یونیورسٹی تھے۔ بڑے متعصّب اور متشدد دیوبندی تھے لیکن حکیم صاحب کی صحبت کی وجہ سے راہ اعتدال پر گامزن ہو چکے تھے۔ ایک

مرتبہ وہ مطب پر آئے اور آپ سے کچھ استفسار کیا۔ ان کے جانے کے بعد آپ نے مجھ سے فرمایا کہ پروفیسر صاحب نے اتنا زیادہ علمی کام کیا ہے کہ وہ مر نہیں سکتے لیکن ان کے اپنے مکتب فکر والوں (دیوبندیوں) نے ان کی قدر نہیں کی اور اس لیے انہیں نظر انداز کر دیا کہ انہوں نے اپنی تصانیف میں بریلوی مسلک کے مشاہیر کے تذکرے کیوں کیے۔

اس کے بعد مجھے تنبیہہ کی کہ "آج کے ترقی یافتہ دور میں کوئی بھی علمی کام کرو تو اس میں غیر جانبداری برتو۔ ہر بات مستند اور معتبر ہو اور مناظرہ بازی سے پرہیز کرو خاص طور پر اختلافی حوالہ جات دیتے ہوئے محتاط رہو۔"

پروفیسر محمد اسلم صاحب مرحوم کے مطب پر آنے کی وجہ سے ہمارے ایک مولوی صاحب حضرت حکیم صاحب سے بہت خفا ہوئے اور انہوں نے اپنے ایک خط میں ناراضی کا اظہار کیا جس کا ذکر حکیم صاحب نے راقم سے بھی کیا تو مجھے حضرت اقبال علیہ الرحمتہ کا یہ شعر لکھنا پڑا، چند الفاظ کی تبدیلی سے معذرت کے ساتھ {

اپنے بھی خفا ان سے بیگانے بھی ناخوش
وہ زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکے قند

راقم نے تو یہ محسوس کر لیا کہ اگر کوئی علمی بات تحقیق و سند کے ساتھ ہو تو علم دوست حضرات اپنے اور بیگانے اسے تسلیم کر لیتے ہیں اور علم و عمل سے عاری اس کی تصدیق سے انکار کر کے مخالفت برائے مخالفت شروع کر دیتے ہیں۔

اس کی دوسری مثال بھی ملاحظہ ہو:

فہرست ذخیرہ کتب کی جب پہلی جلد شائع ہوئی تو اس کا ایک نسخہ حکیم صاحب نے مجھے بھی مرحمت فرمایا۔ جب وہ جلد میرے ہاتھ میں اسلامیہ کالج ریلوے روڈ کے ایک پروفیسر صاحب نے دیکھی تو ایک دم تلملا اٹھے اور کہا کہ

"حکیم صاحب کا بڑا نام سنا ہے لیکن انہوں نے کوئی اصلاحی کام نہیں کیا۔ میری ان سے ایک ملاقات ہوئی تھی جس پر میں نے محسوس کیا کہ وہ متعصب اور متشدد بریلوی ہیں۔"

راقم پروفیسر صاحب کی یہ گفتگو سن کر بہت حیران ہوا اور ان سے کہا کہ آپ نے ایک ہی ملاقات میں اتنی بڑی شخصیت کے بارے میں ایسے ریمارکس کیسے دے دیئے؟ حالانکہ آپ کی تمام پروفیسرز برادری ان کے خرمن فیض سے خوشہ چینی کر رہی ہے۔ جس وقت آپ مطب پر ملاقات کے لیے گئے تھے اس وقت کسی متشدد اور متعصب شخص کو گفتگو کرتے سنا ہوگا اور آپ نے اپنا نتیجہ اخذ کر لیا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ راقم کو حضرت شیخ محمد محدث تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے سوانح حیات درکار تھے، اس سلسلے میں ایک نام نہاد علم دوست اور بہت بڑے کتب خانہ کے مالک اور ایک رسالہ کے ایڈیٹر سے ملاقات ہوئی۔ اس نے مجھے مطلوبہ مواد کی فوٹو کاپی دے دی۔ جب وہ حالات حکیم صاحب نے میرے پاس دیکھے تو دریافت فرمایا کہ یہ کہاں سے لیے ہیں؟ راقم نے عرض کی کہ فلاں سے۔ یہ کہنا تھا کہ آپ فوراً جلال میں آ گئے اور فرمایا اب تم نے کتاب چوروں سے بھی ملنا شروع کر دیا اور آپ نے اپنی دراز کھولی اور محترمہ پاشا بیگم صاحبہ کراچی کے خط کی نقل دیتے ہوئے فرمایا کہ اسے پڑھو اور علمی سرقہ پر سوگ مناؤ۔ بعد میں خلیل احمد رانا کا جہانیاں سے ایک خط حکیم صاحب کو موصول ہوا جس میں اس کتاب چور کی مزید تصدیق ہو گئی۔

ایک مرتبہ راقم نے عرض کی کہ حسن اتفاق ہے کہ آپ کے ننھیال اور راقم کے والد کے ننھیال کشمیری شیخ ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا صرف باتیں نہیں کرتے بلکہ کچھ کر کے یا کچھ بن کے دکھاتے ہیں۔ کیا تم نے کشمیر کے بارے میں

بھی کچھ لکھا ہے۔ راقم نے عرض کی جی ہاں! کشمیر پر بھی کتاب لکھ چکا ہوں، اگر آپ اس پر پیش لفظ تحریر فرما دیں تو بہت بہتر ہو گا۔ تو آپ نے فرمایا کشمیر چند ہی لمحوں میں تسخیر ہو سکتا ہے لیکن ہماری غلطیوں کی وجہ سے یہ التواء میں پڑ گیا ہے جس کی تفصیل دیباچہ میں لکھوں گا۔ ۱۱/ جنوری ۱۹۹۶ء کو ایک عدد نئی ڈائری عنایت فرمائی اور فرمایا کیا تم ڈائری بھی لکھتے ہو یا یوں ہی جھک مارتے ہو۔ راقم نے عرض کی کہ کبھی کبھار رطب و یابس لکھتا رہتا ہوں۔ فرمایا سید شرافت نوشاہی اور خواجہ حسن نظامی کی ڈائری پڑھو۔ میں نے عرض کی کہ میں اخبارات میں سیلانی کی ڈائری پڑھتا رہا ہوں۔ فرمایا ڈائری کو روزنامچہ بھی کہتے ہیں، اس سے لکھنے پڑھنے والوں کو بہت فائدہ ہوتا ہے، علاوہ ازیں یادداشت اور تواریخ محفوظ ہو جاتی ہیں۔ تم اس ڈائری میں مادہ ہائے تاریخ ارتحال بھی لکھنا۔

حکیم صاحب بھی ڈائری لکھا کرتے تھے جو ان کے ذخیرہ کتب پنجاب یونیورسٹی میں موجود ہے۔ راقم نے بھی اپنی ڈائریوں میں آپ کے چند ملفوظات قلمبند کیے، ان میں سے چند اقتباسات اس تحریر میں بھی درج ہیں۔ میں نے متعدد بار جناب محمد عالم مختار حق صاحب، جناب سید جمیل احمد رضوی صاحب، جناب ملک محمد شہزاد مجددی صاحب اور سید سرفراز احمد زیدی صاحب کو آپ کے ملفوظات قلمبند کرتے دیکھا جو ہفتہ میں ایک بار آپ کے مطب پر ضرور تشریف لاتے اور سرفراز زیدی صاحب تو اکثر آپ کے گھریلو کام کرنے کی خدمت پر بھی مامور تھے حکیم صاحب درگاہ حضرت میاں میر فاروقی قادری رحمتہ اللہ علیہ کے قبرستان میں جہاں حکیم صاحب کے والدین کے مزارات ہیں اکثر زیدی صاحب کے ساتھ جانا پسند فرماتے۔ زیدی صاحب کا شمار بھی حکیم صاحب کے خدام خاص میں ہوتا ہے۔

جوں جوں حکیم صاحب کی شخصیت اور خدمات منظر عام پر آ رہی ہیں توں

ایک مرتبہ راقم نے مورخ لاہور میاں محمد دین کلیم پر مضمون لکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو بس پھر کیا ہوا آپ نے اتنا مواد فراہم کیا کہ وہ مضمون طوالت اختیار کرتے کرتے ایک ضخیم کتابی مسودہ بن گیا۔

اسی طرح آپ ہی کی خواہش پر جناب میاں احمد بدر اخلاق صاحب نے اپنے والد کے نام کو یادگار بنانے کے لیے شادباغ لاہور میں "میاں اخلاق احمد اکیڈمی" قائم کی۔

فہم و فراست کا یہ حال تھا کہ آپ کے پاس ہر ایک مسئلہ کا حل موجود تھا چاہے وہ کسی بھی نوعیت کا ہوتا۔ ہر بات کا جواب تسلی بخش دیتے تھے۔ جو بھی جس مزاج و طبیعت کا مالک ہوتا آپ اس سے ویسا ہی رویہ اپناتے۔

صوفیہ کرام کی تعلیمات کے دلدادہ تھے اور کتب تصوف پر گہرا مطالعہ رکھتے تھے۔ متعدد کتب تصوف پر بڑی شرح و بسط سے دیباچے، مقدمے اور تبصرے تحریر فرمائے۔

جب بھی آپ کی کوئی دست بوسی کرتا تو منع فرماتے اور ساتھ ہی یہ بھی فرماتے کہ ادب و احترام کو صرف اپنے دل میں رکھو۔

متعدد حضرات نے دست بیعت کی درخواست کی مگر آپ نے صاف صاف انکار کر دیا لیکن بعد میں آپ نے اپنے خدام خاص کے بچوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ میرے مرید ہیں۔ ان میں راقم کا صاحبزادہ وامق بلال سرفہرست ہے۔

آپ اکثر فرمایا کرتے کہ ہمارا خانقاہی نظام پیری مریدی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے ماسوائے چند خانقاہوں کے۔ اگر کوئی صاحب خانقاہی نظام پر تحقیق کرتے تو آپ اس کی راہنمائی فرماتے لیکن افسوس اس طرف کسی نے توجہ نہ دی۔ آپ اسے زندہ دیکھنا چاہتے تھے۔ آپ خانقاہی نظام کو زندہ دیکھنے اور اہلسنّت و

جماعت کو متحد کرنے کے خواہاں تھے اور اسی مذہب مشرب اور مسلک کے تحت خدمت خلق، دین اسلام کی بقا اور ملک و ملت کی فلاح کو انتہائی اہم گردانتے تھے اور آپ ساری زندگی اسی طریق پر گامزن رہے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

راقم نے آپ کے وصال پر بے شمار تاریخی مادے استخراج کیے، ان میں ایک مادہ الہامی ہے وہ یہاں پر درج کیا جاتا ہے۔

"اللہ، اللہ، نور اللہ مرقدہ و برد اللہ مضجعہ"

۱۹۹۹ء

متین کاشمیری (محمد متین اقبال ولد محمد جمیل کاشمیری) کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ میں پیدا ہوئے۔ خاندان کا سلسلہ بیعت، سلسلہ عالیہ چشتیہ سے وابستہ ہے۔ دارالعلوم شمس العلوم کوٹ ادو سے ایف اے کیا اور مقامی اساتذہ سے فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ طالب علمی کے زمانہ میں لاہور آئے تو ۱۹۸۰ء سے ۱۹۹۹ء تک حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی مجالس میں آنا جانا شروع کیا اور ان کے زیر تربیت رہے اور انہی کی زیر تربیت بعض کتابیں مرتب اور شائع کیں۔ آپ کا زیر نظر مضمون حکیم صاحب کی مجالس کی یادداشتیں ہیں۔

پتا: گورنمنٹ اسلم پرائمری سکول، عطا روڈ، شالامار باغ، لاہور

مخدوم ملت......سنائے اہل سنت

حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمتہ اللہ علیہ

زر پرستی کے اندھیروں میں ڈوبتے ہوئے خانقاہی ماحول میں ایک خدا پرست پیر طریقت پیر علی اصغر چشتی صابری غنوی کا حکیم اہلسنت کی یادوں کی خوشبوؤں سے مہکتا ہوا عطر بیز مضمون۔

مجموعہ آداب و اخلاق حکیم محمد موسیٰ مرحوم فخر الاطباء حکیم فقیر محمد رحمتہ اللہ علیہ امرتسری کے فرزند ارجمند تھے۔ آپ ۲۸ صفر المظفر ۱۳۴۶ (۲۷ اگست ۱۹۲۷ء) کو بمقام امرتسر (بھارت) پیدا ہوئے۔ آپ نے قرآن مجید ناظرہ قاری کریم بخش مرحوم سے پڑھا۔ کتب فارسی مفتی عبدالرحمان ہزاروی رحمتہ اللہ علیہ مدرس مدرسہ نعمانیہ امرتسر سے پڑھیں۔ نیز حضرت علامہ مولانا محمد عالم آسی رحمتہ اللہ علیہ سے علمی استفادہ کیا۔ کتب طب اور مثنوی حضرت مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ کے پہلے دو دفتر والد گرامی سے پڑھے۔ علم ریاضی کی باقاعدہ تحصیل کی اور بہی کھاتے کا حساب محمد شفیع پاندے سے حاصل کیا۔

آپ نے روحانی علم حاصل کرنے کے لئے حضرت قبلہ میاں علی محمد چشتی نظامی بسی شریف (ضلع ہوشیار پور، بھارت) کے ہاتھ پر سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ

نصیریہ فخریہ میں بیعت فرمائی۔ آپ کے والد گرامی بھی حضرت قبلہ میاں صاحب سے بیعت تھے۔ گویا آپ اپنے والد گرامی کے روحانی پیر بھائی بھی ہیں۔

قیام پاکستان کے دوران آپ ۱۲ اگست ۱۹۴۷ء کو لاہور تشریف لائے اور جلد ہی سرگودھا تشریف لے گئے۔ وہاں چھ ماہ کے قیام کے بعد بحکم والد گرامی لاہور تشریف فرما ہو کر بیرون لوہاری گیٹ مطب قائم کیا۔ ۱۹۴۹ء میں رام گلی (آپ اسے آرام گلی فرمایا کرتے تھے) مطب قائم کرلیا۔ اس کے بعد ۵۵ ریلوے روڈ لاہور پر تازیست مطب فرماتے رہے۔ اسے صرف مطب کا نام دینا تو حضرت قبلہ حکیم صاحب سے ناانصافی ہے بلکہ اسے ''علم و عرفان کا روحانی مرکز'' کہنا بجا ہے۔

آپ عابد، زاہد، تہجد گزار اور علم و عرفان کے منبع تھے۔ صاحب ذوق شوق، وسیع القلب، خوش خلق اور اشفق بزرگ تھے۔ آپ کے اخلاق و اوصاف کے بارے میں پروفیسر محمد ایوب صاحب قادری رقم طراز ہیں۔

''حکیم صاحب نہایت وسیع القلب، مہمان نواز، علم و ادب کے شیدائی، معارف پرور، پرانی قدروں کے محافظ اور مجموعہ اخلاق و آداب ہیں۔ اب کا مطب طبی مرکز سے زیادہ علم و ادب اور تہذیب و ثقافت کا مرکز ہے۔'' آپ نے ۱۹۷۴ء میں حج بیت اللہ شریف اور زیارت گنبد خضرا کا شرف حاصل کیا۔ قطب مدینہ حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی قادری رضوی رحمتہ اللہ علیہ سے دلائل الخیرات اور قصیدہ بردہ شریف کی اجازت حاصل کی۔ حضرت مولانا مدنی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کو اعزازی خلافت سلسلہ قادریہ رزاقیہ برکاتیہ رضویہ میں بھی عطا فرمائی۔ اس سے قبل آپ سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں صاحب مجاز تھے۔

آپ کی تصانیف میں تذکرہ علماء امرتسر، سوانح مولانا غلام محمد ترنم، مولانا نور احمد امرتسری، ذکر مغفور (تذکرہ سید مغفور القادری) اذکار جمیل (تذکرہ سید

برکت علی شاہ خلچیانوی) معروف ہیں۔ علاوہ ازیں کشف المجوب پر مقدمہ لکھا۔ مکتوبات مجدد الف ثانی اور عبادالرحمٰن کتب پر مقدمات تحریر فرمائے۔

قرآن مجید ترجمہ اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ (کنزالایمان) کی ضرورت ہوتی تو حضرت علامہ مفتی سید احمد ابو البرکات رحمتہ اللہ علیہ کی بارگاہ میں جاکر حاصل کرنا پڑتا ان دنوں کنزالایمان بھی غیر مجلد ہوتا تھا اور اعلیٰ حضرت کی تصانیف سے میرے جیسے کم علم لوگ واقف ہی نہ تھے۔ عوام میں اعلیٰ حضرت کا سلام (وہ بھی فقیر نے مطبوعہ ۱۹۵۴ء میں پہلی دفعہ سنا اور نعت خوان سے اس کے اشعار نوٹ کر کے اپنے روزمرہ کے پڑھے جانے والے قرآن مجید کے آخر میں لکھے۔ الحمدللہ آج تک وہی قرآن مجید بترجمہ حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ حاشیہ شاہ عبدالقادر دہلوی رحمتہ اللہ علیہ پڑھتا ہوں) یا منظوم کلام ہی معروف تھا کیونکہ منبروں اور سٹیجوں پر علماء اہلسنّت اعلیٰ حضرت کے بعض اشعار ترنم سے پڑھتے تھے۔ یا بعد از نماز جمعہ و جلسہ "مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام" پڑھا جاتا تھا۔ کبھی بھی کوئی فقہی مسئلہ یا علمی بات یا کسی کتاب کا حوالہ سننے میں نہ آتا تھا۔ حالانکہ فقیر ۱۳ سال کی عمر ہی سے علماء کرام اہلسنّت کے وعظ سنتا آ رہا تھا۔ اکثر نماز جمعہ بیگم شاہی مسجد، مسجد حضرت شاہ ابوالمعالی رحمتہ اللہ علیہ۔ جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش اور مسجد وزیر خاں میں پڑھتا تھا گویا اعلیٰ حضرت کے علمی مقام اور تحقیقی کام سے عوام تو عوام خواص بھی بے خبر تھے۔ لاہور کے سنی عوام زیادہ تر حضرت مولانا عبدالقادر المعروف بہ غلام قادر بھیروی رحمتہ اللہ علیہ سے خوب متاثر تھے۔ جہاں بھی اہل علم کے پاس حاضری ہوتی یا عوام کے ساتھ بات چیت ہوتی تو لوگ مولانا غلام قادر بھیروی رحمتہ اللہ علیہ کے حوالے سے بات کرتے۔ حضرت قبلہ حکیم صاحب مرحوم نے ۱۹۶۸ء میں "مرکزی مجلس رضا" کا قیام فرمایا اور اعلیٰ حضرت کا لٹریچر چھپوا کر ملک کے کونے کونے میں بلا

معاوضہ تقسیم کرنا شروع کیا۔ بلکہ بیرون ملک بھی بھجواتے جس سے مخالفین کے قلوب و اذہان میں زلزلہ آ گیا۔ الحمدللہ! آج اعلیٰ حضرت کے تحقیقی کام پر کئی اسکالرز پی ایچ ڈی کر رہے ہیں۔ یہ حضرت حکیم صاحب کا ہی فیضان ہے۔

"مرکزی مجلس رضا" کے زیر اہتمام نوری مسجد ریلوے سٹیشن لاہور میں ہر سال اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا عرس منایا جاتا تھا جس میں عوام کے علاوہ علماء کرام اور مشائخ عظام کا جم غفیر ہوتا ہے اسے حکیم صاحب کی وسیع القلبی ہی کہا جائے گا کہ چشتی مشرب رکھتے ہوئے قادری بزرگ کے عرس کا اہتمام فرماتے تھے۔ اخلاق اور خلوص کا یہ عالم کہ معمولی کام کرنے والوں کی بھی دلجوئی فرماتے تھے۔ یہ آپ ہی کا مقام تھا ورنہ علمائے کرام دوسروں کو سر اٹھانے نہیں دیتے۔

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
ملاں کی اذاں اور ہے مجاہد کی اذاں اور
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک جہاں میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

حکیم صاحب وہ مرد درویش تھے جن کے بارے میں علامہ اقبال نے فرمایا تھا۔

ہوا ہے گو تندو تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

حکیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے فقیر کی ملاقات محترم جناب مفتی محمد سہیل صاحب کی وساطت سے ۱۹۸۵ء کے وسط میں ہوئی۔ اگرچہ ۱۹۶۸ء ہی سے "مرکزی مجلس رضا" کے زیر اہتمام بڑے بڑے اجلاس ہوتے ہیں۔ ان اجلاس میں حضرت علامہ قاضی عبدالنبی کوکب رحمتہ اللہ علیہ کی معیت میں حاضری دیتا رہا۔ حکیم صاحب سے ملاقات کا ایک حجاب سا رہا۔ ایک دن فقیر یونہی مطب میں

داخل ہوا قبلہ حکیم صاحب کی نگاہیں فقیر کی طرف اٹھیں۔ ان نگاہوں میں پیار، شفقت تھی۔ فقیر نے سلام عرض کیا تو جواباً سلام کہتے ہوئے فرمایا۔ ''پہلی ہی مرتبہ زیارت ہوئی ہے۔'' یہ جملہ سن کر مجھے شرم محسوس ہوئی اور دل ہی دل میں کہا کہ مجھے پہلے آپ سے ملنے کا فخر حاصل ہونا چاہئے تھا۔ میں تو بہت دیر تک آپ کی شفقتوں سے محروم رہا ہوں۔ آپ نے فوراً ہی مجھ سے میرا نام دریافت کیا۔ میں نے عرض کیا ''مجھے اعلیٰ حضرت چشتی کہتے ہیں'' اب دوسرا سوال تھا۔ ''کہاں رہتے ہیں؟'' عرض کیا ''شاہ عالمی فوارہ کے پاس ہلال احمر بلڈنگ کے عقب میں میرا فقیر خانہ ہے۔'' مسکرا کر فرمایا۔ ''اچھا تو ''شمیم شریعت'' آپ ہی نے لکھی ہے۔'' سبحان اللہ! بلا کا حافظہ تھا۔

میں نے ہاں میں جواب دیا تو فرمایا ''تشریف رکھیں'' میں نے آپ کی کتاب کا مطالعہ کیا ہے۔ اس وقت ایسی ہی کتاب کی ضرورت تھی۔ آپ نے اس چھوٹی سی کتاب میں بہت کچھ بیان کردیا ہے۔'' اس کے فوراً بعد خمیرہ اور چائے آگئی یہ پیار، یہ شفقت۔ یہ خلوص، یہ محبت اور اخلاق کی رفعت فقیر نے اپنی زندگی میں دوسری بار پائی۔ پہلی بار یہی باتیں غالباً ستمبر ۱۹۴۹ء میں جامع مسجد بیگم شاہی کے خطیب حضرت مولانا الحکیم عبدالغنی چشتی صابری دوسوہوی رحمتہ اللہ علیہ میں دیکھی تھیں کہ پہلی ہی ملاقات میں انہوں نے مجھے اپنا بنا لیا تھا۔ الحمدللہ آج تک روحانی طور پر انہی سے منسلک ہوں۔ آپ ۱۱ اکتوبر ۱۹۵۹ء میں پردہ فرما گئے تھے۔ ان کی دس سالہ تربیت نے مجھے دین کا متوالا بنا دیا تھا۔ حکیم محمد موسیٰ رحمتہ اللہ علیہ کی ملاقات نے مرشدی کی یاد تازہ کر دی۔ اب فقیر گاہے گاہے حاضر ہونے لگا۔ اب تو خمیرہ، چائے کے ساتھ پان سے بھی نوازا جانے لگا۔ کتابیں، رسالے، پمفلٹ بلا قیمت عطا فرماتے۔ اکثر اوقات کتابوں، رسالوں، اخبار اور خطوط کی نقول کروا کر خود ہی بھجوا دیتے۔ مفید مشوروں سے نوازتے۔

جونہی حاضر ہوتا، مریضوں کی طرف سے ذرا توجہ ہٹا کر مجھ سے متوجہ ہوتے، بزرگان دین کے واقعات، علمی عرفانی گفتگو سے نوازتے۔ میں مدرسہ میں آکر اپنی ڈائری میں نوٹ کرلیتا۔ فقیر ان دنوں (تذکرہ بزرگان چشت اہل بہشت" لکھ رہا تھا تو آپ کا تعاون میری رہنمائی کرتا رہا۔ ایک مرتبہ فرمایا "آپ کے پردادا مرشد مرشد پاکاں حضرت سید صوفی محمد حسین حسنی حسینی سبزواری رحمتہ اللہ علیہ سلسلہ "چشتیہ صابریہ" کے مجدد تھے۔ حضرت صوفی صاحب کا تذکرہ اس وقت تک مکمل نہیں ہوگا جب تک آپ اس میں ایک خط کا ذکر نہ کریں" میں نے عرض کیا "وہ کون سا خط ہے؟" ارشاد فرمایا "محدث پاکستان مولانا سردار احمد رحمتہ اللہ علیہ نے صدر الافاضل حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمتہ اللہ علیہ کو صوفی صاحب کے عقائد، احوال و اقوال معلوم کرنے کے لئے رمضان ۱۳۵۹ء کو خط لکھا تھا۔ اسی ماہ میں حضرت صدرالافاضل نے صوفی صاحب کے عقائد کے بارے میں جواب سے نوازا تھا۔" عرض کیا "وہ خط کہاں سے ملیں گے؟" آپ نے اسی وقت کاغذ قلم اٹھایا اور مولانا جلال الدین رضوی مدظلہ کا پتا لکھ کر مجھے تھمایا۔ ان سے رابطہ کیجئے۔ میں نے مولانا کو خط لکھا۔ مولانا نے دونوں خطوط کی نقل کروا کر فقیر کو بھیج دیں۔ ایسا ہی واقعہ "تذکرہ بزرگان جالندھر" لکھتے وقت پیش آیا۔ حکیم صاحب قبلہ نے فرمایا "شیخ العالم حضرت شیخ درویش سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کے نام مکتوبات شریف میں مجدد صاحب کے دو خطوط مکتوب نمبری ۴۲-۴۱ ہیں۔ حضرت شیخ درویش کے حالات میں ان دو مکتوب کو ضرور شامل فرمائیں۔" ایسے واقعات لکھتا جاؤں تو ایک کتاب تیار ہو جائے۔ الحمدللہ اب یہ کتاب "تذکرہ بزرگان جالندھر" المعروف بہ "شمیم جالندھر" چھپ گئی ہے۔ فقیر نے اس کتاب کی تین سو جلدیں مرکزی مجلس رضا کو دے دی ہیں تاکہ حکیم صاحب مرحوم کے ایصال ثواب کے طور پر علماء و طلباء میں

مفت تقسیم کی جائے۔

فقیر کسی مریض کو بھیجتا تو پوچھتے کہ کہاں سے آئے ہو؟ وہ مریض شاہ عالمی کا نام لیتا تو آپ اس سے دوائی کے پیسے نہ لیتے۔ فرماتے "بس چشتی صاحب سے دعا کے لئے کہنا" اور دوائی کے علاوہ مریض کو چائے بھی پلاتے۔ فرمایا کرتے "بھئی تم شاہ عالمی سے جو آئے ہو"، کام کرنے والے کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ ایک مرتبہ میں کئی ماہ کے بعد حاضر ہوا۔ دیر سے حاضر ہونے کی معذرت کی۔ فرمایا "آپ جو کام کرتے ہیں وہ بہت ضروری ہے۔ ملاقات ضروری نہیں۔"

۱۷ نومبر ۱۹۹۹ء فقیر نماز ظہر کے بعد کسی کام کی غرض سے ٹاؤن شپ چلا گیا۔ دوسرے دن نماز ظہر کے وقت آپ کی وفات کا پتا چلا۔ فقیر یہ خبر سنتے ہی غم کا بوجھ لے کر باہر گیا اور اخبار پڑھا۔ آہ! اس قدر محبت اور بد قسمتی کہ نماز جنازہ میں بھی شرکت نہ ہو سکی۔ ۱۹ نومبر ۱۹۹۹ء داتا صاحب کی مسجد میں ختم قل میں شامل ہوا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون ○○

پیر علی اصغر چشتی صابری غنوی کوٹ پیر برہان الدین (بستی مٹھو) جالندھر (مشرقی پنجاب) میں ۱۱۵ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو پیدا ہوئے۔ والد گرامی کا نام چوہدری علی بخش تھا۔ (م: ۱۳۵۶ھ)۔ ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے لاہور پہنچے اور یہاں کوچہ سدھو مصر' اندرون شاہ عالم دروازہ لاہور میں رہائش پذیر ہوئے۔ ۱۹۴۹ء میں حضرت مولانا عبدالغنی صابری دوسوہی کی صحبت میں پہنچے۔ ۱۹۵۴ء میں سلسلہ عالیہ قادریہ رزاقیہ چشتیہ صابریہ میں حضرت مولانا عبدالغنی سے بیعت ہوئے اور خلافت پائی۔ ابتدائی زندگی بیگم شاہی مسجد لاہور میں گزاری۔ آپ کی مشہور تصنیف "شمیم ولایت" چھپی تو آپ ۱۹۸۴ء میں حکیم صاحب کی مجالس میں آنے جانے لگے اور حکیم صاحب کے دمِ رحلت تک آپ کے دامنِ محبت سے وابستہ رہے۔ آپ نے اپنی کتاب "شمیم جالندھر" کی تین سو جلدیں حکیم صاحب کے ایصالِ ثواب کے لیے وقف کیں اور مرکزی مجلس رضا کو تقسیم کرنے کے لیے عطا کیں۔

پتا: مدرسہ تنویر الاسلام' کوچہ سدھو مصر' اندرون شاہ عالم' لاہور

میرے دوست...... حکیم محمد موسیٰ امرتسری

لکھنے پڑھنے کا عمدہ ذوق رکھنے والے حکیم محمد امین الدین احمد خوشحالی قادری کے قلم سے اس مرد باصفا کا پاکیزہ تذکرہ جس کی رفاقت اور مجالس میں آپ نے تیس سال گزارے۔

تو مگو اندر جہاں یک بایزیدے بود و بس
ہر کہ واصل شد بہ جاناں بایزیدے دیگر است

خانوادۂ حکیم فقیر محمد چشتی نظامی امرتسری کی ایک دانا اور مسیحا صفت شخصیت حکیم فاضل، ادیب، نقاد، تبصرہ نگار، دانشور، عالم، مبلغ اسلام، علم و حکمت کا ایک روشن چراغ، مجسمہ شرافت، متانت و سنجیدگی کا پیکر، تصنع اور بناوٹ سے پاک، سادگی اور عجز و انکساری کا مجسمہ، عالی اخلاق کا حامل، امرتسر کی تہذیب و ثقافت کا مظہر، تصوف و معرفت کے علوم و نکات کا نہ صرف ماہر بلکہ راہ سلوک کا راہی، عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم، عارف باللہ، ولی کامل، نابغہ روزگار شخصیت، میرے مشفق و محترم حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم و مغفور ہم سے جدا ہو کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون○

مرحوم کی علمی مہارت اور قابلیت اور ہمہ گیر جامع بصیرت کا اندازہ ان کے مختلف کتب پر مقدمات، تقریظات اور پیش گفتار سے کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے اپنے مقدمات سے ان ارفع و اعلیٰ ہستیوں کے سوانح و حالات کا تعارف کرایا ہے جو آسمان ولایت کے آفتاب و ماہتاب ہیں۔ مثلاً حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہم اللہ --- مکتوبات

امام ربانی، عارف ربانی حضرت مجدد الف ثانی افضلیت غوث اعظم، حضرت شاہ محمد غوث رحمتہ اللہ علیہ، شیخ العصر حضرت میاں علی محمد خاں صاحب بسی شریف اور بالخصوص علامہ ابوالحسنات کے ترجمہ کشف المحجوب کا مقدمہ اور قصیدۂ غوثیہ کا مقدمہ یہ مرحوم کے وہ علمی کارنامے ہیں جن سے ان کی علمی معلومات و بصیرت، تبحر علمی اور تصوف و معرفت کے رموز پر عبور ظاہر ہوتا ہے۔ وہ خود اگرچہ قادری نظامی سلسلہ میں بیعت و خلافت سے مشرف تھے مگر مرحوم نے تقریباً تمام ہی سلسہائے عرفان کے بانیوں اور منسلکین پر قلم اٹھایا ہے۔ خواہ وہ تصانیف و تالیفات حضرت نوشہ گنج بخش کی ہوں یا حضرت سلطان باہو کی یا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اشعتہ اللمعات ہو یا اردو وظائف چشتیہ ہوں یا حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمہم اللہ اجمعین کی سوانح ہوں اور جن جن پر قلم اٹھایا، ان کی صفات و کمالات کا حق ادا کر دیا ہے بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک ایسی جامع اور ہمہ گیر شخصیت تھی کہ اب اس پائے کی ملنی مشکل ہے۔ تحریر میں ایسی سلاست، روانی اور کشش ہے کہ مضمون کو ختم کرنے سے پہلے اسے چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا ہے○

ان کے یہاں باقاعدہ درس و تدریس کا سلسلہ تو نہ تھا مگر ان کا مقام استاذ الاساتذہ سے کم نہ تھا۔ تشنگان و طالبان علم خواہ وہ ملکی ہوں یا غیر ملکی، اور بڑے بڑے اسکالرز دور و نزدیک سے ان کے پاس آتے تھے اور جب ان کے علمی مسائل کی گتھیاں کہیں حل نہیں ہوتی تھیں، ان کی مشکلات خواہ کسی موضوع سے متعلق ہوں، ان کی تسلی اور تشفی اسی آستانہ سے ہوتی تھی۔ وہ ان کی بھرپور رہنمائی فرماتے تھے اور ان کی الجھنوں کو اس انداز سے رفع کرتے تھے کہ ان کے پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل حل ہو جاتے تھے۔ جن جن کتابوں کی اس کو ضرورت ہوتی تھی۔ ان کے پتے بتاتے تھے اور وہ شخص

وہاں سے مطمئن اور شاد کام جاتا تھا۔

اور مرحوم صرف مسلمانوں ہی پر شفقت نہیں فرماتے تھے بلکہ ان کی یہ فیض رسانی ہر مذہب و ملت کے لیے عام تھی۔ مذہب و تصوف کے موضوع پر ایک مستشرق P.H.D کرنے کے لیے پاکستان آیا اور حکیم صاحب سے ملا تو حکیم صاحب نے اس کی رہنمائی کی۔ اس شخص نے اپنی تھیسس کے ابتدائیہ میں لکھا ہے "تصوف سے متعلق کون کون سے کتابیں لکھی گئی ہیں اور کہاں کہاں سے دستیاب ہو سکتی ہیں۔ اس مشکل کا حل لاہور میں صرف ایک شخص نے میری پوری پوری رہنمائی کی جس کا نام نامی حکیم محمد موسیٰ امرتسری ہے۔ وہ واقعی اس موضوع پر ایک زندہ تاریخ اور معلومات کی بنیادی اکائی ہیں○

حکیم صاحب موصوف کی زندگی عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عبارت ہے اور اپنے اسی ذوق کی تکمیل کے لیے انہوں نے ایک بہت بڑا اور بے مثال کام یہ کیا کہ مرکزی مجلس رضا کی بنیاد ڈالی۔ محض اس وجہ سے کہ امام اہل سنت مجدد دین و ملت فاضل بریلوی الشاہ احمد رضا خاں رحمتہ اللہ علیہ کی تمام تصانیف نظم و نثر' ان کی سوچ کا انداز' ان کی فکر و تحقیق کا مرکز و محور عشق رسول اور صرف عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اس پلیٹ فارم اور مجلس کے ذریعہ سے عرصہ دراز تک مولانا کی تصانیف' ان کے اقوال و ارشادات' ان کے افکار و نظریات' ان کے فتاویٰ کو کتابوں اور رسائل اور پمفلٹوں کی صورت میں طبع کرا کر مفت تقسیم کیے اور یوں عوام و خواص مسلمانوں کو دین حقہ اہل سنت و جماعت کی تبلیغ کا فریضہ عمر بھر سرانجام دیتے رہے○

حکیم صاحب مرحوم نے اپنی صحت کی پروا کیے بغیر انتھک اور مسلسل

کام کر کے مجلس رضا کی آبیاری کی۔ برسہا برس تک لاہور کے ریلوے اسٹیشن کے سامنے کی نوری مسجد میں مرکزی مجلس رضا کی شاندار کانفرنسیں منعقد کیں اور آج انہیں کی کوششوں کی بدولت نہ صرف لاہور بلکہ سارے پاکستان میں اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں رحمتہ اللہ علیہ کے عرس اور یوم منائے جاتے ہیں اور ان کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے اور "فیض رضا جاری رہے گا" کے نعرہ میں حکیم محمد موسیٰ رحمتہ اللہ علیہ کی خدمات کو بڑا دخل ہے○

قطب ربانی' غوث صمدانی' شہباز لامکانی' قندیل نورانی میراں محی الدین غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب تک کسی شخص میں یہ دو صفات نہ پائی جائیں وہ ولی نہیں ہو سکتا۔ (۱) استقامت پہاڑ جیسی اور (۲) سخاوت سمندر جیسی--- حکیم صاحب مرحوم سے تعلق رکھنے والے اس بات کے شاہد ہیں کہ اہل سنت و جماعت کے مسلک حقہ کی تبلیغ' ترویج اور ترقی' اشاعت اور اس مسلک سے متعلق ان کی تصنیفات' مقدمات اور تقاریظ اس بات کی گواہ ہیں کہ وہ پہاڑ جیسی استقامت کے حامل تھے جس پر وہ آخر وقت تک قائم رہے--- اور باقی جہاں تک سخاوت کا تعلق ہے تو وہ باوجودیکہ مالی اعتبار سے رئیس نہیں تھے مگر دل کے اعتبار سے رئیس تھے اور بڑے متواضع انسان تھے۔ دین کی راہ میں بے دریغ خرچ کرتے تھے جس کی زندہ مثال ان کی وہ بے مثال اور نہایت قیمتی کتب ہیں جن کو انہوں نے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے سپرد کر دیا۔ اس کے علاوہ ان کا مطب مشائخ عظام اور اولیاء اللہ اور اہل علم و دانشور حضرات کا ماویٰ تھا۔ تو کھانے کے وقت کھانے سے اور دیگر اوقات میں چائے اور پھلوں سے اور خاص خاص احباب کی خمیرہ سے تواضع فرماتے

تھے اور اب تو ان کی نایاب علمی کتب سے روحانی سمندر کے سوتے اور چشمے جاری ہیں ○

میرے ان سے برسہا برس سے تعلقات تھے اور تقریباً ۷-۵ سال روزانہ ہی ان کی خدمت میں حاضری دیتا تھا۔ انہوں نے اپنے گھر واپسی کے لیے مستقل رکشہ کا انتظام کیا ہوا تھا تو میں روزانہ مرحوم کے ساتھ ہی واپس آتا تھا۔ ان کے بڑے قیمتی مشورے اور رہنمائی میری تالیف و تصنیف میں مجھ کو حاصل رہی اور میری تالیف "صوفیہ نقشبند" پر انہوں نے تقریظ تحریر فرمائی اور "عرفان حق" پر سخن ہائے گفتنی کے عنوان سے تقریظ تحریر فرمائی جو میری تالیفات کی زینت بنیں ○

آخر میں یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ وہ باقاعدہ فارسی اور عربی طبی کتب کے تعلیم یافتہ دانا اور ماہر طبیب تھے۔ فیاضی میں خاص مہارت تھی۔ ان کے تجویز کردہ نسخے بہت کم قیمت ہوتے تھے اور اس قدر سستے علاج کی سہولتیں دوسرے اطباء کے مطبوں میں کم ہی میسر تھیں۔ جب بھی کسی طبی موضوع پر گفتگو ہوئی یا کسی مریض کے متعلق مشورہ ہوا تو ان کی حاذقانہ اور ماہرانہ طبی گفتگو سے بہت متاثر ہوا ○

حکیم صاحب مرحوم و مغفور کی دینی علمی خدمات کو چند لفظوں اور سطروں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ مختصر یہ ہے کہ حکیم صاحب بیک وقت ایک قابل طبیب، فاضل ادیب، محقق عصر، صوفی اور ولی، درویش اور متقی بھی تھے۔ ان کے شب و روز تسبیح و تہلیل اور درود و سلام کے اوراد میں گزرتے تھے۔ غرض یہ کہ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ یہ شعر ان پر صادق آتا ہے ؎

ڈھونڈو گے ہمیں ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت و غم اے ہم نفسو! وہ خواب ہیں ہم

بارگاہ ایزدی میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات اور مراتب بلند فرمائے۔ اپنے قرب خاص میں جگہ عطا فرمائے۔ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے اور میدان حشر میں حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی شفاعت نصیب فرمائے۔ آمین بحق طٰہٰ و یٰسین صلی اللہ علیہ وسلم۔

سید امین الدین احمد قادری خوشحالی حکیم بھی ہیں، طبیب بھی ہیں، مصنف بھی ہیں اور صوفی باصفا بھی ہیں۔ ان کے یہ سارے اوصاف حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمتہ اللہ علیہ کو پسند تھے۔ چنانچہ آپ نے حکیم صاحب کی رفاقت اور مجالس میں تیس سال گزار دیئے۔ آپ کے والدِ گرامی حکیم سید شہاب الدین احمد رحمتہ اللہ علیہ مسیح الملک حکیم اجمل خان دہلوی کے شاگردِ رشید تھے۔ آپ ۱۹۲۰ء میں دہلی سے بریلی شریف آئے اور یہاں ہی آباد ہو گئے۔ ۱۹۵۰ء تک بریلی شریف رہے۔ آپ نے اپنے والدِ مکرم سے قرآن پڑھا، ابتدائی کتابیں پڑھیں، کتابت سیکھی، فارسی میں طب کی کتابیں پڑھیں اور عربی زبان پر عبور حاصل کیا۔ مولانا عبدالعزیز محدث سے جو فاضل بریلوی کے دارالعلوم بریلی میں استاد تھے احادیث کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۵۰ء تک اپنے والد کے زیرِ نگاہ عملی طبابت کا تجربہ کیا۔ ہجرت کر کے لاہور آئے۔ آپ کے والد نے لوہاری دروازہ، لاہور میں مطب قائم کیا اور آپ کو حبیب گنج میں علیحدہ مطب بنا کر دیا۔ اس طرح آپ چالیس سال تک شاد باغ میں طبی خدمات سرانجام دیتے رہے اور آج تک آپ کا ''زاویہ'' جسمانی اور روحانی بیماریوں کی علاج گاہ ہے۔ آپ نے بریلی شریف میں مولانا حامد رضا خان، مولانا سردار احمد محدث فیصل آبادی، مولانا مصطفیٰ رضا خان جیسے اہلِ علم کی مجالس سے فیض پایا۔

لاہور کے قیام کے دوران آپ نے کئی کتابیں لکھیں۔ تصوف کی کتابوں پر مقدمات، دیباچے اور ابتدائیے لکھے۔ اس طرح آپ علمی حلقوں میں معروف ہوتے چلے گئے۔ روحانی طور پر آپ ایک صوفی باصفا ہیں۔ زاہدِ شب زندہ دار ہیں اور اہل اللہ کے عقیدت مند ہیں۔ اب بھی تصوف کی کئی کتابوں کی ترتیب و تصنیف، تالیف و تکمیل میں مصروف ہیں۔ پتا : 239 شاد باغ، لاہور

حضرت مولانا حکیم فقیر محمد چشتی امرتسری رحمتہ اللہ علیہ

حضرت حکیم فقیر محمد چشتی بن حکیم نبی بخش چشتی ۱۸۶۴ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید ناظرہ، دینیات اور طب کی کتابیں گھر پر ہی پڑھیں۔ عربی اور فارسی کی تعلیم مولوی ہاشم علی مرحوم سے حاصل کی۔ پھر حکیم مولوی محمد ابراہیم جالندھری ثم امرتسری مرحوم (المتوفی ۱۳۴۲ھ) تلمیذ امام فن حکیم امام الدین پاک پتنی (مصنف مخزن اکسیر) اور مولانا حکیم حیدر علی بجنوری سے طب کی بلند پایہ کتابیں پڑھیں۔ مولانا محمد عالم آسی امرتسری سے بھی مستفید ہوئے۔ ہندی بھی باقاعدہ پڑھی تھی۔

طریقت میں حضرت میاں علی محمد خان چشتی نظامی ہوشیارپوری رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ آپ نے ۱۹۰۰ء میں امرتسر میں مطب شروع کیا تھا جو ہمیشہ مرجع انام رہا۔ تمام زندگی دنیا کی نعمتوں سے سرفراز رہے۔ تقسیم ہند و پاک پر لاہور منتقل ہو گئے تھے۔ آپ کے مجربات و افادات عالیہ "مجربات فخر الاطباء" کے نام سے طبع ہو چکے ہیں۔ آپ کے حالات زندگی کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس کتاب کے شروع میں مسطور ہیں جو آپ کے شاگرد مولانا حکیم معین الدین کے مرقومہ ہیں۔

فخر الاطباء حکیم فقیر محمد چشتی نے ۲۲ اپریل ۱۹۵۲ء مطابق ۱۳۷۱ھ بعمر ۸۶ سال اس دار فانی سے رحلت فرمائی اور حضرت میاں میر رحمتہ اللہ علیہ کے جوار میں مدفون ہوئے۔ قبر پختہ ہے۔ لوح مزار پر قطعہ تاریخ کندہ ہے۔ اس کا تاریخی شعر یہ ہے:

تاریخ رحلتش بہ دل نامی حزیں
فوت نجیب در شب معراج آمدہ۔ ۱۳۷۱ھ

حکیم غلام قادر چشتی نظامی امرتسری رحمتہ اللہ علیہ

حکیم غلام قادر بن حکیم فقیر محمد چشتی امرتسری ۱۹۰۸ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم امرتسر ہی میں مکمل کی۔ طب کی کتب اپنے والد ماجد علیہ الرحمتہ، مولانا محمد عالم آسی امرتسری علیہ الرحمتہ (المتوفی ۱۹۴۴ء) اور مسیح الطب حکیم غلام جیلانی امرتسری علیہ الرحمتہ (المتوفی ۱۹۸۱ء مدفون راولپنڈی) سے پڑھیں۔

علم و ادب سے شغف، حکمت و طبابت میں مہارت، تصوف و روحانیت میں کمال اور کفر و ضلالت کے مقابل نبرد آزما ہونا آپ کو ورثہ میں ملا تھا۔ کٹڑہ جیمل سنگھ امرتسر سے چوک ڈھولا والا کے درمیان کا علاقہ ہندو تنظیم آریہ سماج کا مرکز تھا۔ انہوں نے اس بازار کا نام "بازار شردھا نند" رکھا۔ گستاخ رسول شردھانند کو غازی عبدالرشید علیہ الرحمتہ نے دہلی میں جہنم واصل کیا تھا۔ چنانچہ حکیم غلام قادر علیہ الرحمتہ کا مطب امرتسر شہر کے چوک فرید سے چوک پشم والے علاقے کے درمیان تھا۔ انہوں نے اس بازار کا نام "بازار غازی عبدالرشید" رکھ دیا اور ایک نمایاں بورڈ لکھوا کر اپنے مطب پر آویزاں کیا۔ جو ان کی دینی حمیت کا ثبوت تھا۔

حکیم غلام قادر صاحب نے آریوں اور مرزائیوں کے خلاف ایک اخبار "درہ محمدی" بھی امرتسر سے جاری کیا۔ آپ مولانا محمد عالم آسی علیہ الرحمتہ کے ساتھ مل کر ہفت روزہ "الفقیہ امرتسر کے ایڈیٹر حکیم معراج دین امرتسری علیہ الرحمتہ (المتوفی ۱۹۴۸ء مدفون لاہور) کے معاون خصوصی رہے۔ "الفقیہ" میں آریوں اور مرزائیوں کے خلاف آپ کے مضامین بھی شائع ہوتے تھے۔ رد قادیانیت کے سلسلے میں مسلمانوں کے جو اجتماعات قادیان ضلع گورداسپور میں ہوا کرتے تھے، آپ ان میں بھی شرکت فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی بیعت طریقت

حضرت فرید العصر میاں علی محمد خان چشتی نظامی فخری رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۱۹۷۵ء مدفون درگاہ حضرت بابا فرید گنج شکر قدس سرہ پاک پتن) سے تھی۔

آپ کے ذاتی کتب خانہ میں، جس کے بانی ان کے والد گرامی تھے، مختلف موضوعات پر بیس ہزار کتابیں تھیں جسے ۱۹۴۷ء کے فسادات میں ہندوؤں نے نذر آتش کر دیا۔ قیام پاکستان کے بعد آپ نے امرتسر سے نقل مکانی کر کے ملتان شریف میں سکونت اختیار کی۔ ملتان میں حکیم محمد یوسف نقشبندی (المتوفی ۱۹۵۱ء) مولانا حامد علی خاں رامپوری (المتوفی ۱۹۸۰ء) علامہ عتیق فکری (المتوفی ۱۹۸۶ء) اور مولانا نور احمد خاں فریدی مورخ (المتوفی ۱۹۹۴ء) سے آپ کے گہرے مراسم تھے۔

آپ نے حسین آگاہی چوک ملتان میں ایک ادارہ "دارالاشاعت علوم اسلامیہ" قائم کیا۔ اس ادارہ نے کئی اہم کتابیں شائع کیں۔ ان میں "مجربات فخر الاطباء، مرتبہ و مترجم حکیم جلال الدین امرتسری (المتوفی ۱۹۴۸ء) صفحات ۱۱۳، مطبوعہ ۱۹۶۰ء، تذکرہ آسی مرتبہ حکیم غلام قادر امرتسری، صفحات ۳۲، مطبوعہ ۱۹۵۷ء اہم کتابیں تھیں۔ برصغیر پاک و ہند کے نامور طبیب امام الحکمت و فن حکیم امام الدین پاک پتنی علیہ الرحمتہ (مصنف کتب کثیرہ و شاہی طبیب مہاراجہ رندھیر سنگھ، کپور تھلہ) کے سلسلہ تلمذ کا شجرہ مرتب فرما کر شائع کیا۔ آپ کا ایک اور علمی کارنامہ یہ بھی ہے کہ حضرت حکیم حیدر علی بجنوری علیہ الرحمتہ کی نادر و نایاب قلمی بیاض (فارسی) بنام "مطب حیدری" صفحات ۵۰ نقل کر کے ۱۹۵۹ء میں مکمل کی۔ یہ بیاض حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمتہ کے ذخیرہ کتب میں محفوظ ہے۔ علم طب میں آپ کی گراں قدر خدمات ہیں۔ آپ کا سلسلہ تلمذ وسیع ہے۔ آپ کا وصال ۲۸ جون ۱۹۷۵ء کو ملتان میں ہوا اور قبرستان حضرت حسن پروانہ رحمتہ اللہ علیہ میں دفن ہوئے۔ آپ کے ایک صاحبزادے اور جانشین حضرت حکیم محمد ابراہیم علیہ الرحمتہ تھے۔

حکیم حاجی محمد ابراہیم امرتسری رحمتہ اللہ علیہ

حکیم حاجی محمد ابراہیم بن حکیم غلام قادر امرتسری علیہ الرحمتہ ۱۹۲۷ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے خاندانی بزرگوں سے حاصل کی۔ قرآن مجید ناظرہ بابائے قرات قاری کریم بخش امرتسری (المتوفی ۱۹۶۲ء مدفون لاہور) سے پڑھا۔ عربی فارسی، صرف نحو کی کتب مفتی عبدالرحمٰن ہزاروی مدرس مدرسہ نعمانیہ امرتسر (المتوفی ۱۹۴۷ء) سے پڑھیں۔ کتب طب اپنے والد ماجد اور دادا جان سے پڑھیں۔ آپ ایم ـ اے او ہائی سکول امرتسر میں بھی زیر تعلیم رہے اور بالخصوص مولانا محمد عالم آسی امرتسری علیہ الرحمتہ سے اکتساب فیض کیا۔ آپ اپنے والد ماجد کے ساتھ ہی مطب کرتے تھے اور علمی ادبی کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ ۱۹۴۷ء میں امرتسر سے ہجرت کر کے اپنے والد ماجد کے ساتھ حسین آگاہی ملتان میں مقیم ہوئے اور یہاں بھی سلسلہ طبابت و طباعت جاری رکھا۔ آپ بہت اچھے طبیب اور صوفی منش تھے۔ ۱۹۸۳ء میں زیارت حرمین شریفین کی سعادت نصیب ہوئی۔ ۱۹۸۴ء میں آپ پاک پتن شریف میں اپنے چچا حکیم محمد شمس الدین علیہ الرحمتہ کے گھر نزیل تھے۔ یہیں ۱۴ دسمبر ۱۹۸۴ء/ ۱۴۰۵ھ کو آپ کا انتقال ہوا۔ درگاہ احاطہ حضرت خواجہ عبدالعزیز مکی رحمتہ اللہ علیہ میں اپنے چچازاد بھائی حکیم غلام فرید ابن حکیم محمد شمس الدین علیہ الرحمتہ کی قبر کے متصل دفن ہوئے۔ حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمتہ کا بیان ہے کہ حکیم محمد ابراہیم کو علامہ محمد عالم آسی امرتسری علیہ الرحمتہ سے اجازت و خلافت بھی حاصل تھی۔ حضرت حکیم محمد ابراہیم علیہ الرحمتہ نے ۹۵ صفحات پر مشتمل ایک کتاب تذکرہ مشائخ نقشبندی مجددی ترتیب دی تھی جسے ادارہ عالیہ حسین آگاہی ملتان نے شائع کیا تھا۔

حکیم محمد نورالدین چشتی امرتسری رحمتہ اللہ علیہ

حکیم محمد نورالدین بن حکیم فقیر محمد چشتی امرتسری علیہ الرحمتہ یکم ستمبر ۱۹۱۳ء/ ۲۷ شعبان ۱۳۳۱ھ بروز جمعتہ المبارک بوقت دس بجے صبح امرتسر میں پیدا ہوئے۔ ایم۔ اے۔ او ہائی سکول امرتسر سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد عربی، فارسی اور دینی علوم کی تعلیم حاصل کی۔ اساتذہ کے اسماء گرامی یہ ہیں، والد ماجد حکیم فقیر محمد چشتی نظامی امرتسری، مولانا مفتی عبدالرحمٰن امرتسری، مولانا محمد عالم آسی امرتسری، حکیم عبدالخالق نقشبندی ہوشیارپوری، مسیح الطب حکیم غلام جیلانی امرتسری۔

۱۹۳۶ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور کے طبیہ کالج سے حکیم حاذق کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ ۱۹۴۱ء میں منشی فاضل اور ۱۹۴۲ء میں ادیب فاضل پنجاب یونیورسٹی سے پاس کیا۔ مولانا محمد عالم آسی امرتسری علیہ الرحمتہ سے زبدۃ الحکماء اور مولوی فاضل کا مکمل نصاب پڑھا۔ امتحانات کا ارادہ کر چکے تھے کہ مولانا محمد عالم آسی علیہ الرحمتہ نے فرمایا کہ ایک کتاب میں خود آکر تمہیں پڑھایا کروں گا۔ اس کے لیے تمہیں میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ انہوں نے باقاعدگی سے آپ کے والد ماجد کے مطب پر تشریف لا کر تقریباً ۱۸ پارے قرآن کریم مع ترجمہ و تفسیر پڑھائے تھے کہ صاحب فراش رہ کر واصل بحق ہوئے۔ مولانا آسی کے وصال کی بنا پر یہ فیضان رک گیا اور پھر امتحانات بوجہ ملتوی ہوگئے۔ تاآنکہ آپ تحریک پاکستان میں منہمک ہوگئے۔

آپ اپنے والد ماجد علیہ الرحمتہ کے ارشاد پر حضرت میاں علی محمد خان چشتی نظامی علیہ الرحمتہ سے بیعت ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد لاہور سے ہوتے ہوئے ملتان تشریف لے گئے۔ وہاں سے اپنے مرشد طریقت کے فرمان کے مطابق ۱۹۴۸ء میں بورے والا ضلع وہاڑی میں منتقل ہوگئے۔ یہاں بھی حصول علم

و فن اور خدمت خلق کا سلسلہ جاری رہا۔ ۱۹۵۱ء میں پنجاب ایگری کلچرل کالج فیصل آباد سے فروٹ اینڈ و یجیٹیبل پریزرویشن کا کورس کیا۔ ہومیو پیتھک میں خصوصی مہارت پیدا کی۔ ۱۹۸۱ء میں جدید عربی میں مہارت حاصل کرنے کے لیے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد سے اللسان العربی کا امتحان نمایاں حیثیت سے پاس کیا۔

آپ کے پانچ صاحبزادے ہیں۔ محمد احمد مان، حکیم محمد حامد مان چشتی، محمد سعید الدین مان، محمد مزمل اللہ مان، محمد تجمل خالد مان۔ یہ تمام صاحبزادے حضرت میاں علی محمد خان چشتی علیہ الرحمتہ سے بیعت ہیں۔

تصانیف میں قرابادین قادری (فارسی) کا اردو ترجمہ، اس کے قدیم اوزان مثقال، درہم وغیرہ کو اشاری نظام میں ترتیب دیا۔ اس کے علاوہ "علاج اطفال" کے نام سے بچوں کے لیے ایک مفید کتاب لکھی۔ ۲۷ رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ / ۱۹ جولائی ۱۹۸۲ء بروز پیر کو وفات پائی۔ بورے والا ضلع وہاڑی کے بڑے قبرستان میں محو خواب ابدی ہیں۔

حکیم محمد شمس الدین چشتی امرتسری رحمتہ اللہ علیہ

حکیم محمد شمس الدین بن حکیم فقیر محمد چشتی رحمتہ اللہ علیہ تقریباً ۱۹۲۰ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم امرتسر کے مختلف اساتذہ سے حاصل کی۔ ایم۔ اے او ہائی سکول امرتسر میں پڑھنے کے بعد مفتی عبدالرحمٰن امرتسری سے عربی فارسی کی کتب پڑھیں۔ پھر اپنے والد محترم سے اکتساب علم کیا۔ علامہ محمد عالم آسی امرتسری سے علمی استفادہ کے علاوہ طب کی کتاب "حمیات قانون" بھی پڑھی۔ ۱۹۴۴ء میں طبیہ کالج لاہور ملحقہ پنجاب یونیورسٹی سے حکیم حاذق کا امتحان پاس کیا اور دوسری پوزیشن حاصل کی۔ حضرت میاں محمد علی خاں چشتی

نظامی رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے۔ ۱۹۴۷ء میں امرتسر سے ہجرت کر کے پاک پتن شریف میں قیام کیا۔ خوش نویسی میں مشہور خطاط منشی مہردین نقشبندی امرتسری رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۱۹۶۷ء مدفون لاہور) کے تلمیذ تھے۔ حضرت میاں علی محمد خاں علیہ الرحمتہ کے استاد محترم مولانا دین محمد علیہ الرحمتہ کی قبر کا کتبہ اور حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے عرس پر قوال جو غزل پڑھتے ہیں "من نیم واللہ یارا من نیم" حکیم شمس الدین کی مکتوبہ ہے اور مزار بابا فرید علیہ الرحمتہ میں آویزاں ہے۔ جن دنوں خطاط بے عدیل حافظ محمد یوسف سدیدی (المتوفی ۱۹۸۶ء) پاک پتن شریف میں حضرت میاں علی محمد خاں رحمتہ اللہ علیہ کے مزار شریف کی خطاطی کر رہے تھے تو ان دنوں ان کا قیام حکیم صاحب کے ہاں تھا۔ چنانچہ حکیم صاحب نے حافظ سدیدی صاحب سے بھی خطاطی کی اصلاح لی اور بطور یادگار ان سے ایک قلم بھی بنوایا۔

حکیم صاحب مسجد موج دریا واقع خانقاہ حضرت گنج شکر پاک پتن کے منتظم بھی تھے۔ اس مسجد کے متصل آپ نے ایک لائبریری مسعودیہ علویہ بھی قائم کر رکھی تھی۔ اس کے علاوہ زائرین مزار بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمتہ کی خدمت، پاک پتن شہر کی مساجد و مزارات کی دیکھ بھال خصوصاً مزار اقدس خواجہ عبدالعزیز مکی علیہ الرحمتہ اور ملحقہ مسجد کا کام بھی کرایا۔ پاک پتن شہر کے بازاروں کے نام بھی آپ نے ہی رکھے۔ پاک پتن شریف میں درگاہ شریف سے متصل بازار جس میں آپ کا مطب بھی تھا، اس بازار کا کوئی نام نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا اجمیر شریف میں درگاہ بازار ہے۔ لہٰذا ہم اس بازار کو "درگاہ بازار" کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔

آستانہ حضرت گنج شکر اور مسجد موج دریا کے باہر ریلوے ٹائم ٹیبل خود لکھ کر لگواتے تاکہ زائرین کو سہولت رہے۔ جناب میاں زبیر احمد ضیائی سجادہ

نشین حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے حکیم صاحب کی خدمات کے سلسلے میں بیان فرمایا کہ وہ جب پاک پتن شریف میں قیام پذیر ہوئے تو یہاں سٹریٹ لائٹ کا انتظام نہ تھا- چنانچہ عرس کے دنوں میں حکیم شمس الدین صاحب روشنی کے لیے گیس رکھواتے تاکہ مسافروں کو کسی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے- عرس کی تقریبات شروع ہونے سے پہلے سارے پاک پتن شریف کی مساجد کے دستی پمپ درست کرواتے اور تمام مساجد کی گھڑیوں کو بھی درست کرواتے-

آپ کا انتقال ۲۱ ذوالحجہ ۱۴۱۳ھ/ ۱۴ جون ۱۹۹۳ء کو ہوا- قبرستان خواجہ عبدالعزیز مکی رحمتہ اللہ علیہ (پاک پتن) کے جوار رحمت میں دفن ہوئے- آپ کے صاحبزادے حکیم سدید الدین صاحب آپ کا مطب چلا رہے ہیں-

حکیم محمد جلال الدین جلال امرتسری رحمتہ اللہ علیہ

حکیم محمد جلال الدین بن حکیم فقیر محمد چشتی امرتسری رحمہما اللہ تعالیٰ ۱۹۲۱ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے- ایم — اے او ہائی سکول امرتسر سے میٹرک کا امتحان امتیازی حیثیت میں پاس کیا- مفتی عبدالرحمٰن امرتسری مدرس مدرسہ نعمانیہ واقع مسجد شیخ بڈھا امرتسر سے علوم دینیہ کی تحصیل کی- عربی پڑھنے کے لیے علامہ محمد عالم آسی امرتسری علیہ الرحمتہ کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا- خوش نویسی امرتسر کے مشہور خطاط بابائے نیچرو پیتھی حکیم مہرالدین نقشبندی مجددی (مدفون لاہور) سے سیکھی- حضرت سائیں علی بخش امرتسری (مدفون کامونکی ضلع گوجرانوالہ) خلیفہ بابا شیخ محمد مستقیم چشتی علیہ الرحمتہ مدفون موضع کاکڑ منج ضلع امرتسر جو علم کیمیا، سیمیا، ریمیا اور موسیقی کے بڑے ماہر تھے- حکیم جلال الدین صاحب کے ان سے بڑے گہرے روابط تھے اور یہ دونوں حضرات گھنٹوں ان موضوعات پر تبادلہ خیالات کرتے رہتے تھے-

حکیم صاحب نے حضرت میاں علی محمد خاں چشتی قدس سرہ کے دست حق پرست پر بیعت کی تھی۔ آپ ایک اچھے طبیب ہونے کے ساتھ ساتھ فارسی اردو اور پنجابی میں مشق سخن بھی کرتے تھے۔ تحریک پاکستان کے سرگرم رکن رہے۔ قیام پاکستان کے بعد لاہور آ گئے اور مختصر قیام کے بعد اپنے بڑے بھائی حکیم محمد شمس الدین علیہ الرحمتہ کے ہمراہ پاک پتن شریف چلے گئے اور وہاں "جلالی دواخانہ" کے نام سے ایک دوا ساز ادارہ قائم کیا۔ اپنے والد ماجد حکیم فقیر محمد چشتی علیہ الرحمتہ کی فارسی بیاض کا اردو ترجمہ کیا جو "مجربات فخر الاطباء" کے نام سے دارالاشاعت علوم اسلامیہ حسین آگاہی ملتان سے، ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی۔ آپ نے عالم شباب میں بہ عمر ۲۸ سال مورخہ ۲۰ جمادی الثانی / ۳۰ اپریل ۱۹۴۸ء بروز جمعہ انتقال فرمایا۔ حضرت مولوی حاجی عبدالرحیم موذن نے غسل دیا اور حضرت میاں علی محمد خاں قدس سرہ نے درگاہ حضرت گنج شکر قدس سرہ میں نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت عبداللہ شاہ ولی علیہ الرحمتہ ابن حضرت گنج شکر قدس سرہ کے جوار میں دفن ہوئے۔

حکیم محمد موسیٰ چشتی قادری امرتسری رحمتہ اللہ علیہ

حکیم محمد موسیٰ بن حکیم فقیر محمد چشتی امرتسری رحمہما اللہ تعالیٰ ۲۸ صفر ۱۳۴۶ھ / ۱۲ / ۷ اگست ۱۹۲۷ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے۔ قرآن کریم ناظرہ قاری کریم بخش امرتسری سے پڑھا۔ فارسی اور عربی گرائمر کی تعلیم مفتی عبدالرحمٰن ہزاروی امرتسری سے حاصل کی۔ پھر علامہ محمد عالم آسی امرتسری سے استفادہ کیا۔ والد ماجد مولانا حکیم فقیر محمد چشتی سے بھی علم طب اور مثنوی مولانا روم کے کچھ اسباق پڑھے۔ ۱۹۳۸ء میں میاں علی محمد خاں چشتی نظامی قدس سرہ سے بیعت ہوئے۔ ۱۹۷۴ء میں قطب مدینہ شیخ ضیاء الدین احمد مہاجر مدنی قدس سرہ سے سلسلہ

قادریہ میں بیعت ہوئے۔ حضرت مدنی علیہ الرحمتہ نے خلافت سے نوازا۔ مدینہ منورہ کے اور بزرگوں سے بھی اجازتیں ملیں۔ علم و ادب کی خدمت کرتے ہوئے ۱۷ نومبر ۱۹۹۹ء کو لاہور میں وفات پائی۔ حضرت میاں میر قادری علیہ الرحمتہ کے احاطہ مقابر چشتیاں میں مدفون ہوئے۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ مرکزی مجلس رضا کا قیام ہے جس سے آپ نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کے افکار و عقائد کو دنیائے اسلام میں پھیلایا تھا۔

(ڈاکٹر حکیم غلام مرتضیٰ امرتسری)

ڈاکٹر حکیم غلام مرتضیٰ بن حکیم فقیر محمد چشتی امرتسری علیہ الرحمتہ ۱۷ دسمبر ۱۹۴۱ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے۔ (آپ کے پاسپورٹ پر تاریخ پیدائش ۱۷ اکتوبر ۱۹۴۱ء درج ہے) آپ حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے چھوٹے بھائی تھے اور مختلف علوم و فنون کے ماہر تھے۔ ہومیو پیتھک کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی۔ یونانی علم طب انہیں وراثت میں ملا۔ رجسٹرڈ طبیب درجہ اول تھے۔ جرمن، فرنچ اور انگلش زبانوں کو خوب جانتے تھے۔ ۶ اکتوبر ۱۹۹۷ء کو لاہور میں وفات پائی۔ قبرستان حضرت میاں میر علیہ الرحمتہ میں "احاطہ مقابر چشتیاں میں" آسودۂ خاک ہوئے۔

خلیل احمد رانا ولد حکیم خواجہ محمد خان مرحوم جہانیاں منڈی ضلع خانیوال میں ۸ فروری ۱۹۵۱ء کو پیدا ہوئے۔ روایتی تعلیم تو میٹرک تک ہے مگر علمی اور دینی کتابوں کے مطالعہ نے انہیں اہل علم و فضل کی صف میں لاکھڑا کیا ہے۔ آپ کی تحقیقی تحریریں دنیائے اہلسنت میں متعارف ہوئیں تو اہل علم نے آپ سے رابطے کرنا شروع کیے۔ آج سے بیس سال قبل آپ نے حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی مرکزی مجلس رضا کی رکنیت حاصل کی تو حکیم صاحب نے انہیں اپنے رفقائے تحریر میں لے لیا اور مجلس کے انتظامی اور اشاعتی امور میں حصہ لینے لگے۔ جہانیاں میں رہتے ہوئے وہ حکیم صاحب کے اتنے قریب ہو گئے جیسے وہ حکیم صاحب کے

دوسرے کمرے میں بیٹھے کام کر رہے ہوں۔ قطب مدینہ حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو حکیم صاحب نے آپ کو 'انوار قطب مدینہ' مرتب کرنے پر آمادہ کیا۔ آپ نے اس کتاب کو بڑی محنت اور جانفشانی سے مرتب کیا اور بعد میں اسے مرکزی مجلس رضا نے شائع کر کے تقسیم کیا تو رانا صاحب پر ہر طرف سے داد و تحسین کے پھول برسنے لگے اور وہ خیابانِ رضویت کے گلِ رعنا بن کر مہکنے لگے۔

پتا: نعمان اکیڈمی، جہانیاں منڈی، ضلع خانیوال

حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی آخری آرام گاہ

سید محمد سرفراز قادری ایم اے چودہ سال تک حکیم صاحب کے رفیقِ کار رہے۔ اس طویل عرصہ میں وہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری کو ان کے والدین کے مزارات کی زیارت اور تزئین و ترتیب کے ہر لمحہ آپ کے ساتھ رہے۔ جب حکیم صاحب نے داعی اجل کو لبیک کہا تو وہ ان کے آخری سفر کے ہمسفر ہی نہ تھے بلکہ ان کی آخری آرامگاہ کے نگران بھی ہیں۔ آپ ان کی دلدوز تحریر کو سامنے رکھتے ہوئے محسوس کریں گے کہ ان کے مخدوم کہہ رہے ہیں ؎

مرا زندہ پندار چوں خویشتن!

قبلہ پیر صاحب حکیم اہل سنت رحمتہ اللہ علیہ حضرت میاں میر قادری لاہوری سے تعلقِ خاص رکھتے تھے اور یہ تعلق نصف صدی پر محیط ہے۔ یہ مرد درویش گوناگوں علمی، طبی اور گھریلو مصروفیات سے وقت نکال کر درگاہ حضرت میاں میر حاضری دیتے اور اپنے والدین کے مزارات پر باقاعدگی سے حاضر ہوتے۔ غالبًا یہ بات کم لوگوں کو معلوم ہے کہ استاذ الاساتذہ حکیم اہل سنت میاں میر کے وسیع قبرستان اور درگاہ پاک پر جاتے تو اپنے ہاتھوں سے صبح سے شام صفائی کرتے اور نہایت فیاضی سے خرچ کرتے اور یوں آپ کی زندگی کا یہ پہلو فقر و سخاوت کی عملی تصویر بن کر سامنے آتا ہے۔

آپ کے والد محترم حکیم فقیر محمد چشتی علیہ الرحمہ کا وصال لاہور میں ۱۹۵۲ء کو ہوا تو آپ نے کم از کم ہر جمعتہ المبارک حضرت میاں میر کے مزار پرانوار پر حاضری دینا اپنا معمول بنا لیا۔ آپ کے والد بزرگوار کا مزار درگاہ میاں میر کی جنوبی دیوار سے متصل باہر ایک چھوٹے قبرستان میں ہے۔ احقر کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ سعادت حاصل رہی کہ قبلہ

حکیم صاحب تقریباً ۱۵ برس مزارِ حضرت میاں میر پر بندہ کے ساتھ موٹر سائیکل پر تشریف لے جاتے رہے۔ آپ جمعہ کے روز باقاعدگی سے جاتے اور بعض اوقات ہفتہ میں دو بار سے زائد مرتبہ بھی جاتے اور یہاں حاضری کے لیے اس قدر بے تاب ہوتے کہ تقریباً ۷۴ برس حاضری دینے کے باوجود جب واپس آتے تو فرماتے کہ دعا کریں ہم اگلے جمعہ پھر حاضر ہوں اور فلاں کام مکمل ہو جائے اور آپ کی یہ خواہش بھی تھی کہ میاں میر کے زیر سایہ میاں میر کالونی میں مکان خرید کر یہاں سکونت اختیار کر لی جائے۔

مزار پاک پر بڑے ادب سے حاضری دیتے، پھول ڈالتے اور دعا کے بعد باہر آکر فقراء اور خدام میں نذرانہ تقسیم فرماتے۔ آپ کا یہ معمول تھا کہ گھر اور مطب پر ہوتے تو پورا ہفتہ میاں میر صاحب جانے کی تیاری کرتے رہتے۔ مقدس کاغذات تھیلوں میں بھر کر لے جاتے اور انہیں قبرستان میں دفن کرتے۔ ان میں استعمال شدہ قلمیں ادویات کی چھان، اخبارات کے دینی کالم، مقدس نام، کھجور کی گٹھلیاں اور دیگر پاک اور مقدس اشیاء شامل ہوتیں۔

درگاہ کے خدام اور باہر بیٹھے درویش اگر بیمار ہوتے تو ادویات دیتے۔ ننگے ہوتے تو کپڑے جوتے دیتے اور کتابوں کے علاوہ نقدی بھی تقسیم فرماتے۔ جب جاتے، پچاس، سو روپے کے سکے جیب میں ڈال لیتے تاکہ درویشوں میں تقسیم کرنے میں آسانی ہو۔

محترم حاجی عبدالغفور صاحب قبلہ حکیم صاحب کے قریب ہی رہتے ہیں۔ حضرت سے بہت محبت و عقیدت رکھتے ہیں۔ حاجی صاحب نابینا ہیں۔ تقریباً ہر روز شام کو آجاتے۔ اگر نہ آتے تو مجھے فرماتے جاکر لے آؤ۔ حاجی صاحب نے مجھے فرمایا کہ اس مضمون میں لکھو کہ حکیم صاحب کے رزق حلال میں کتنی برکت تھی۔ مختصر سے مطب کے باوجود میاں میر میں غرباء میں محلے میں وہ کس قدر فراخدلی سے سخاوت فرماتے تھے۔

ایک بار سخت سردی کے موسم میں ایک درویش کو دیکھ کر فرمایا اس نے

مجھے گرم چادر کا کہا تھا یاد نہیں رہی اور پھر اسی وقت اپنی چادر اتاری اس خوش قسمت کو عطا فرما دی۔ یقیناً خوش قسمت فقیر تھا وہ درویش بھی جس کے لیے آپ جوتا لے جانا بھول گئے اور اپنا جوتا اتار کر اسے دے دیا اور خود موٹر سائیکل پر جوتے کے بغیر میرے ساتھ گھر تشریف لائے اور احقر کے اصرار کے باوجود میرا جوتا نہ پہنا۔

احقر نے ایک مرتبہ عرض کیا حضرت یہ ملنگ لوگ نشہ وغیرہ کرتے ہیں اور آپ ان کی خدمت فرماتے ہیں۔ فرمایا "اے ہر ویلے میاں میر دے کول رہندے نے" یعنی یہ ہر وقت میاں میر کے پاس رہتے ہیں اور فرمایا قریب رہنے والا کتا دور رہنے والے بھائی سے بہتر ہوتا ہے۔

مقابر کی تعمیر، تزئین اور قبرستان کی صفائی و نفاست رکھنے میں آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا۔ کتبے کے لیے اعلیٰ پتھر خرید کر اس کی کتابت اور کشیدہ کاری بڑے اہتمام سے کراتے۔ جو عبارت تحریر فرماتے وہ اپنے اندر پوری تاریخ لیے ہوتی۔ آپ کے والد محترم کے مزار مبارک پر جو کتبہ ہے اس کی کتابت عالمی شہرت یافتہ خطاط حضرت حافظ محمد یوسف سدیدی اور پتھر کے دوسری جانب حاجی محمد اعظم منور رقم کی ہے۔ حافظ محمد یوسف صاحب ۱۳ ستمبر ۱۹۸۶ء کو اور حاجی محمد اعظم صاحب ۱۲ جنوری ۹۷ کو واصل بحق ہوئے۔

محترم پیر محمد موسیٰ صاحب یہاں صرف اپنے والد محترم کے مزار کی صفائی نہ کرتے بلکہ اردگرد کی قبروں کی صفائی کرواتے۔ جو قبور پختہ نہ تھیں، انہیں پختہ کرایا اور فرش تو مکمل آپ نے ہی پختہ کرایا۔ یہاں ایک قبر کابل کے کسی سید زادے صاحب کی ہے۔ اس کے اوپر ایک پتھر اس طرح لگایا گیا تھا کہ قبر پر لٹا دیا گیا تھا۔ یہ پتھر ٹوٹ گیا تو آپ نے اس پتھر کی عبارت تحریر کروا کر نیا پتھر سرہانے کی جانب لگوایا اور فرمایا دیکھو یہ سید کابل سے تمہارے پاس آیا ہے اور تم اس

کی قدر نہیں کرتے پتھر بھی لگواؤ اور صفائی بھی کیا کرو۔

یہاں درگاہ میاں میر کی چاردیواری میں بھی ایک وسیع قبرستان ہے۔ آپ اس کی صفائی بھی کرواتے اور یہاں سفیدے اور پھولوں کے پودے بھی لگواتے۔ نیز عرس سے پہلے اور بعد بطور خاص صفائی کرائی جاتی۔

درگاہ میاں میر کے دائیں جنوبی دروازے سے جنوب کی جانب چلیں تو ایک بڑا قبرستان آتا ہے۔ یہاں حضرت ننھا دیوان قادری قدس سرہ کا مزار مبارک ہے۔ آپ حضرت میاں میر بالا پیر لاہوری کے خاص الخاص مرید ہیں۔ آپ نے تمام عمر پیر روشن ضمیر کی خدمت میں بسر کردی اور پیر صاحب بھی رات کو کسی اور دوست اور مرید کو اپنے پاس سوائے میاں ننھا کے نہ رہنے دیتے۔

میاں ننھا کی وفات سفینہ الاولیاء کے مطابق ۱۰۲۷ھ مطابق ۱۶۱۸ء میں ہوئی۔

سائیں ننھا صاحب کے مزار سے تقریباً ۱۰۰ گز پہلے بائیں جانب مڑیں اور کچھ قبور عبور کریں تو سامنے "احاطہ مقابر چشتیاں" کا خوبصورت پتھر نظر آتا ہے۔ حکیم اہل سنت کی والدہ محترمہ، بھائی، بہن، بہنوئی، ماموں اور اب خود حضرت کا مزار پرانوار اسی احاطہ میں ہے۔ آپ نے ان قبور کے اردگرد چند سال قبل ایک چھوٹی دیوار تعمیر کرادی تھی اور اس کا باقاعدہ سنگ بنیاد صاجزادہ میاں زبیر احمد ضیائی مدظلہ العالی کے دست مبارک سے رکھوایا تھا۔ اس احاطہ کے قریب ہی حکیم عبدالواحد چشتی رحمتہ اللہ علیہ اور ان کی زوجہ محترمہ کی قبور ہیں۔ یہ خاصا بڑا قبرستان ہے۔ اس احاطہ کے قریب ہی آپ نے ضروری اشیاء مثلاً کلہاڑی، آری، پانی کاٹن، باغبانی اور دوسرے تعمیراتی اوزاروں کے علاوہ خور ونوش کے ضروری برتن رکھنے کے لیے ایک چھوٹا سا کمرہ تعمیر کرا کے مقفل کر دیا

تھا جو اب بھی موجود ہے۔ اس قبرستان میں آپ نے سفیدے کے جو درخت لگوائے تھے اب خاصے بڑے ہو گئے ہیں۔

ایک مرتبہ فرمایا "یہ فقیر کی درگاہ ہے۔ فقیر کسی کے آگے نہیں جھکتا (سوائے اللہ تعالیٰ کے) اور یہ درخت بھی سیدھا ہی جاتا ہے۔ اس لیے یہی درخت لگاؤ۔ یہی کلمات آپ نے درگاہ میاں میر کے اندر درخت لگواتے ہوئے بھی فرمائے تھے۔ نیز سفیدے کا پودا قبروں کو بھی نقصان نہیں پہنچاتا۔ سفیدے کے علاہ املتاس، مروہ اور ایک پودا نیم کا بھی لگوایا۔

پودے لگوانے کے بعد ان پر "بحق خواجہ گنج شکر" اور "الٰہی خیر گردانی بحق شاہ جیلانی" کا دم کرتے رہتے اور کبھی کبھی اصحاب کہف کے اسمائے گرامی والا تعویذ بھی باندھ دیتے۔ تاکہ یہ درخت آوارہ لڑکوں کے شر سے محفوظ رہیں۔ نیز قبور پر بھی مذکورہ تعویذ اور "دعائے حضرت انس چسپاں کی جاتی اور اس طرح قبریں اور مزارات بد عقیدہ لوگوں کے شر سے محفوظ رہتیں۔

زندگی کے آخری چند سالوں کے علاوہ یہ معمول رہا کہ علی الصبح بروز جمعہ میاں میر چلے جاتے۔ نماز جمعہ وہیں پڑھتے۔ مطب کا ملازم آپ کے ہمراہ ہوتا۔ خود جوانوں سے زیادہ کام کرتے۔ ذکر اذکار بھی کرتے رہتے۔ اکثر تسبیح ہاتھ میں ہی ہوتی۔ آخری چند سالوں میں عصائے موسوی بھی آپ کے دستِ مبارک میں ہوتا۔ میاں میر کے قبرستان میں اس سے بہت سے کام لیے جاتے۔ مثلاً گڑھوں میں کاغذ دفنانے کے لیے اور جب کوئی درخت کی فالتو شاخیں کاٹنے کے لیے درخت پر چڑھتا تو آپ نیچے سے اپنا عصا اس میں ڈال کر نیچے کھینچتے یہاں بھی آپ کا لنگر مطب سے کم نہ تھا۔ آنے والے احباب کی تواضع کے لیے چائے، پھل، چنے، جوس، دوپہر کا کھانا، بوتل ہر چیز میسر ہوتی۔

ایک مرتبہ فرمایا لوگ چھٹی کے دن پکنک پر جاتے ہیں۔ ہمارا پکنک پوائنٹ

تو یہی ہے۔ درگاہ شریف کے کبوتروں کو باجرے کے دانے ضرور ڈالتے۔ فرمایا ایک مرتبہ درگاہ میں ایک شخص ملا۔ کہنے لگا میں نے ۴۰ سال قبل بھی آپ کو یہاں دیکھا تھا۔ آپ یہاں مسلسل کیوں آتے ہیں؟ فرمایا "یہاں آکر مجھے سکون ملتا ہے" گویا آپ درگاہ حضرت میاں میر کی حاضری اور خدمت گزاری اس طرح انجام دیتے کہ بارش و طوفان میں بھی چھٹی نہ ہونے پائے۔

نیز یہاں صفائی وغیرہ کے ساتھ ساتھ علم و تحقیق کا کام جاری رہتا۔ مقابر کے کتبوں کی اغلاط کی نشاندہی فرماتے۔ فن کتابت اور تاریخی شخصیات کے حوالے سے مقابر کی نشاندہی فرماتے۔ تحقیق وفیات کے سلسلہ میں پروفیسر محمد اسلم مرحوم اور محترم محمد عالم مختار حق صاحب بھی کبھی کبھی قبرستان میاں میر آتے۔

حضرت کے وصال کے بعد راقم نے محترم اسحاق صاحب خدمت گزار مزار سائیں نتھا سے کہا کہ قبلہ پیر صاحب یہاں مسلسل ۴۷ برس حاضری دیتے رہے تو انہوں نے کہا اس سبق میں کبھی چھٹی نہیں۔ اس طرح مجھے اس شعر کی تشریح سمجھ میں آئی

مکتب عشق کا دیکھا ہے نرالا دستور
اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

اگر مجھے کوئی مشکل پیش آتی تو آپ فرماتے درگاہ میاں میر پر مزدور سے صفائی کرانے کی منت مانو۔ اس کام کے ہو جانے پر آپ خود ہی فرماتے کہ اس جمعہ مزدور لگاؤ۔ پھر مزدور کے ساتھ راقم بھی صفائی کرتا اور حضرت قبلہ پیر صاحب بھی برابر شریک ہوتے اور پھر مزدوری بھی خود ہی عطا فرماتے۔ یہاں جن خوش نصیبوں کو خدمات کی سعادت ملی، چند اسماء یہ ہیں:

بابا باز خان، شکیل منہاس، ملک منظور احمد، ملک عباس شریف، بابا بوٹا مالی،

بابا فیروز دین، خالد صاحب، صوفی محمد اتفاق رکشے والا، قاضی صلاح الدین اور ان کے دونوں بڑے صاحبزادے، محمد عامر، ڈاکٹر اخلاق احمد رخشانی (مرحوم و مغفور) راقم الحروف اور مستری عبدالرشید۔ آپ کے خصوصی رفقاء اور خادم تھے۔

مستری عبدالرشید کو مروجہ مزدوری سے زیادہ عطا فرماتے۔ وہ مستری تھا مگر قبور کی تعمیر حضرت پیر صاحب قبلہ نے ہی اسے سکھائی تھی۔ فرماتے قبریں بنانے میں میں تیرا استاد ہوں۔ مزدوری کے علاوہ سارا مہینہ راقم کے ذریعہ اس کی مالی امداد جاری رہتی اور ادویہ بھی بھیجتے رہتے۔ مستری یہ دونوں چیزیں دولت خانہ سے حاصل کرلیتا۔ تقریباً ۵ برس قبل اپنی والدہ محترمہ کے پہلو میں حضرت نے اپنے مزار مبارک کی جگہ اسی مستری سے تعمیر کرالی تھی۔

قبرستان میں اگر جمعہ کے علاوہ یا کسی ایسے وقت تعمیر و صفائی کا کام ہوتا جب آپ تشریف فرما نہ ہوتے تو مطب کے ملازم کے ہاتھ احقر و دیگر مستری مزدور کے لیے کھانے پینے کی اشیاء جن کے ساتھ شکر ضرور شامل ہوتی۔ ہمراہ ہدایت نامہ ارسال فرماتے۔ حضرت کے ہاتھ کی ایک تحریر بتاریخ ۱۶ جون ۱۹۹۵ء کی تحریر ملاحظہ ہو۔

ضروری باتیں : "مستری صاحب کھڑکی نکال دیں اور اینٹیں لگا کر دونوں طرف سے پلستر کر دیں۔ کھڑکی کے باہر والی جانب جو تھڑی بنائی ہوئی ہے، پلستر سے پہلے اسے توڑ دیں۔ حاجی شیر محمد کی قبر کی مرمت کر دیں۔ اس کی قبر کی توڑ پھوڑ ہم نے کی ہے۔ نیچے والی قبروں میں دو تین جگہ سیمنٹ ٹوٹا ہے وہاں سیمنٹ لگادیں تاکید ہے ۔

اس کے علاوہ اور کوئی کام نہیں کرنا۔ اندر جانے کے لیے تھڑی بنانے کا کام پھر کیا جائے گا۔ سوچ سمجھ کر۔ محسن رضا صاحب کو کہیں کہ رات کو مجھے گھر ملیں کسی کا کام ہے، معلومات درکار ہیں۔ باجرہ اور پودوں کو پانی ڈالنا ہے۔

"مرکزی مجلس رضا" کی کتابوں کے اخراجات کے بارے میں اور پھر میاں میر کے قبرستان پر اٹھنے والے خرچ کے حوالے سے بندہ نے سوال کیا کہ حضرت آپ کے پاس اتنے پیسے کہاں سے آتے ہیں۔ فرمایا "اللہ تعالیٰ کے چلائے دریا کبھی نہیں رکتے"۔

دریا دلی، سخاوت و فیاضی کی ایسی مثالیں ڈھونڈنا بہت مشکل ہیں۔

فرمانے لگے دیکھو لوگ کہتے ہیں "حکیم" قبروں پر فضول پیسہ خرچ کرتا ہے۔ فرمایا قبور پر کھلا پیسہ خرچ کرو تو بات بنتی ہے۔ فرمایا ایک بادشاہ ایک مزار بنوانا چاہتا تھا۔ اس نے ماہر فنِ تعمیر کو بلایا اور اپنا وزیر خزانہ اس کے ساتھ بھیج دیا۔ راستے میں دریا تھا۔ کشتی جس میں سامان اور اشرفیاں تھیں، اس ماہر نے اشرفیوں کی ایک تھیلی دریا برد کر دی۔ وزیر موصوف نے شور ڈال دیا۔ ماہر نے کہا واپس چلو۔ وزیر نے سارا واقعہ بیان کیا۔ بادشاہ نے دوسرا وزیر ساتھ بھیجا۔ ماہر نے پھر ایک تھیلی دریا برد کر دی۔ اس پر وزیر نے دو تھیلیاں دریا برد کر دیں۔ ماہر نے کہا "ہاں تم میرے ساتھ کام کر سکتے ہو"۔

آپ "درویش اور فقیر" تھے۔ مگر سخاوت اور خرچ بادشاہوں سے زیادہ تھا۔ بادشاہ تو اپنے لیے بھی بچا رکھتے ہیں مگر اکثر ایسا ہوا کہ آپ اپنی جیب خالی کر کے گھر لوٹتے۔ گویا "۵۵ ریلوے روڈ کا خانخاناں" ہر جگہ ہی خانخاناں ہوتا۔

وہ شخص ہم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیا
لایا تھا آسمان جسے خاک چھان کر

آیئے اسی بات کے تسلسل میں حضرت پیر صاحب قبلہ کی حضرت میاں میر سے مماثلت ملاحظہ فرمائیں۔

کسی صحبت کے اثرات مرتب ہونا فطری بات ہے۔ یوں تو خودداری، فقر، درویشی اور علم و حکمت آپ کو موروثی اور اپنے پیرو مرشد میاں علی محمد صاحب

علیہ الرحمہ سے عطا ہوئے تھے مگر درگاہ میاں میر مسلسل حاضری اور قلبی و روحانی نسبت کے زیر اثر مزاج کا پروان چڑھنا بھی لازمی امر ہے۔

"حضرت میاں میر کی بارگاہ میں شاہجہاں، دارا شکوہ اور اورنگ زیب نے حاضری دی۔ اس کے علاوہ جہانگیر اور دیگر امراء بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔

آپ بادشاہوں سے نفور تھے ایک بار جہانگیر بادشاہ کے کوئی شے طلب کرنے پر فرمایا تھا کہ "میری خواہش یہی ہے کہ مجھے تکلیف ملاقات نہ دی جائے" چنانچہ جہانگیر نے یہ وعدہ پورا کیا۔

قبلہ پیر صاحب بھی ساری زندگی بادشاہوں، امرا اور دنیاداروں سے دور اور نفور رہے تھے۔ ان کی شان میں کچھ لکھنا اور کچھ کہنا قطعاً ناپسند فرماتے۔ چنانچہ الحمدللہ آپ کے متوسلین کی بھی یہی تربیت ہوئی۔ احباب بخوبی جانتے ہیں کہ بادشاہ وقت جنرل ضیاء الحق کی جانب سے بلاوا آیا تو آپ نے دعوت نامہ ردی کی ٹوکری کی نذر فرما دیا۔ پھر دوسرے بادشاہ وقت نواز شریف نے متعدد بار ملاقات کے لیے مطب پر حاضری دی تو آپ نے ملاقات سے انکار کر دیا۔ اسی طرح یہ عرض کرنا یقیناً بے محل نہ ہوگا کہ جب "ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی" کی جانب سے لاہور کے آواری ہوٹل میں کانفرنس ہوئی تو وزیر اعظم کے بھائی میاں شہباز شریف کی زیر صدارت آپ کو احمد رضا کانفرنس میں گولڈ میڈل پیش کرنے کے لیے بلایا گیا تو آپ تشریف نہ لے گئے۔ بعدہ معلوم ہوا کہ وہ میڈل نگران "مرکزی مجلس رضا" کو دے دیا گیا ہے تو آپ نے پیرزادہ اقبال احمد فاروقی سے راقم کے ہاتھ ایک رقعہ ارسال فرمایا اور فرمایا کہ فاروقی صاحب یہ میڈل انہیں واپس دے دیں۔ ہم اعلیٰ حضرت پر کام کرنے کا انعام وزیروں امیروں سے نہیں لیتے۔ چنانچہ یہ طلائی میڈل واپس کر دیا گیا۔ آپ کے

اس اقدام سے اہل سنت کے سر فخر سے بلند ہوگئے۔ ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۹ء میں نواز شریف، شہباز شریف کے گرفتار ہونے پر احقر اور حاجی عبدالغفور صاحب سے فرمایا کہ "دیکھا ہم جیت گئے"۔

وصال مبارک: ۸ شعبان المعظم ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۷ نومبر ۱۹۹۹ء کو آپ کے وصال کی بات آپ کے اہل خانہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے روز وصال صبح قہوہ اپنے ہاتھ سے تیار فرمایا اور اپنی زوجہ محترمہ کو بھی دیا۔ مطب پر آئے، تھوڑی سی قے آئی اور درِ دولت واپس تشریف لے آئے۔ فرمایا جسم میں تھوڑی سی درد ہو رہی ہے۔ گھر والے دبانے لگے پھر کوئی معمولی سی دوا کھائی۔ قہوہ الائچی، سبز چائے اور دار چینی پیا۔ پھر کچھ وقفہ کے بعد دو مرتبہ کہا "اللہ ہو، اللہ ہو" اور تقریباً بوقت پونے بارہ دوپہر اللہ رب ذوالجلال اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جا پہنچے۔

ع اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا!

راقم کو تقریباً ایک بجے اطلاع ملی، یقین نہ آیا کہ ہمارے پیر صاحب چلے گئے ہیں۔ درِ دولت پر پہنچا۔ قبلہ میاں زبیر احمد صاحب اور ریاض ہمایوں صاحب سعیدی غم سے نڈھال باہر بیٹھے نظر آئے۔ احقر نے روتے ہوئے کہا "میاں صاحب کہہ دیں یہ اطلاع غلط ہے، یہ جھوٹ ہے" مگر وہ تو خود کسی سے یہی سننا چاہتے تھے کہ کاش ابھی کچھ وقت اور آپ سے نشست کا موقع مل جاتا۔ کاش ہم آپ کی کچھ اور خدمت کر لیتے۔ ہم تو کچھ کر ہی نہیں سکے۔ کیا غلطی ہوگئی کہ آپ ہم سے اچانک روٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ نے ہم سے اپنا فضل واپس لے لیا۔ آپ بلاشبہ کامل مرد درویش تھے۔ احقر مستری رشید کے ساتھ قبرستان پہنچا۔ جب آپ کے اس مدفن کی قبر کشائی کی جسے آپ نے خود تعمیر کرایا تھا تو قارئین یقین کیجئے کہ یہ جگہ ۵ سال قبل تعمیر کے بعد بند کر دی گئی تھی۔ اندر کوئی کیڑا

مکوڑا یا جالا وغیرہ نظر نہ آیا- ایک خوشبو تھی جو ہر طرف بکھر گئی- خوشبو ہی خوشبو- آپ فنا فی اللہ کے درجہ پر فائز تھے- آپ ہمیشہ صابر و شاکر تھے- آپ کا سب کچھ اللہ کے لیے ہی تھا تو پھر ایسا کیوں نہ ہوتا-

غسل مبارک اور نماز جنازہ: غسل کے انتظامات میں محترم فاروق شاہ صاحب نے خصوصی دلچسپی لی اور رحمت علی قادری صاحب نے غسل دیا- نماز جنازہ کا حال فاروق مصطفوی صاحب کی زبانی سنئے-

"عاشق حبیب- مداح غوث و رضا محب داتا و خواجہ، مقبول حضرت میاں میر، خلیفہ قطب مدینہ حکیم اہل سنت کا آخری دیدار بڑا دل کشا و دل افروز تھا- آپ کا چہرہ مبارک بعد وصال ظاہری زندگی سے زیادہ تابندہ تھا- مسکراہٹ اور تازگی عیاں تھی اور نیازمندان حکیم اہل سنت ان کا کھلا کھلا چہرہ دیکھ کر ورطہ حیرت میں پڑ گئے- آخری دیدار کے دوران کلمہ طیبہ کا ورد جاری رہا- نماز جنازہ آپ کے دیرینہ دوست حضرت پیر سید محمد حسن شاہ گیلانی نوری نے پڑھائی اور نماز جنازہ میں اپنی بخشش اور خدا کا فضل چاہنے والوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی- علماء و مشائخ، ڈاکٹر، جج، وکلاء، صحافی اور ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے لوگ شامل تھے-

"احاطہ مقابر چشتیاں" قبرستان میاں میر رات گیارہ بجے سسکیوں، محبت بھری آہوں، پرخلوص آنسوؤں اور کلمہ شہادت کی صداؤں میں حکیم اہل سنت کا جسد خاکی اپنی والدہ محترمہ کے پہلو میں اپنی ہی زیر نگرانی تیار کردہ قبر میں اتار دیا گیا- وصیت کے مطابق تمام تبرکات پیر و مرشد، آثار بزرگان، اجازت نامے اور اسناد صلحاء قبر میں محفوظ کر دی گئیں- تلاوت قرآن پاک ہوتی رہی، عشاق مزار اقدس پر مٹی ڈالتے رہے- تلاوت کے بعد صاحبزادہ میاں زبیر احمد صاحب کی تحریک پر جس کی ابتدا انہوں نے خود کی، پانچ مرتبہ اذان دی گئی- دو نعتیں اعلیٰ

حضرت امام احمد رضاؒ کی پڑھی گئیں۔

؎ ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں!

اور

؎ نعمتیں بانٹا جس سمت وہ ذیشان گیا!

جس وقت مندرجہ ذیل شعر پڑھا گیا تو لوگوں کے ذہن میں اس کی عملی تفسیر قبلہ پیر صاحب کی صورت میں سامنے آئی ؎

انہیں جانا انہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

بارگاہ رسالت میں استغاثے کے بعد اویس خاں صاحب نے درود تاج اور قاضی صلاح الدین صاحب ضیائی نے "شجرہ قادریہ رضویہ ضیائیہ" پڑھا۔ آخر میں درود و سلام کے بعد دعا زبدۃ الحکماء حضرت سید امین الدین قادری خوشحالی نے کرائی اور یوں حکیم اہل سنت کا سفر آخرت جو صبح بارہ بجے سے قبل شروع ہوا تھا، بارہ بجے رات سے قبل اختتام پذیر ہوا۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے!

ایک خواب: شب وصال میری زوجہ جو حضرت سے غایت درجہ عقیدت اور ادب رکھتی ہے، نے خواب دیکھا کہ آپ ہمارے غریب خانہ پر تشریف لائے ہیں۔ گھر شیشے کا بن گیا ہے اور بہت بڑا ہجوم آپ کے پیچھے آ رہا ہے۔ اندر تشریف لا کر دروازہ بند کرنے کا حکم فرمایا اور پھر اسی لمحے دیکھا کہ آپ اپنے دولت خانہ پر ہیں اور گھر کے عقب میں ایک دروازہ کھل گیا ہے جس کے باہر بہت خوبصورت باغ ہے۔ قبلہ پیر صاحب کی زوجہ محترمہ (اور ہماری ماں) اللہ تعالیٰ انہیں صحت اور عمر عطا فرمائے، دریافت کرتی ہیں اب آپ نے ادھر دروازہ بنا لیا ہے۔ فرمایا "ہاں، اس لیے کہ آنے جانے میں آسانی رہے"۔

بہرحال ٨ شعبان المعظم ١٤٢٠ھ کو آپ ہمیں یتیم کر گئے اور ہم ایسے شفیق و مربی سے محروم ہو گئے جہاں کوئی معذرت اور عذر نہ سنے اور وہ ہزاروں خطائیں معاف فرما کر سینے سے لگا کر دعائیں دے۔ اللہ تعالیٰ حضرت قبلہ پیر سائیں کے وسیلے اور برکت سے آپ کے جملہ متوسلین پر اپنا فضل و کرم فرمائے۔

بخش دے سب جرم و عصیاں اے میرے پروردگار
حضرت موسیٰ حکیم باصفا کے واسطے

حکیم صاحب کی طبی خدمات پر تحسین کے چند پھول

محمد عالم مختار حق، لاہور

حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی علمی، دینی و رضوی خدمات کے اعتراف میں ان کے نیازمندوں نے ان کے حین حیات ہی میں اُن کی خدمت میں ''ارمغان عقیدت'' پیش کرنے کا منصوبہ بنایا تھا اور بعض مشاہیر اہل قلم نے اپنے اپنے تاثرات حوالہ قلم وقرطاس کیے بھی تھے مگر جب حکیم صاحب سے اس کا ذکر ہوا تو انہوں نے اس پر صاد نہیں کیا۔ اس لیے یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ حکیم صاحب ساری عمر طبعاً شہرت سے نفور رہے بلکہ ایسا بھی ہوا کہ اگر کسی نیازمند نے اظہارِ عقیدت میں آپ کی مدح وستائش میں کوئی لفظ یا کلمہ بول دیا تو فوراً اپنی ناراضگی و ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور اگر کسی شخص نے بطور اظہارِ عقیدت دست بوسی کی سعادت حاصل کرنے کی کوشش کی تو اسے سختی سے ڈانٹ پلا دی۔ البتہ ایسی تحریرات جو ان کی طبی خدمات کے حوالے سے بعض مشاہیر نے سپرد قلم کی تھیں، محفوظ رہ گئیں۔ ایک عرصہ سے راقم الحروف کا معمول رہا ہے کہ ہفتہ کے روز حکیم صاحب کے ارشادات سے مستفیض ہونے کے لیے ان کی خدمت بابرکت میں حاضری دیتا تو سب سے پہلے میری نظر اس شاپر بیگ پر پڑتی جو حکیم صاحب نے میرے نام سے مستقل لٹکا رکھا تھا اور وہ ہفتہ بھر اس میں اصحاب فضل وکمال کے مکاتیب و دیگر اہم دستاویزات ڈالتے رہتے اور جب ہفتہ کے روز حاضر خدمت ہوتا تو یہ تبرکات اپنی زنبیل میں ڈال کر لے آتا اور انہیں حسب ہدایت حکیم صاحب محفوظ کر لیتا --- ایک سال بیت گیا میری اس ہفت روزہ حاضری کے معمول میں حکیم صاحب کی رحلت کے بعد بھی فرق

نہیں آیا۔ میرے نام کا شاپر بیگ اب بھی الماری کے ساتھ معلق ہے مگر اس کی طرف بڑھنے والا ہاتھ اب نظر نہیں آتا۔

اے غائب از نظر کہ شدی ہم نشینِ دل
مے بینمت عیاں و دعا مے فرستمت

آج کی صحبت میں قارئین ''جہان رضا'' کو انہی چند تحریرات سے واقف کرنا مقصود ہے جو راقم کے پاس محفوظ ہیں۔

۱۔ مفتی ضیاء الدین ضیاء

آپ بڑے فاضل بزرگ تھے۔ متحدہ ریاست جموں وکشمیر کے مفتی اعظم رہے۔ تقسیم ملک کے بعد ہجرت کر کے پاپڑ منڈی لاہور آ بسے اور یہیں انتقال کیا۔ علالت میں حکیم صاحب کے زیر علاج رہے اور شفایابی پر ارتجالاً یہ اشعار بطور شکریہ ان کی نوک قلم پر آ گئے جن میں حکیم صاحب کے فن کو خراجِ عقیدت پیش کیا گیا ہے۔ آپ بھی ان کے مطالعہ سے لطف اندوز ہوں:

تجلی بہ موسیٰ چو بر طور شد — جہانے کزاں نور مسرور شد
کہ پرتو فگن ید بیضاء مثال — زدستش شفاء بسکہ مافور شد
بہ نباض بینی گرو بردہ است — ہمی گونہ در دہر مسطور شد
بہ امراض کہنہ بسے کہنہ مشق — بہ لبہائے مخلوق مذکور شد
چنیں طنطنہ شد بہر مرز بوم — کزیں ملک تا شاہ فغفور شد
کہ از تجرباتش ضیاء آگہہ است — کہ دیرینہ زو علتے دور شد
ز دست شفاء ایں چنیں تیز ہوش — بہ پیش جہاں جملہ معذور شد
بہ صفحات تاریخ ایں شکریہ — بنزدش بحمداللہ منظور شد

۲-حکیم عبدالمجید عتیقی (نابینا حکیم-متوفی ۱۹۷۱-۴-۲۵)

آپ کہنہ مشق طبیب، صاحب علم بزرگ، خلافت کمیٹی کے جنرل سیکرٹری، کامل بک ڈپو فلیمنگ روڈ لاہور کے مالک اور کئی طبی کتابوں کے مصنف تھے۔ آپ نے حکیم صاحب کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کیا ہے ''میں بڑی خوشی سے تصدیق کرتا ہوں کہ حکیم محمد موسیٰ صاحب ولد حکیم فقیر محمد صاحب امرتسری مرحوم ایک کہنہ مشق ذی علم اور صاحب تجربہ طبیب ہیں۔''

۳- پیر غلام دستگیر نامی (متوفی ۱۹۶۱-۱۲-۱۶)

پیر، مصنف، مورخ، سجادہ نشین درگاہ حضرت عبدالجلیل چوہڑ شاہ بندگی قریشی سہروردی۔ فن تاریخ گوئی کے امام۔ ایک سو باون کتابوں کے مصنف، مسائل وراثت میں درجہ اختصاص رکھتے تھے۔ انہوں نے حکیم صاحب کی مسیحا نفسی کو اس طرح خراج عقیدت پیش کیا ہے:

الف: ''میں زیب عنوان (حکیم محمد موسیٰ صاحب) خاندانی تجربہ کار امرتسری حکیم صاحب کا جو مین بازار رام گلی لاہور میں ایک شریف النفس اور شفا دست طبیب ہیں ممنون ہوں کہ وہ دائرۃ الاصلاح کے فی سبیل اللہ کام میں ہاتھ بٹا کر میرا وقت بچاتے اور میری صحت کی حفاظت کرتے ہیں۔''

(اصلاح رسوم از نامیؔ، مطبوعہ دائرۃ الاصلاح، لاہور ۱۹۵۹ء)

ب: ''میں تصدیق کرتا ہوں کہ حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری جو پاکستان کے ظہور کے وقت سے لاہور رام گلی میں اپنے خاندانی تجربات سے مریضوں کا علاج کرتے ہیں، ایک مسیحا نفس طبیب ہیں۔ میں نے خود بارہا اپنے بیمار ہونے کی حالت میں ان سے علاج کرایا ہے اور شفایاب ہوا ہوں۔ اسی طرح میرے فرزند محمد ابوبکر بی ایس سی کاٹن انسپکٹر کو بھی دو تین دفعہ بیماری میں علاج کرانے کا موقع ہوا ہے اور صحت پائی ہے۔ ان کے کم خرچ اور کثیر المنافع نسخے بے حد اثر رکھتے ہیں۔''

ج: ''حکیم محمد موسیٰ امرتسری ثم لاہوری رسالوں کی اشاعت میں میرا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ ان کا فقیری یونانی دواخانہ مین بازار رام گلی نمبر۲ لاہور میں شفا بخش مریضاں ہے۔''
(اصلاح معاشرہ از نامیؔ، مطبوعہ دائرۃ الاصلاح، لاہور ۱۹۵۹ء)

۴- مولوی محمد سلیمان فاروقی بی اے (متوفی ۳-۱۹۷۳-۸-۶)

الحاج مولانا نور احمد نقشبندی جنہوں نے مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی کی تدوین سے شہرت پائی، آپ انہی کے فرزند دلبند ہیں۔ آپ نے اپنے ادارے نور کمپنی انارکلی لاہور سے مکتوبات کا جو ایڈیشن ازسرنو چھاپا اس پر حکیم صاحب نے ایک پرمغز پیش لفظ لکھا۔ آپ حکیم صاحب کے متعلق رقم طراز ہیں:

''میں حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری فرزند ارجمند عالی جناب حکیم فقیر محمد صاحب چشتی امرتسری مرحوم کو عرصہ کئی سال سے جانتا ہوں اور ان سے وقتاً فوقتاً اپنا علاج بھی کراتا ہوں اور طبی مشورہ بھی حاصل کرتا ہوں۔ قابل اور تجربہ کار ہیں۔''

۵- خواجہ غلام صمد انبالوی (سابق ایم ایل اے)

آپ ہمدرد قوم وملت بزرگ تھے۔ حضرت خواجہ میاں علی محمد شاہ ہوشیار پوری کے مرید خاص تھے۔ حکیم صاحب کے والد سے قلبی لگاؤ کے سبب حکیم صاحب پر بھی مہربان تھے۔ آپ کی وفات پر حکیم صاحب نے ''خواجہ شد بجنت'' مادہ تاریخ وصال نکالا جس سے سال وفات ۱۳۷۹ھ مستخرج ہوتا ہے۔ جب حکومت نے یونانی اطباء کی رجسٹریشن کا قانون بنایا تو آپ کی رجسٹریشن کی سفارش خواجہ غلام صمد ہی نے کی تھی۔ خواجہ صاحب رقمطراز ہیں:

''موسیٰ صاحب نے اپنے والد محترم اور دیگر تعلیمی مراکز سے بھی تعلیم اور عملی تربیت حاصل کرنے کے مواقع سے فائدہ اٹھایا۔ وہ اپنی پاکستان آمد سے لے کر ایک خودمختار طبیب کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ ان کے مریض ان کی طبی خدمات کے گن گاتے ہیں اور ان کی طبی مہارت کے بارے میں بہت اچھی رائے

رکھتے ہیں۔ وہ یقینی طور پر حوصلہ افزائی کے مستحق ہیں اور ''خاندانِ حکیماں'' کے ایک رکن کی حیثیت سے بطور حکیم اندراج کا ترجیحی حق رکھتے ہیں۔'' (انگریزی سے ترجمہ)

۶ - بے چین رجپوری بدایونی مدظلہ' ادیب' شہیر اور شاعر بے عدیل

(آئی ۔ ۲۷' وحدت کالونی لاہور)

اے طبیب حاذقے محمد موسیٰ امرتسری!
آپ سے باخاص و عام ہے دین صفا کی رہبری!
ہے منور آپ کا سراپا بہ ضیائے مصطفا!
واہ! حضرت آپ کی یہ رخشندگی و جلوہ گری!
تحفہ نعت رسول بے چینؔ سے ہے پیشکش حضور!
بخشیں مقبولی شرف ہو اس کو جد زہرہ مشتری!

۷ - دکتر محمد حسین تسبیحی رہاؔ (دانشور ایران)

مشہور ایرانی سکالر' جنہوں نے کشف المحجوب از حضرت داتا گنج بخش لاہوری کا انتقادی فارسی متن ۱۹۹۵ء میں اسلام آباد سے شائع کیا۔ ان کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ ''تحلیل کشف المحجوب و تحقیق در احوال و آثار داتا گنج بخش'' دانش گاہ پنجاب لاہور سے ۱۹۹۹ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ ان کی بعض دیگر تصانیف میں سعدی نامہ' مراسم عروسی ایرانی' نامہ نوروزی' خلاصۃ الاسرار و تحفۃ القادری از خواجہ سناء اللہ پیر خرابات کی تدوین اور ''نقش ہائے رنگ رنگ'' از حکیم محمد حسین عرشی کی ترتیب شامل ہیں۔ انہوں نے فارسی میں بیس اشعار پر مشتمل حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمتہ اللہ علیہ کی منقبت بعنوان ''امرتسری نامہ''، لکھی جسے اہل علم نے بہت پسند کیا تھا۔